

میتروں کی دوستی، آپنا صحابہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں

# مَسْئُومُ کَاز

مفتی محمد الکریم جابر قاسمی • مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

شعبہ اشاعت و اشاعت

مدارِ سہ ماہی، کراچی، پاکستان

قرآن و سنت، آثار صحابہ رضی اللہ عنہ  
اور فقہ حنفی کی روشنی میں

# مسنون نماز

مفتی محمد ابو بکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

شعبہ نشر و اشاعت

مدرسہ خیر المدارس ٹرسٹ بورا بندہ حیدر آباد

## جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب :	مسنون نماز (قرآن وسنت، آثار صحابہ اور فقہ حنفی کی روشنی میں)
مصنفین :	مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
صفحات :	241
سن طباعت :	چوتھا ایڈیشن، مارچ ۲۰۱۳ء م ربيع الثانی ۱۴۳۴ھ
کمپوزنگ :	حافظ محمد حسام الدین، فون: 09542235137
ترتیب :	قبا گرافکس، حیدرآباد فون: 09704172672
ناشر :	مدرسہ خیر المدارس ٹرسٹ حیدرآباد

## ملنے کے پتے

- ✽ مدرسہ خیر المدارس، بورا بندہ، حیدرآباد، فون: 040 - 23836868
- ✽ دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانگی، مغلیہ پورہ، حیدرآباد، فون: 040 - 66710230
- ✽ فضل بک ڈپو، جامع مسجد ملے پلی، حیدرآباد، فون: +91 40 - 9440039231
- ✽ مکتبہ احیاء سنت، مسجد ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد، فون: 040 - 23325952
- ✽ مکتبہ فیض العلوم، سعید آباد، حیدرآباد، فون: 040 - 24557422
- ✽ ہندوستان پیپرائیمریم، مچھلی کمان، حیدرآباد، فون: 040 - 66714341
- ✽ ہڈی بک ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی، حیدرآباد، فون: 040 - 24514892
- ✽ مکتبہ ابن کثیر، پانی کی ٹانگی، مغلیہ پورہ، حیدرآباد، فون:
- ✽ مکتبہ نعیمہ دیوبند، یوپی

## فہرست مضامین

۳۲	اسلام میں اذان کا آغاز	۷	مقدمہ طبع جدید
	پانچوں نمازوں کے لئے	۸	پیش لفظ
۳۴	اذان سنت مؤکدہ		تقریظ (حضرت مولانا شاہ محمد جمال)
۳۵	اذان کے وقت کان میں انگلیاں	۱۰	الرحمن صاحب دامت برکاتہم
۳۵	اذان مسجد سے باہر مستحب		تقریظ (حضرت مولانا عبداللہ صاحب)
۳۵	اذان کا جواب مستحب	۱۱	معروفی، استاذ دارالعلوم دیوبند
۳۶	اذان کے بعد کی دعاء	۱۴	کچھ ضروری باتیں
۳۷	اقامت کا بیان	۲۱	نماز کی حقیقت
	اقامت کے وقت مقتدی	۲۱	نماز فجر کا وقت
۴۰	کب کھڑے ہوں؟	۲۳	نماز ظہر کا وقت
۴۲	خلاصہ کلام	۲۶	نماز عصر کا وقت
۴۲	اذان و اقامت میں انگوٹھا چومنا	۲۶	نماز مغرب کا وقت
۴۴	نماز کی شرطیں	۲۷	نماز عشاء کا وقت
۴۴	بدن کا پاک ہونا		بغیر عذر کے دو نمازوں کو
۴۴	کیڑوں کا پاک ہونا	۲۸	اکھٹا پڑھنا جائز نہیں
۴۵	جگہ کا پاک ہونا	۳۲	اذان کا بیان

۲۵	وتر کی تیسری رکعت میں	۲۵	ستر عورت
۲۵	دعائے ثنوت	۲۵	مرد و عورت کے ستر کے حدود
۲۶	نماز کی سنتیں	۲۶	سر ڈھانپنا سنت مؤکدہ ہے
۵۰	نماز کے مستحبات	۵۰	وقت کا ہونا
۵۰	نماز پڑھنے کا طریقہ	۵۰	قبلہ کی طرف رخ کرنا
۵۱	قیام	۵۱	نیت
۵۲	صف کی درنگی	۵۲	نماز کے فرائض
۵۲	دو پیروں کے درمیان کا فاصلہ	۵۲	تکبیر تحریمہ
۵۲	نیت	۵۲	قیام
۵۳	تحریمہ	۵۳	قرأت
۵۵	ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا	۵۵	رکوع
۵۵	ثناء	۵۵	سجدہ
۵۶	تعوذ و تسمیہ	۵۶	قعدہ اخیرہ
۵۷	قرأت	۵۷	نماز کے واجبات
۵۷	حدیث حضرت عبادہ بن	۵۷	سورہ فاتحہ کا پڑھنا
۵۷	صامت ﷺ کی وضاحت	۵۷	فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کا ملانا
۵۸	آمین آہستہ کہنا	۵۸	تعدیل ارکان
۵۸	رکوع	۵۸	قرأت کے لئے فرض کی پہلی
۵۸	قومہ	۵۸	دور کعتوں کو متعین کرنا
۵۹	رفع یدین (ہاتھ اٹھانا)	۵۹	رعایت ترتیب
۵۹	سجدہ	۵۹	پہلا قعدہ
۵۹	جلسہ	۵۹	تشہد پڑھنا
۵۹	جلسہ استراحت	۵۹	جہر اور سر
۶۰	دوسری رکعت	۶۰	لفظ سلام سے نکلنا

۱۶۵	سنت عصر	۱۱۲	قعدہ اولیٰ
۱۶۵	سنت مغرب	۱۱۴	تشہد
	مغرب کی نماز سے پہلے	۱۱۵	تشہد میں انگلی اٹھانے کا طریقہ
۱۶۶	نفل پڑھنا مسنون نہیں ہے	۱۱۹	انگلی سے اشارہ کی حقیقت
۱۶۸	سنت عشاء	۱۲۰	تیسری رکعت
	وتر کے بعد نفل	۱۲۱	قعدہ اخیرہ
۱۶۸	حدیث سے ثابت ہے	۱۲۳	سلام
۱۷۰	نماز تراویح	۱۲۴	نماز کے بعد دعاء
	نماز تراویح حضور ﷺ کے	۱۲۸	نماز کے بعد اذکار
۱۷۰	زمانے میں		عورتوں کے طریقہ نماز کا
	نماز تراویح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ	۱۳۲	کچھ فرق
۱۷۲	اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں		محلے کی مسجد میں
	نماز تراویح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۱۳۳	دوسری جماعت مکروہ ہے
۱۷۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں	۱۳۷	نماز وتر
	نماز تراویح تابعین و تبع تابعین	۱۳۸	رکعات وتر
۱۷۵	وائمہ کرام کے زمانے میں	۱۵۰	وتر میں ایک سلام
	حضرت عائشہؓ کی	۱۵۳	دعائے قنوت
۱۷۸	روایت کی توضیح	۱۵۴	قنوت سے پہلے رفع یدین
	نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے	۱۵۶	قنوت رکوع سے پہلے
۱۸۱	سے نماز فاسد ہو جاتی ہے	۱۵۶	سنتیں اور نوافل
۱۸۴	نماز جمعہ کی اہمیت		دن و رات کی بارہ سنت مؤکدہ
	گاؤں اور دیہات میں	۱۵۶	اور ان کی فضیلت
۱۸۴	جمعہ جائز نہیں	۱۵۷	سنت فجر
۱۸۶	جمعہ کی دواذائیں	۱۶۳	سنت ظہر

۲۲۱	✽	نابالغ کی دعاء	✽	جمعہ کے دن خطبہ کے وقت
۲۲۱	✽	بالغ کی دعاء	۱۸۸	امام کے سامنے اذان
۲۲۲	✽	نماز جنازہ میں قرأت	✽	جمعہ کے دن دونوں خطبے
	✽	نماز جنازہ میں دعاء	۱۸۹	عربی زبان میں ہوں
۲۲۵	✽	آہستہ پڑھی جائے	✽	خطبہ کے درمیان بات چیت
۲۲۶	✽	نماز جنازہ کے بعد دعاء	۱۹۲	اور نماز مکروہ ہے
۲۲۶	✽	غائبانہ نماز جنازہ	✽	جمعہ سے پہلے
۲۲۸	✽	پگڑی پر مسح ناجائز	۱۹۶	اور جمعہ کے بعد کی سنتیں
۲۲۹	✽	کپڑے کے موزوں پر مسح کا حکم	✽	عید اور جمعہ اکٹھے ہوں تو
	✽	جراہوں پر مسح کی	۱۹۸	جمعہ ساقط نہ ہوگا
۲۳۰	✽	روایات کی حقیقت	۲۰۰	نماز عیدین
	✽	نماز میں خشوع خضوع	۲۰۰	نماز عید کا حکم
۲۳۱	✽	پیدا کرنے کے طریقے	۲۰۱	نماز عید کی ترکیب
۲۳۷	✽	مصادر و مراجع	۲۰۳	خطبہ عیدین
	✽			مساجد اور عید گاہوں میں
	✽		۲۰۴	عورتوں کی نماز
	✽		۲۰۷	اجازت کے زمانے کی شرطیں
	✽			مسجد حرام اور مسجد نبوی میں
	✽		۲۰۹	خواتین کی نماز
	✽		۲۱۱	نماز استخارہ
	✽		۲۱۶	نماز جنازہ
	✽		۲۱۷	نماز جنازہ کا طریقہ
	✽		۲۱۷	تکبیرات جنازہ
	✽		۲۱۹	تکبیر جنازہ میں رفع یدین

## مقدمہ طبع جدید

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا بے پایاں احسان و کرم ہے کہ پہلا ایڈیشن دس بارہ دن میں ختم ہو گیا، خواص و عوام، اکابر علماء نے غیر معمولی ہمت افزائی کی، اضلاع و دیگر صوبوں سے پئے درپئے تقاضے آنے لگے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی نظر ثانی اور مشورہ کے بعد اس کتاب کے نام کو بدلا گیا، ”نبی رحمت ﷺ کی نماز، قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں“ کے بجائے اب اس کتاب کا نام ”قرآن و سنت، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور فقہ حنفی کی روشنی میں مسنون نماز“ رکھا گیا۔

کتابت کی اغلاط کی تصحیح کر لی گئی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں، ایک بڑی غلطی رہ گئی تھی کہ سنتِ عصر کو مؤکدہ لکھ دیا گیا تھا، جن کے پاس پہلا ایڈیشن ہو، وہ ضرور تصحیح فرمائیں۔

بعض عناوین کو آسانی کے لئے مزید نمایاں کیا گیا، مولانا عبداللہ صاحب معرونی، استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند اور مفتی محمود الحسن صاحب بلند شہری مفتی دارالعلوم دیوبند کی نظر ثانی ذرہ نوازی بحمد اللہ شامل حال رہی، اول الذکر بزرگ نے مفصل استنادی تقریظ سے بھی کرم فرمایا، یہ سب کچھ میرے اکابر، اساتذہ اور والدین کی دُعاؤں کا صدقہ ہے۔ انگریزی ترجمہ کا کام انشاء اللہ جلد ہی شروع ہونے والا ہے، پروردگارِ عالم مقامی اور غیر مقامی زبانوں میں ترجمہ کا کام آسان فرمائے، قبولیت سے نواز کر، مرتبین کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

برکان وجیہ الدین صاحب، کملا پوری کالونی، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

۱۵ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ ۱۲ دسمبر ۲۰۱۰ء



## پیش لفظ

اس کتاب کا مقصد نماز سے متعلق پورے مسائل و دلائل کو نہ بیان کرنا ہے اور نہ ہی دیگر مکاتب فکر کے دلائل کا مکمل جواب، بلکہ یہ بات پوری کتاب میں پیش نظر رہی ہے کہ سنجیدہ، مثبت، علمی انداز میں سلگتے ہوئے ضروری مسائل مدلل اور باحوالہ آجائیں، درمیان میں مسنون اذکار نماز، اسرار و رموز کی حلاوت بھی شامل کر دی جائے۔

راقم الحروف نہ محقق ہے نہ محدث، صرف اگلے مفسرین، محدثین، فقہاء کے علاوہ پچھلے زمانے کے علماء، علامہ نیمویؒ، علامہ ظفر عثمانیؒ اور عصر حاضر کے مشہور شارحین حدیث مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، شیخ الحدیث مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری نیز مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی اور بالخصوص مفتی شعیب اللہ خان صاحب کی تحقیقات اور ان ہی کے الفاظ میں صحت و ضعف کے فیصلوں کا ناقل ہے، اسرار شریعت اور دعاؤں کے ترجمے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی مختلف تصنیفات سے ماخوذ ہیں۔

اُردو کتابوں کے حوالوں کی کثرت سے حواشی کتاب کے مزید دراز ہو جانے کا اندیشہ تھا، جو کتاب کی قامت و قیمت میں مزید اضافہ کر دیتا، اس لیے عربی کتب حدیث کے حوالے بقید صفحات و نمبرات، موضع طباعت و اسماء محققین کے اہتمام سے نقل کئے گئے ہیں، بارہ پندرہ حدیثیں وہ ہیں جس پر صحت و ضعف کا فیصلہ مولانا مشہود الدین صاحب قاسمی استاذ اشرف العلوم حیدر آباد، فارغ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند (بارک اللہ فی علمہ و عملہ) کے قلم سے ہے، بنیادی طور پر مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی دامت برکاتہم کی ”احادیث نماز“ سے استفادہ رہا، حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو میرے اکابر کی تحقیقات ہیں۔

مفتی رفیع الدین صاحب قاسمی کی علمی رفاقت، تسوید و تہیض، تحقیق و ترجمہ کے صبر آزما

مرحل میں اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے تک بے حد معاونت رہی، (جزاۃ اللہ احسن الجزاء) ہمارے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کا بہت بڑا احسان ہے کہ حضرت والا نے مسلسل اسفار، روزانہ جلسوں میں شرکت اور دیگر غیر معمولی مصروفیات کے باوجود پوری کتاب پر نظر ثانی فرما کر ہمت افزائی فرمائی۔

اللہ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے مشفق ناظم محترم مولانا احمد علی صاحب قاسمی مدظلہ کو کہ انہوں نے مدرسہ خیر المدارس، بورا بندہ سے اس کتاب کو طبع فرمایا، اور شاید اجتماعی نسبت ہی نے کتاب کی طباعت کے سارے مراحل کو آسان کر دیا۔

محمد ابو بکر جابر قاسمی

۲۱ رمضان ۱۴۳۱ھ بروز جمعہ

۱۳/ اگست ۲۰۱۰ء

## اتحادِ امت کی اہمیت

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کے پاس ایک آزاد فکر جو اپنے کو اہل حدیث کہتے تھے؛ صاحب آئے تو حضرت نے ان سے پوچھا کہ رفع یدین، قرأت خلف الامام وغیرہ کی (اختلافی) سنتیں ہی معلوم ہیں یا دوسری سنتیں بھی جانتے ہو۔ (تجلیات صفر)

امام حسن البناء کا ایک علاقہ میں جانا ہوا، جہاں مسلمان دو جماعت بنا کر نماز تراویح پڑھ رہے تھے ایک بیس رکعت والے دوسرے آٹھ رکعت والے، انہوں نے پوچھا نماز تراویح کا کیا حکم ہے؟ جواب دیا، سنتِ مؤکدہ، پوچھا مسلمانوں میں اتحاد باقی رکھنے کا حکم کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: فرض ہے، امام حسن البناء نے فرمایا: تم نے سنتِ مؤکدہ ادا کرنے کیلئے فرض چھوڑ دیا۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے منی میں چار رکعت پڑھ لیے، (حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کو، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے دیکھا، اس لیے کہ وہ مسافر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقیم ہونا انہیں معلوم نہیں تھا) اور فرمایا دو رکعت زیادہ پڑھ لینا آسان ہے مگر دو جماعت بنا کر انتشار پھیلانا اس سے برا ہے، الخلاف اشد۔ (حیۃ الصحابہ: ۴/۲)

# تقریظ

حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم  
امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش

مفتی ابوبکر جابر قاسمی، اور مولانا رفیع الدین قاسمی کی کتاب ”مسنون نماز قرآن و سنت، آثار صحابہؓ اور فقہ حنفی کی روشنی میں“ کے مطالعہ کا موقع ملا، بڑی تفصیل کے ساتھ مکمل طریقہ نماز کو قرآن و سنت اور احادیث مبارکہ و روایات معتبرہ کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔ ترتیب، مواد، احادیث کی تخریج اور متعلقہ مسئلہ کو مدلل و مبرہن کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے، اسلوب تحریر بھی شائستہ اور زبان بھی عام فہم ہے، طریقہ نماز کے موضوع پر عربی اُردو میں بہت سے کتب و رسائل شائع ہو گئے ہیں، اس سب کے باوجود یہ اپنی نوعیت کی نہایت مفید کتاب ہے۔ اس کے ذریعہ انشاء اللہ احناف کے طریقہ نماز کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کر کے انتشار پھیلانے والوں کے شر سے نوجوانوں کو محفوظ رکھنے میں مدد ملے گی۔

اور خود غیر مقلدین کے لئے بھی یہ کتاب نہایت مفید ہوگی، کہ بہت سی احادیث صحیحہ کو اب تک جو اصحاب الرائے کی آراء کہہ کر انکارِ حدیث کے جرم میں مبتلا ہو رہے تھے اس سے خود کو بچا سکیں گے، خصوصاً مختلف فیہ مسائل میں روایت و درایت کی روشنی میں جو محنت و کوشش ان عزیز نوجوان علماء نے فرمائی ہے، بڑی قابلِ قدر اور حوصلہ افزاء ہے بلکہ موجودہ حالات میں اگر اعدادیہ تا دوام فقہ کے گھنٹہ میں ۱۵ منٹ یومیہ یا ہفتہ میں ایک دو دن اس کتاب کو پڑھا دیا جائے تو مبتدی طلبہ کے حق میں زیادہ بہتر رہے گا۔

محمد جمال الرحمن مفتاحی

۲۱ رمضان ۱۴۳۱ھ بروز جمعہ

# تقریظ

حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب

استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

اس میں شبہ نہیں کہ احکام شریعت کا اصل سرچشمہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ہیں، ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں سے متعلق جملہ تفصیلی جزئیات صراحۃً کتاب و سنت میں موجود ہیں بلکہ ان قوانین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اجمال کے ساتھ اصولی قواعد اور اشارات کی شکل میں بیان فرمایا ہے، اور نبی کریم ﷺ کو ان اشارات کی تفصیل اور قواعد کی توضیح و تطبیق کا مکلف بنایا ہے، آیت کریمہ ”وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (نحل: آیت ۴۴) میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا گیا ہے پھر آنحضرت ﷺ کی تبیین و تشریح کے بعد بھی یہ ممکن نہیں ہوگا کہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے تغیر پذیر حالات کی رعایت کرتے ہوئے ہر ایک کے لئے الگ الگ قانون اور حکم واضح انداز میں مدون ہو جائے، ہاں اس قدر جزئیات و نظائر اور رہنما خطوط ضرور سامنے آجائیں گے کہ کسی نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں رہے گی اور تغیراتِ زمانہ کے نتیجے میں نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و حدیث کی نصوص میں غور کر کے دریافت کیا جاسکے گا، ان ہی نئے مسائل کا منصوص مسائل کی روشنی میں حل نکالنے کا نام قیاس و اجتہاد، اور اسی کی ضرورت آیت کریمہ کے اگلے حصہ ”وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ“ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

پھر غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کے ذریعہ جو حکم شرعی دریافت ہوگا کبھی تو ایسا ہوگا کہ امت کے

سبھی علماء اس پر متفق ہو جائیں گے جس کو ”اجماع“ کہا جاتا ہے، قرآن کریم نے اسے بھی حجت قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا“ (نساء: آیت ۱۱۵) میں آنحضرت ﷺ کی قطعی اور صریح طور پر ثابت شدہ حکم کی مخالفت اور مؤمنین کے راستہ سے الگ راستہ اختیار کرنے (اجماع کی مخالفت) دونوں کو موجب جہنم فرمایا گیا ہے۔

اور کبھی اس اجتہاد کے نتیجے میں علماء کے مابین اختلاف رونما ہوگا، واضح رہے کہ اجتہاد کیلئے کچھ ضروری شرطیں درکار ہیں، اجتہاد و استنباط کا وہی معیار معتبر ہوگا جو مجتہد کی امانت و دیانت کے ساتھ قرآن کریم، سنت نبوی، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، کلام عربی کے محاورات و استعمالات کے صحیح فہم و ادراک پر مبنی ہو، یوں تو ہر دور میں اجتہاد کے دعویدار پائے جاتے رہے ہیں اور اپنے اپنے انداز سے وہ اجتہادات کرتے بھی رہے ہیں حتیٰ کہ بعض مجتہدین کے منصوص مسائل تک کو بھی اپنے اجتہاد کا نشانہ بنایا، مگر قابل اعتماد و لائق اتباع وہ اجتہاد ہوگا جو عہد صحابہ رضی اللہ عنہم، عہد تابعین اور عہد اتباع تابعین میں طے شدہ مناجات استنباط کے تابع ہو، کیونکہ ان زمانوں کو ”خیر القرون“ کی ضمانت حاصل ہے، پھر اس ”خیر القرون“ میں بھی بہت سے مجتہدین تھے مگر سب کے اصول و مناجات استنباط نہ تو مدون ہو سکے اور نہ ہی ان کے متبعین کا سلسلہ بعد کے ادوار میں قائم رہ سکا اور تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ متبوعین کے مناجات استنباط پر امت کو مجتمع فرمادیا، اس لیے غیر منصوص مسائل، یا ایسے منصوص مسائل جن میں قطعی و صریح نص موجود نہ ہوں اور منقول ادلہ متعارض ہوں یا مختلف معانی کا احتمال رکھتے ہوں ان میں ائمہ اربعہ کی تقلید عام مسلمانوں کیلئے لازم ہے ”فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“ اس طرح کے مسائل میں اگر کوئی قضیہ بظاہر کسی حدیث کے خلاف مذہب اختیار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث اس کے نزدیک یا تو پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی یا مسئلہ باب پر اس کی دلالت صاف نہیں ہے یا کسی دلیل اقویٰ کے معارض ہو کر مرجوح ہے۔

امت کا مجموعی عمل یہ رہا ہے کہ مذاہب اربعہ کے متبعین ہر دور میں باہم ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے اپنے ائمہ کے قائم کردہ مناجات استنباط پر عمل پیرا رہے، ایک دوسرے کی تفسیل و تفسیق یا العیاذ باللہ تکفیر نہیں کی جاتی تھی، تیرھویں صدی ہجری میں ایک فرقہ وجود میں آتا ہے جو ائمہ کی

تقلید کو شرک و کفر قرار دینے اور غیر صریح و متعارض نصوص کو پیش کر کے انھیں حدیث کی مخالفت کا الزام دینے لگا، اس گروہ کی اصل گمراہی یہ ہے کہ اس نے ادلہ شرعیہ کے فرق مراتب کو نظر انداز کرتے ہوئے ظنی دلائل کو قطعی دلائل کے برابر کر دیا، بلکہ بعض دفعہ ظنیات کو قطعیات سے بھی آگے بڑھا دیا، ہندوستان میں خصوصیت سے حنفی مسلک اس فرقہ کے مظالم کا شکار ہوا، جن مسائل کو انہوں نے اپنی شراغیزی کا نشانہ بنایا ان میں زیادہ تر نماز کے مسائل ہیں، چنانچہ مجبوراً علماء احناف کو بھی اصلاح بین الناس کیلئے دفاعی قدم اٹھانا پڑا، پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک مبارک کڑی ہے جس کے مؤلفین محترم مفتی ابوبکر جابر قاسمی و مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحبان زید مجدہما لائق ستائش و قابل مبارکباد ہیں، جنہوں نے ”نبی رحمت ﷺ کی نماز قرآن و سنت کی روشنی میں“ مرتب فرما کر واضح کر دیا کہ نماز سے متعلق حنفیہ کے مسائل اور قرآن و سنت کی نظر میں قابل اعتماد ادلہ پر مبنی ہیں، خدائی قانون کے خلاف کسی انسانی قانون کے تابع نہیں ہیں، بندہ نے مختلف جگہوں سے کتاب کا مطالعہ کیا، الحمد للہ کتاب کو آسان فہم اور قوی دلائل سے مؤید پایا، اور اللہ تعالیٰ اس کو اُمت کیلئے نافع بنائے اور اس محنت کو عند اللہ و عند الناس شرعاً قبول بخشے..... آمین۔

عبداللہ معروفی غفرلہ

خادم تدریس، درالعلوم دیوبند

۱۴۳۱/۱۲/۴ھ



## کچھ ضروری باتیں

اس کتاب کو پڑھنے سے پہلے قارئین کرام چند باتیں ذہن نشین کر لیں تو بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے گا..... (انشاء اللہ)۔

❖ بلاشبہ بخاری و مسلم میں مذکورہ احادیث اپنا ایک مقام رکھتی ہیں یہ بات کبھی بھولنا نہیں چاہئے کہ اس کے لکھنے والوں نے یا کسی اور محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ساری احادیث اسی کتاب میں آگئی ہیں؛ اس لئے یہ بات نادانی کی ہے کہ کوئی بھی مسلمان کسی ایک حدیث کی کتاب کو لے کر پوری شریعت کا علم حاصل کر لے؛ یہاں تک کہ صحیح بخاری سے بھی شرک، کفر، بدعت، ایمان کی تعریف و حقیقت، پاکی، ناپاکی کے مسائل، پوری نماز تکبیر تحریمہ سے سلام تک نہیں سیکھی جاسکتی ہے؛ بلکہ یہ کہا جائے تب بھی درست ہے کہ صحیح بخاری سے کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ اس ترکیب کے ساتھ ایک جگہ نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔

❖ مسئلہ کے ثابت ہونے کے لئے قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس میں سے کسی بھی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

اجماع: یعنی کسی ایک زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی امت کے صالح مجتہدین کا کسی ایک واقعہ اور امر پر اتفاق کر لینا۔

❖ قیاس کہتے ہیں: جب فرع مقیس میں اصل (مقیس علیہ) کی علت کے مانند علت پائی جائے تو اس علت کی وجہ سے فرع میں اصل کے حکم کے مانند حکم ظاہر کرنا جیسے ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ پانی کی کشتی اور کار وغیرہ میں نماز کا مسئلہ جانور پر نماز پڑھنے کو احادیث سے ثابت کرنا ہے وغیرہ۔

❖ کوئی شخص اگر صرف قرآن سے دلیل مانگتا ہے تو وہ منکر حدیث اور اگر صرف حدیث سے دلیل طلب کرتا ہے تو منکر فقہ ہے اور حدیث یافتہ کا انکار کرنے والا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں

ہے، اسی بات کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی آپ سے یہ پوچھتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حنفی تھے یا شافعی، اگر وہ ایسے نہیں تھے تو ہمیں ان میں سے کسی ایک کی پیروی کرنا کیوں ضروری ہے؟ تو اس سے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم بخاری، مسلم اور ترمذی پڑھا کرتے تھے، جب وہ نہیں پڑھا کرتے تھے تو ہمیں کیا ضرورت ہے اس لئے صرف قرآن کافی ہے، بات بالکل واضح ہے کہ بخاری و مسلم کی احادیث تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے تھیں؛ مگر یہ کتابیں نہیں تھیں، اسی طرح یہ فقہ اور مسئلہ و مسائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں تھے؛ مگر کتابوں اور مسلکوں کی شکل میں نہیں تھے۔

❖ چاروں امام مسئلہ شریعت کی روشنی میں بتاتے ہیں، بناتے نہیں ہیں، ان کے دلائل اپنی اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، جیسے حنفیہ کے دلائل اعلاء السنن بائیس جلدوں میں، بدائع الصنائع پانچ جلدوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

❖ امام اکبر، مجدد ملت، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے انصاف میں لکھا ہے کہ ”دو صدیوں کے بعد لوگوں میں معین مجتہد امام کی تقلید کا رجحان پیدا ہوا اور بہت کم لوگ رہ گئے جو کسی معین امام مجتہد کے مذہب پر اعتماد کرتے تھے، اور یہی چیز اس زمانے میں واجب تھی“۔ (۱)

چنانچہ دوسری صدی کے بعد اٹھانوے فیصد ہر مفسر، ہر محدث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے علماء کو دیکھئے وہ سب کسی نہ کسی مسلک کے متبع ہیں، پہلے مشہور عربی تفسیروں کو لیجئے! تفسیر احکام القرآن للجصاص، تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر ابوالسعود، تفسیر روح المعانی، تفسیر مظہری سب مفسرین حنفی ہیں، تفسیر بیضاوی، تفسیر البحر المحیط، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر خازن، تفسیر ابن کثیر وغیرہ شافعی علماء مفسرین ہیں، پھر ایک نظر ڈالئے، حدیث کی مشہور کتابوں پر وہ بھی کسی نہ کسی امام کے مقلد کی لکھی ہوئی ہیں، امام تاج الدین سبکیؒ، علامہ نوویؒ اور نواب صدیق حسن بھوپالی، نیز حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے امام بخاری کو شافعی قرار دیا ہے، علامہ ابن قیمؒ، علامہ پاشا بغدادیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ نور شاہ کشمیریؒ، امام ابوداؤد کو حنبلی المذہب لکھتے ہیں، امام نسائی کا بھی حنبلی ہونے کی علامہ ذہبیؒ اور امام سبکیؒ نے وضاحت کی ہے، امام ترمذیؒ کو بھی شاہ ولی اللہؒ نے حنبلی قرار دیا ہے، امام دارقطنیؒ، محدث بیہقیؒ، صاحب مشکوٰۃ شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیبؒ اور ابن حجرؒ سب شافعی ہیں، اگر آپ طبقات المفسرین، طبقات المحدثین، طبقات الفقہاء، طبقات المؤرخین، اور طبقات النحاة



والی کتابیں اگر اٹھا کر دیکھیں گے تو اٹھانوے فیصدی قاری مسلکوں میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے والے ہیں، صحیح بخاری کو ”أصح الکتاب بعد کتاب اللہ“ ہونے کا مقام پانچویں صدی کے بعد ملا ہے؛ لیکن چاروں مسلکوں کو پوری امت مسلمہ نے پوری دنیا میں دوسری صدی کے بعد قبول کر لیا تھا۔

❖ یاد رکھئے! حدیث اور سنت میں بڑا فرق ہے، اور حکم بھی دونوں کا الگ ہے؛ بہت سی روایات حدیثیں ہیں، مگر وہ سنت نہیں ہیں، حدیث کی تعریف یہ ہے: نبی پاک ﷺ نے زندگی میں جو کچھ فرمایا اور جو کام بھی کیا یا کوئی عمل کسی مسلمان نے کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھ یا جان کر نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ برقرار رکھا، ان تمام چیزوں کا نام حدیث ہے، اور سنت کی تعریف ہے ”الطريقة المملوكة في الدين“ وہ راستہ اور طریقہ جس پر مسلمان کو چلنا ہے، بہت سے روایات جو حدیث ہیں مگر سنت نہیں ہیں، جیسے.....

”توضوء مما مست النار“ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرو۔ (۱) لیکن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے لیکن اس سے وضو نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ یہ حکم بعد میں نہیں رہا۔ غروب آفتاب کے بعد مغرب سے پہلے نفل پڑھنے پر حدیث ہے کہ ”صلوا قبل المغرب“ تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تیسری مرتبہ یہ اضافہ فرمایا: ”لمن شاء“ جو چاہے پڑھ سکتا ہے، راوی کہتے ہیں آپ ﷺ نے اس لئے بڑھایا؛ تاکہ لوگ اس کو سنت نہ بنالیں ”کراہیة أن يتخذها الناس سنة“۔ (۲)

نبی رحمت ﷺ نے زندگی میں ایک مرتبہ قوم کے کچرہ ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا: (۳) یہ حدیث ہے، مگر سنت نہیں ہے، سنت وہ ہے جو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: من حدثکم أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائماً فلا تصدقوه ما کان یبول إلا قاعداً (۴) اگر تم سے کوئی یہ بیان کرے کہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی تھی تو ہرگز اس کی بات نہ ماننا، آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔

(۱) مسلم: باب الوضوء مما مست النار، حدیث: ۳۵۲

(۲) صحیح بخاری: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث: ۱۱۲۸

(۳) صحیح بخاری: باب البول قائماً وقاعداً، حدیث: ۲۲۲

(۴) سنن ترمذی: باب ماجاء فی النهی عن البول قائماً، حدیث: ۱۲

جیسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنتیں ہیں: نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علیکم بسنتی و سنتی خلفاء الراشدین المہدیین، تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ (۱) میری سنت کو مضبوطی سے پکڑو، اور نیک ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت دانتوں سے مضبوط پکڑو، جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے اعلان جنگ کیا، اس سے یہ سنت طے ہوگئی کہ اگر کوئی مسلمانوں کی جماعت بالاتفاق شعائر اسلام جیسے اذان، ختنہ وغیرہ چھوڑ دے تو اسلامی حکومت ان سے جنگ کرے گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے تراویح کی جماعت کروائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی اذان ثانی بڑھائی، امت کو قرآن پڑھنے میں لغت قریش پر جمع کیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کے موقع پر یہ سنت طے فرمائی کہ اگر دو مسلمانوں کی جماعت میں لڑائی ہو تو ملنے والا مال، مال غنیمت نہیں ہوگا اور قیدی غلام، باندیاں نہیں بنائی جائیں گی۔

اور وہ روایات بہت زیادہ ہیں جو احادیث بھی ہیں، اور سنت بھی، اس لئے صرف کسی حدیث کو پڑھ کر سنت سمجھ کر اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے، جب تک صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور فقہاء کرام کے فیصلہ کو نہ دیکھ لیا جائے، ابن ماجہ کی روایت ہے: العلم ثلاثة: آية محكمة وسنة قائمة وفريضة عادلة، (۲) علم تین چیزیں ہیں: آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فريضة عادلہ۔ اور حدیث کے بارے میں فرمایا: ”ایاکم وکثرة الحديث عنی“ (۳) میری طرف سے زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے بچو۔ دارقطنی، الرد علی سیرالاوزاعی میں ہے، احادیث کو قرآن پر پیش کرو، جو موافق قرآن ہو وہ لے لو، اور جو خلاف قرآن ہو، اسے چھوڑ دو، (۴) دارقطنی اور الکفایہ میں یہ روایت ہے کہ میری طرف سے بہت سی حدیثیں بیان کی جائیں گی، جو قرآن و سنت کے مخالف ہو، وہ میری نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح احادیث کے ضعیف اور صحیح ہونے کا فیصلہ ماہرین ہی کر سکتے ہیں اسی طرح کوئی حدیث سے کونسا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس کا فیصلہ نبض شناس فقہاء کرام ہی کر سکتے ہیں۔

(۱) سنن ترمذی: باب ماجاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدع، امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن ابن ماجہ: باب اجتنب الراى والقیاس، حدیث نمبر: ۵۴۰

(۳) مسند احمد: حدیث: ۲۲۵۹۱، محقق شعیب الارنوط کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے اور اس کے رجال ثقہ اور شیخین کے رجال ہیں۔

(۴) دارقطنی: کتاب عمر رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ الاشعری، حدیث نمبر: ۲۰۱

❖ بعض لوگ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے حوالے سے یہ جوازِ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا علم جو حضرات ائمہ اربعہ سے بڑھ کر تھا، پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کی جاتی؟ اور لوگ ابو بکر کی عمری نہیں کہلاتے؟ اور حنفی و شافعی وغیرہ کہلاتے ہیں، حالانکہ احادیث میں خلفائے راشدین کے طریقہ کی پیروی کا صراحۃً حکم دیا گیا ہے۔

چند وجہ سے یہ اعتراض درست نہیں ہے چونکہ

۱- حضرات ائمہ اربعہ کے مسائل وہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نقل ہوئے ہوتے ہیں۔

۲- مذاہب اربعہ کی کتابیں حضرات صحابہ کرام کے اقوال سے بھرے پڑے ہیں، وہ ان کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، اسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

۳- ابو بکر کی عمری اس وجہ سے نہیں کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے دینی مسائل کتب کی شکل میں جمع نہیں کئے، بخلاف ائمہ اربعہ کے خود انہوں نے یا ان کے لائق اور معتبر شاگردوں نے ان کے بیان کردہ مسائل جمع کئے ہیں؛ اس لئے ان مسائل کی نسبت ان کی طرف ہوئی۔

۴- جس طرح صحیح بخاری، مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث حضرت امام بخاری، حضرت امام مسلم اور حضرت امام ابوداؤد وغیرہ نے مرتب اور مدون کی ہیں اور پوری فراست اور پوری دیانت کے ساتھ ان میں انہوں نے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کیا ہے، اس لئے ان کتابوں کی نسبت ان کی طرف ہوتی ہے، اس وجہ سے نہیں کہ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں، جس طرح صحیح بخاری کو حضرت امام بخاری کی طرف نسبت کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں درج کردہ حدیثیں حضرت امام بخاری کے اپنے اقوال بن جائیں، حدیثیں نہ رہیں، اسی طرح حضرات ائمہ اربعہ کی طرف مسائل کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار نہ رہیں، اور حقیقت بدل کر کوئی چیز بن جائے۔

۵- یا جیسے حضرت امام حفص کی قرأت (جو ہندوستان میں رائج ہے) یا ابن کثیر اور امام نافع وغیرہ قراءت حضرات کی قرأت ان کی اپنی ایجاد نہیں، بلکہ (سات مشہور قاریوں) کی قرأت

خود صحیح حدیث (أنزل القرآن على سبعة أحرف) ان حضراتِ قراء کی طرف قرأت کی نسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ان کی اپنی ایجاد ہو، اسی طرح فقہ کی نسبت سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حضراتِ ائمہ اربعہ کی ایجاد ہو۔

۶۔ جس طرح حضرت امام بخاریؒ، حضرت امام مسلمؒ، حضرت امام ابو داؤدؒ، حضرت امام حفصؒ، حضرت نافعؒ اور حضرت امام ابن کثیرؒ وغیرہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نہ تھے، ان کے زمانے کے مؤخر ہونے کی وجہ سے نہ تو احادیثِ رسول میں کوئی خرابی واقع ہو سکتی ہے اور نہ قرآنِ کریم کی قرأت میں کوئی خلل واقع ہو سکتا ہے، ایسے ہی ائمہ اربعہ کے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود نہ ہونے سے ان مسائل میں کوئی فرق واقع ہو سکتا ہے۔

۷۔ جس طرح حضرت امام بخاریؒ وغیرہ حضراتِ محدثینِ کرامؒ نے اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت سے احادیث کی صحت اور ضعف کو جانا ہے، اسی طرح حضراتِ فقہاء اللہ کی بخشی ہوئی قوت سے مسائلِ استنباط کئے ہیں جن کے بارے میں اس سے پہلے کسی نے کچھ نہیں کہا ہے، حضراتِ محدثینؒ نے جس طرح احادیث کی صحت و ضعف کو سابقہ اس قسم کی مثال کے بغیر ایک معیار کے قائم کرنے میں لائقِ مذمت نہیں ہیں، ایسے ہی حضراتِ فقہاءِ کرام بھی فقہی جزئیات کے استخراج و استنباط میں قابلِ ملامت نہیں۔

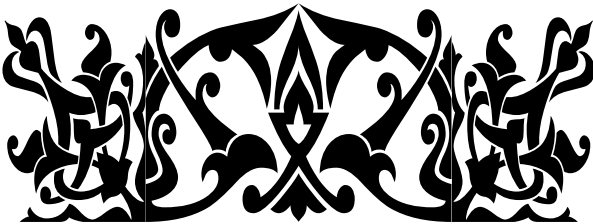
۸۔ جیسے مثلاً قرأتِ امام حفص کہنے سے قرآنِ کریم نہیں بدلتا یا مثلاً احادیثِ صحیح بخاری کو حضرت امام بخاریؒ کی طرف نسبت کرنے سے حدیث کا وجود تیسری صدی کی پیداوار نہیں ہوتا تو اسی طرح فقہ کا معاملہ بھی سمجھیں کہ کسی فقیہ اور مجتہد کی طرف نسبت سے وہ اس کی اپنی ذاتی ایجاد نہیں ہو جاتی۔ (۱)

اب آخری دردمندانہ درخواست یہ ہے کہ ایسے دور میں جبکہ عیسائیت اور مغربیت نے تعلیم، فیشن، سیاسی بالادستی کے ذریعہ ساری دنیا میں فکری اور معاشرتی ارتداد پھیلا دیا ہو، اور قادیانیت شہروں اور دیہاتوں میں سادہ لوح مسلمانوں کو بے دین کر رہے ہوں، ٹی وی، بے حیائی، ہیز، سود جیسے بدترین خدائی عذاب کو دعوت دینے والے گناہ مسلمانوں کی زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہوں، ان سب مسائل کو چھوڑ کر اپنی فکری، قلمی توانائیاں، اولیٰ اور غیر اولیٰ، مسنون اور غیر مسنون

مسائل پر لگانا نہایت نادانی اور حماقت کی بات ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک کوفہ کے رہنے والے شخص نے مجھ کے خون لگ جانے کا مسئلہ پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: ان لوگوں کو دیکھو مجھ سے مجھ کے خون کا مسئلہ پوچھ رہے ہیں، حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کیا ہے ”انظروا إلی ہؤلاء یسألونی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔ (۱)

واضح رہے یہ کتاب قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں لکھی گئی ہے، جس سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حنفی نماز دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، دیگر مسالک شافعی، مالکی اور حنبلی بھی اہل حق اور اہل سنت والجماعت میں سے ہیں، اور ان کے دلائل ان کی اپنی کتابوں میں موجود ہیں، ان کی تردید یا تنقیص اس کتاب کا مقصود نہیں ہے اور سلفی اہل حدیث بھائیوں سے درخواست ہے کہ صرف ہٹ دھرمی اور بے بنیاد مناظروں کے جوش میں کتاب میں مذکور مستند، بحوالہ احادیث کا انکار کر کے گنہگار نہ ہوں، ٹھنڈے دل سے غیر جانبدارانہ طور پر تحقیق کر لیں، اللہ ہم اُردنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وأردنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔

محمد ابوبکر جابر قاسمی  
۱۵ شعبان ۱۴۳۱ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## نماز کی حقیقت

نماز ایک ایسی عبادت ہے، جس میں انسان کا پورا وجود خدا کی بندگی میں مشغول رہتا ہے، زبان خدا کے ذکر سے تر رہتی ہے، ہاتھ نیاز مندانه خدا کے سامنے بندھے ہوئے ہیں، آنکھیں ایک غلام کی طرح جھکی ہوئی ہیں، جسم بے حرکت کھڑا ہے، پھر جب نمازی رکوع میں جاتا ہے تو فروتنی اور بڑھ جاتی ہے، پشت جھکی ہوئی، زبان پر تسبیح، اس کے بعد سجدہ کی منزل ہے، جو عجز و انکساری اور بے نفسی کا نقطہ عروج ہے، سر، پیشانی اور ناک انسان کی عزت و وقار کی سب سے بڑی علامت ہے؛ لیکن خدا کے سامنے یہ سب زمین پر خاک آلود ہیں، ہاتھ رکھے ہوئے، جسم کے انگ انگ سے خود سپردگی اور غلامی و بندگی ظاہر ہے ہر لمحہ پر خدا کی کبریائی کا نظارہ ہے، اس کی حمد و ثناء کا زمزمہ ہے، إلحاح و التجاہ ہے، اپنی گنہ گاری کا اقرار و اعتراف ہے۔

### نماز فجر کا وقت

نماز فجر کا وقت صبح صادق (طلوع فجر) سے لے کر سورج کے نکلنے تک رہتا ہے۔  
 ﴿1﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک نماز کے اوقات کے لئے ابتداء اور انتہاء ہے، اور بے شک فجر کی نماز کا اول وقت وہ ہوتا ہے جب فجر طلوع ہوتی ہے، اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے: ”اَنَّ اَوَّلَ وَقْتِ الْفَجْرِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَاَنَّ الْاٰخِرَ وَقْتُهَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ“ (۱)  
 نماز فجر غَلَسُ (ابتدائے وقت اندھیرے میں) اور اِسْفَار (ہلکا سادن روشن ہونے کے بعد) دونوں وقت جائز ہے، البتہ اسفار میں زیادہ فضیلت ہے :

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ، حدیث: ۱۵۱، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس روایت کو محمد بن فضیل نے مرفوعاً روایت کیا ہے مرسلاً یہ روایت زیادہ صحیح ہے، اس باب میں عبد اللہ بن عمرو سے بھی روایت موجود ہے، ابن معین نے محمد بن فضیل کو وثوق قرار دیا ہے۔

﴿2﴾ حضرت نافع بن خدیج رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”أسفروا بالفجر فإنه أعظم للأجر“ فجر کو خوب اچھی طرح روشن کر کے پڑھو، اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ (۱)

﴿3﴾ حضرت عبدالرحمن بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز خوب اُجالا کر کے پڑھتے تھے۔ ”کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یُسفر بصلاة الغداة“ (۲)

﴿4﴾ حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ اپنے مؤذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اُجالا کر، خوب اُجالا کر، مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو: ”يقول لمؤذنه، أسفر، أسفر یعنی بصلاة الصبح“ (۳)

﴿5﴾ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی چیز پر اتنا اتفاق رائے نہیں ہے جتنا اتفاق نماز فجر کے روشنی میں پڑھنے پر ہے ”ما أجمع أصحاب محمد على شيء ما أجمعوا على التنوير بالفجر“ (۴)

ان صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کے علاوہ دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول روشنی میں نماز پڑھنے کا تھا۔  
نوٹ: البتہ رمضان المبارک میں سحری کے بعد ابتدائے وقت میں فجر کی نماز کے لئے نمازی جمع ہو جائیں، روزانہ کی طرح معمول کے وقت تک تاخیر سے جماعت میں شرکت کرنے والوں کی کمی، یا ان کی نماز چھوٹ جانے یا قضا ہو جانے یا لوگوں کے سو جانے کا اندیشہ ہو تو

(۱) ترمذی: باب ما جاء في الاسفار بالفجر، حدیث: ۱۵۴، امام ترمذی کہتے ہیں: رافع بن خدیج کی حدیث حسن اور صحیح ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس روایت کو حمیدی اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۹۹، باب ما جاء في الاسفار.

(۲) مجمع الزوائد، حدیث: ۱۷۷۳، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی، عبدالرزاق اور ابوبکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۰۳، باب ما جاء في الاسفار.

(۳) مصنف عبدالرزاق: باب وقت الصبح، حدیث: ۲۱۶۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو عبدالرزاق، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۰۲، باب ما جاء في الاسفار.

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان ينور بها ولا يرى به بأسا، اس روایت کو طحاوی نے بھی روایت کیا ہے، علامہ زیلعی فرماتے ہیں: یہ روایت سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

ابتدائے وقت میں (غسل) میں نماز درست ہے؛ کیونکہ غیر رمضان میں تاخیر کی اصل وجہ جماعت میں شرکت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہے۔

﴿6﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے میں نے کہا: دونوں کے درمیان کتنا وقت تھا؟ تو انہوں نے کہا: پچاس یا ساٹھ آیتوں کے بقدر: ”قال: قد رخمسين أو ستين یعنی آية“ (۱)

## نماز ظہر کا وقت

ظہر کا وقت سورج کے درمیانی آسمان سے ڈھلنے سے لے کر ہر چیز کے سائے کے سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہونے تک رہتا ہے؛ البتہ اختلاف (فقہاء کے) سے بچنے کے لئے ایک مثل کے اندر ہی پڑھ لینا چاہیے، ہاں یہ کہ کوئی عذر ہو جیسے: گرمی وغیرہ میں تو دو مثل تک تاخیر کی جاسکتی ہے۔ (مثل کی تحقیق یہ ہے کہ: جس وقت سورج بالکل سر پر ہو، کسی سیدھی چیز مثلاً لکڑی زمین میں گاڑ کر دیکھ لیا جائے کہ اس کا کتنا سایہ ہے، اس کو سایہ اصلی کہتے ہیں، پھر جب اس لکڑی کا سایہ دو مثل - دو گنا - ہو جائے اصلی سایہ کے علاوہ تب عصر کا وقت شمار کیا جائے گا، مثلاً: لکڑی ایک گز کی ہے اور سورج سر پر رہنے کے وقت اس کا سایہ ایک باشت ہے تو جب اس کا سایہ دو گز اور ایک باشت ہو جائے گا تو سمجھئے کہ عصر کا وقت ہو گیا)۔

﴿7﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ظہر کی نماز کا ابتدائی وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھلتا ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہوتا ہے جب عصر کی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے: ”انّ اوّل وقت الظہر حین تزول الشمس وَاخِر وقتہا حین یدخل وقت العصر“۔ (۲)

﴿8﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”صلّ الظہر إذا کان ظلك مثلك، والعصر إذا کان ظلك مثليک“ ظہر کی نماز پڑھو جب تمہارا سایہ ایک مثل ہو اور عصر کی

(۱) بخاری: کتاب مواقیات الصلاة، باب وقت الفجر، حدیث: ۵۵۰

(۲) مسند احمد: حدیث: ۷۱۷۲، شعیب الارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال شیعین کے رجال ہیں، اس روایت کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے، وہاں اس کی سند کے حوالہ سے گفتگو گزر چکی ہے۔



نماز پڑھو جب تمہارا سایہ دوشل ہو۔ (۱)

﴿9﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، مؤذن نے اذان دینا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”أُبرد“ (یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو) پھر کچھ دیر بعد مؤذن نے اذان دینا چاہا تو فرمایا کہ ”أُبرد حتیٰ ساوى الظل التلول“ (یعنی وقت ٹھنڈا ہونے دو) یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو جائے۔ (۲)

اس حدیث میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب مؤذن نے پہلی بار اذان کا ارادہ کیا تو یقیناً ظہر کا وقت ہو چکا تھا، پھر دوسری دفعہ انتظار کے بعد ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے مزید انتظار کے لئے کہا، پھر تیسری دفعہ انتظار کے بعد مؤذن نے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے مزید انتظار کے لئے کہا، اور مزید یہ فرمایا کہ ”سایہ ٹیلوں کے برابر ہو جائے“ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مثل کے بعد دوسرے مثل میں نماز پڑھی گئی۔

اسی کو علامہ نووی شارح مسلم نے یوں فرمایا ہے: ”أخّر تاخيراً حتى صار للتلول فئى والتلول منحطة غير منتصبة، ولا يصير لها فئى فى العادة إلا بعد زوال الشمس بكثير“ آپ ﷺ نے بہت زیادہ تاخیر کی، یہاں تک کہ ٹیلوں کا بھی سایہ ہونے لگا، حالانکہ وہ دبے ہوئے، پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، کھڑے ہوئے نہیں، اور عادتاً ان کا سایہ زوالِ شمس کے بہت بعد ہی ہوتا ہے۔ (۳)

﴿10﴾ اس سلسلے میں معجم اوسط میں طبرانی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے اوقاتِ نماز کا سوال کیا، تو آپ ﷺ نے دو دنوں تک وقت پر نماز پڑھ کر دکھایا، اس میں ظہر اور عصر کے بارے میں دوسرے دن کی نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”ثم أذن بلال رضي الله عنه الغد للظهر حين دلت الشمس، فأخّرنا رسول الله ﷺ حتى صار ظل كل شيء مثله، فأمره، فأقام

(۱) مؤطا مالک: باب وقوت الصلوة، حدیث: ۱۴، مصنف عبدالرزاق: باب المواقیث، حدیث: ۲۰۴۱، علامہ نبوی فرماتے ہیں: اس کو امام مالک نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) بخاری: باب الأذان للمسافر اذا كانوا جماعة، حدیث: ۶۰۳

(۳) شرح مسلم: باب استحباب الايراد: ۱۱۹/۵، دار إحياء التراث العربی، بیروت

وصلی، ثم أذن للعصر، فأخبرها رسول الله ﷺ حتى صار ظل كل شيء مثليه، فأمره رسول الله ﷺ فأقام وصلی“ (۱)  
 ”پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دوسرے دن ظہر کی اذان سورج ڈھل جانے کے بعد دی، پس اللہ کے رسول ﷺ نے اس نماز کو مؤخر کیا حتیٰ کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا، تو ان کو حکم دیا، پس اقامت کہی اور نماز پڑھی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان دی، پس آپ ﷺ نے اس کو بھی مؤخر کیا، حتیٰ کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا، تب آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا، پس اقامت کہی اور نماز پڑھی“

اس روایت سے بھی پتہ چلا کہ ایک مثل ہونے کے بعد ظہر کا وقت رہتا ہے اور دو مثل ہونے کے بعد عصر کا وقت ہوتا ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ ظہر کو مؤخر کر کے دوسرے مثل میں کیوں پڑھتے؟

ظہر کی نماز سردی میں جلدی اور گرمی میں تاخیر کر کے پڑھنی مستحب ہے۔

﴿11﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”كان النبي ﷺ إذا اشتد البرد بگر بالصلوة، وإذا اشتد الحر أبرد بالصلوة“ کہ جب سردی شدید ہوتی تھی تو آنحضرت ﷺ (ظہر) کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور جب گرمی شدید ہوتی تو (ظہر) کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔ (۲)

﴿12﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (گرمی کے موسم میں) ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی تپش ہے: ”أبردوا بالظهر فإن شدة الحر من فيح جهنم“ (۳)

ان روایات سے پتہ چلا کہ نماز گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنی چاہئے، اور سردیوں میں جلدی، حضور اکرم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔

(۱) مجمع الزوائد: باب بیان الوقت، حدیث: ۱۶۸۶، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) بخاری: باب اشتد الحر يوم الجمعة، حدیث: ۸۶۳، تحقیق: مصطفى ديب البغا

(۳) بخاری: باب الابراد بالظهر في شدة الحر، حدیث: ۵۱۳

## نماز عصر کا وقت

عصر کی نماز کا وقت ہر چیز کے سائے کے اصلی سایہ کے علاوہ دوشل سایہ ہونے سے لے کر غروب آفتاب (سورج ڈوبنے) تک ہوتا ہے؛ لیکن سورج کے زرد (پیلے) ہونے کے بعد عصر کا وقت مکروہ ہے؛ چنانچہ اس دن کی عصر نہ پڑھا ہو تو ایسے وقت بھڑ پڑھ سکتا ہے۔

﴿13﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی تو اس نے عصر کی نماز کو پایا: ”مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرِبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ“ (۱)

﴿14﴾ ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ظہر کو تم سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی پڑھتے ہو: ”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلظَّهْرِ مِنْكُمْ، وَأَنْتُمْ أَشَدَّ تَعْجِيلًا لِلْعَصْرِ مِنْهُ“ (۲)

﴿15﴾ علی بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز موخر کر کے پڑھتے تھے، جب تک سورج صاف اور سفید ہوتا: ”فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيَضَاءً نَقِيَّةً“ (۳)

ان روایات سے یہ پتہ چلا کہ عصر کی نماز تاخیر یعنی ہر چیز کے سایہ کے دوشل ہونے کے بعد پڑھی جائے اور خصوصاً آخری روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس قدر بھی موخر نہ کیا جائے کہ سورج میں زردی آجائے۔

## نماز مغرب کا وقت

اس کا وقت غروب آفتاب (سورج ڈوبنے) سے لے کر آسمان پر پھیلی ہوئی سرخی کے بعد

- (۱) مسلم: باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، حدیث: ۶۰۸  
(۲) ترمذی: باب ماجاء فی تاخیر صلوة العصر، حدیث: ۱۶۱، علامہ نیوی فرماتے ہیں: ”اس روایت کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔“

- (۳) ابوداؤد: باب فی وقت صلاة العصر، حدیث: ۴۰۸، ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، علامہ زیلعی نے منذری کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ اس قسم کی روایتیں ان کے پاس حسن درجہ کی ہوتی ہیں۔

سفیدی کے غروب ہونے تک رہتا ہے؛ البتہ پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے۔

﴿16﴾ سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: طویل حدیث ہے، مغرب کے وقت کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ثم أمره فأخّر المغرب الى قبيل أن يغيب الشفق“ پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے شفق کے غائب ہونے سے پہلے تک مغرب کو مؤخر کیا۔ (۱) مذکورہ بالا روایت میں شفق سے مراد ”شفق ابیض“ (سفیدی) کا ختم ہونا ہے، اس پر درج ذیل روایت دلالت کرتی ہے۔

﴿17﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک شخص نے جب اوقات نماز کے بارے میں دریافت کیا تھا تو سورج غروب ہونے پر اذان ہوئی، پھر آپ ﷺ نے مغرب کی نماز کو اس قدر مؤخر کیا تھا کہ دن کی سفیدی (شفق) غائب ہو جائے، اور ہمارے خیال میں وہی شفق ہے: ”آخرها رسول الله ﷺ حتى كاد يغيب بياض النهار وهو الشفق فيمأ يري“ پھر حضور اکرم ﷺ کے حکم سے اقامت کہی گئی، پھر آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھائی۔ (۲)

﴿18﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لوگ برابر فطرت پر رہیں گے جب تک کہ وہ مغرب کی نماز ستاروں کے نمایاں ہونے سے پہلے پڑھتے رہیں گے: ”لا تزال أمتي بخير أو على الفطرة مالم يؤخروا المغرب حتى تشتبك النجوم“ (۳)

## نماز عشاء کا وقت

نماز عشاء کا وقت غروب شفق (سفیدی) سے رات کے ایک تہائی تک مستحب و پسندیدہ

- (۱) ترمذی: باب مما جاء في مواقيت الصلاة عن النبي ﷺ، حدیث: ۱۵۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن، غریب اور صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت علقمہ بن مرثد سے بھی مروی ہے۔
- (۲) معجم الأوسط للطبرانی: حدیث: ۶۷۸۷، علامہ بیہقی نے کہا ہے کہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہے: مجمع الزوائد، حدیث: ۱۲۸۶

(۳) ابوداؤد: باب في وقت المغرب، حدیث: ۴۱۸، مسند احمد: حدیث: ۲۳۶۲۹، محقق شعیب الارنؤط کہتے ہیں کہ: یہ روایت محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن ہے، ابوداؤد نے اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، حاکم نے مستدرک میں اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، اور حاکم نے مزید اس کے ایک شاہد کا ذکر کیا ہے جس میں محمد بن اسحاق نہیں ہیں۔

ہوتا ہے اور آدھی رات تک مباح ہوتا ہے، اس کے بعد طلوع فجر تک مکروہ ہوتا ہے۔

﴿19﴾ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت

جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے مجھے نماز کے اوقات بتائے، اور عشاء کی نماز اس وقت

پڑھی جب آسمان کے کنارے سیاہ ہو چکے تھے: ”وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الْأَفْقُ“ (۱)

﴿20﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا بے شک عشاء کی نماز کا ابتدائی وقت اس وقت ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا

آخری وقت (مباح) جب رات نصف ہو جائے: ”إِنَّ أَوَّلَ وَقْتِ الْعِشَاءِ حِينَ يَغِيبُ

الْأَفْقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا حِينَ يَنْتَصِفُ اللَّيْلُ“ (۲)

﴿21﴾ حضرت خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے: اگر میں

اپنی امت پر دشواری محسوس نہ کرتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا، اور میں عشاء کی

نماز کو ایک تہائی رات تک مؤخر کرتا: ”لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأُؤَخِّرُهُمُ بِالْمَسْوَكَ

عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَا أُخِّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ“ (۳)

﴿22﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک رات نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو

اس قدر مؤخر کیا کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا ”حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ“ اور مسجد والے بھی

سو گئے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی ”ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى“ (۴)

## بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا جائز نہیں

بغیر عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا جائز نہیں، اس پر درج ذیل آیات و احادیث دلالت

(۱) ابوداؤد: باب المواقیات، حدیث: ۳۹۴، اس حدیث کے رجال کو شوکانی نے صحیح قرار دیا ہے، ابن سید الناس

نے اس کی سند صحیح کہا ہے، خطابی نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح سند سے مروی ہے، التعلیق الحسن مع اثار

السنن: ۹۷، نیل الاوطار، باب وقت صلاة الفجر: ۴۲۱/۱

(۲) ترمذی: باب مما جاء فی مواقیات الصلوة، حدیث: ۱۵۱، سند کے حوالہ سے نماز فجر کا وقت، عنوان کے

تحت ہی حدیث میں گفتگو گزر چکی ہے

(۳) ترمذی: باب ما جاء فی السواک، حدیث: ۲۳، امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے

(۴) مسلم: باب وقت العشاء، و تاخیرھا، حدیث: ۱۲۷۷

کرتے ہیں: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا بے شک نماز مسلمانوں پر اپنے مقررہ وقت میں فرض ہے۔ (۱)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر رہے۔ (۲)

﴿23﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز وقت پر پڑھتے تھے، سوائے مزدلفہ اور عرفات کے: ”يُصَلِّي الصَّلٰوةَ لَوْ قَتَلَهَا اِلَّا بِجَمْعٍ وَعَرَفَاتٍ“ (۳)

﴿24﴾ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: اے ابوذر! تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا، جب کہ تمہارے حکمراں ایسے ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے یا نماز کو مار کے پڑھیں گے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا پھر میرے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا: ”قَالَ: صَلِّ الصَّلٰوةَ لَوْ قَتَلَهَا“ پھر اگر ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو دوبارہ پڑھ لینا، وہ تمہارے لئے نفل ہو جائیں گے۔ (۴)

﴿25﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھا، وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہو گیا: ”مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلٰوَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عَذْرِ فَقَدَاتِي“

(۱) نساء: ۱۰۳

(۲) ماعون: ۱۵۴ ابو جعفر طبری اپنی تفسیر ”تفسیر الطبری“ جو کہ ”جامع لبیان فی تاویل القرآن“ سے موسوم ہے، اس میں اس آیت کے تحت اس کے معنی مراری کے حوالے سے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں ان میں ان کا یہ قول ذکر کیا ہے ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُمْ يُؤْخِرُونَ عَنْهَا، فَلَا يَصِلُونَهَا إِلَّا بَعْدَ خُرُوجِ وَقْتِهَا، بَعْضُ لَوْغُوْنَ لَمْ يَكُنْ فِيْهَا:“ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں، اس وقت کے نکل جانے کے بعد پڑھتے ہیں، پھر اس کا یہ مطلب مراد ہونے پر مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، ہم یہاں صرف رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کئے دیتے ہیں: قَالَ: ”الَّذِيْنَ يُؤْخِرُونَ عَنْ وَقْتِهَا“ جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔ تفسیر الطبری: ۲۴۱/۲۴۲، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت۔

(۳) نسائی: باب الجمع بین الظہر والعصر بعرفة، حدیث: ۳۰۱۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۴۳۲، باب ما یدل ان الجمع بین الصلواتین فی السفر کان جمعا صوریاً، علامہ زیلعی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے: نصب الرایۃ، أقوال العلماء فی البسملة: ۲۹۸/۱، دار الحدیث، مصر

(۴) مسلم: باب کراهیۃ تاخیر الصلاۃ عن وقتها المختار، حدیث: ۱۳۹۷

باباً من الكبائر“ (۱)

﴿26﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: نماز میں کمی کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: تم نماز کو

اس قدر مؤخر کرو کہ دوسری نماز کا وقت آجائے: ”أَنْ تَوَخَّرَ حَتَّى يَجْعَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ“ (۲)

﴿27﴾ اسی قسم کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اور انہوں نے

اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی شکل میں روایت کیا ہے۔ (۳)

﴿28﴾ حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ روایت پہنچی ہے کہ انہوں

نے تمام اطراف میں یہ لکھ بھیجا کہ لوگ دو نمازیں اکٹھی کر کے نہ پڑھیں: ”أَنَّهُ كَتَبَ فِي الْأَفَاقِ

يُنْهَاهُمْ أَنْ يَجْمَعُوا الصَّلَوَتَيْنِ“ اور انھیں اطلاع دی تھی کہ ایک وقت میں دو نمازیں اکٹھی

نہ پڑھی جائیں۔ (۴)

﴿29﴾ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ (۵)

﴿30﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی یہ فرمان جاری کیا تھا کہ دو نمازوں کو بغیر عذر کے اکٹھا نہ

(۱) ترمذی: باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، حدیث: ۱۸۸، اس روایت کے ایک راوی حنش

حسین بن قیس ہیں، امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ محدثین کے یہاں ضعیف ہیں، انہیں امام احمد وغیرہ نے ضعیف

قرار دیا ہے، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں حنش عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق

سے نقل کیا ہے، پھر فرمایا ہے حنش بن قیس الرجی یہ ابوالعلی کے نام سے مشہور ہیں، یمن کے باشندے ہیں، انہوں

نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، یہ ”ثقة“ ہیں، تہذیب میں اس حوالے سے طویل گفتگو کے بعد یوں ذکر کیا ہے:

ابو حصن کا خیال ہے کہ یہ ”شیخ صدوق“ ہیں، ابوبکر بزار کہتے ہیں: یہ ”لین الحدیث“ ہے، اس کے علاوہ اس روایت

کی ایک صحیح موقوف شاہد بھی موجود ہے، کہ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ لکھ بھیجا کہ ”جان لو! دو

نمازوں کو بغیر عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے اس روایت کو عبد الرزاق نے مصنف میں معمر عن قتادہ عن ابی العالیہ

الریاحی کی سند سے روایت کیا ہے اس کے تمام رجال صحیح ہیں، اعلاء السنن: ۹۷/۲، عدم جواز الجمع بین

الصلاتین جمعاً حقیقیّاً.

(۲) شرح معانی الآثار: باب الجمع بین الصلاتین کیف ہو، حدیث: ۹۰۴، علامہ نیوی فرماتے ہیں:

اس کو کٹھاوی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) مسلم: باب قضاء الصلاة، حدیث: ۶۸۱

(۴) مؤطا امام محمد: باب الجمع بین الصلوتین فی السفر، اثر: ۲۰۵، امام محمد فرماتے ہیں: ہمیں اس

حدیث کی ثقہ لوگوں نے خبر دی ہے: عن العلاء بن الحارث عن مکحول۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرہ الجمع بین الصلوتین، حدیث: ۸۳۳۷

پڑھی جائیں: ”لا تجمعوا بین الصلوتین الا بعدر“ (۱)

ان آیات و احادیث اور آثار سے یہ پتہ چلا کہ حج کے موسم میں مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ بغیر کسی عذر شرعی کے دو نمازیں اکٹھا پڑھنا جائز نہیں؛ کیونکہ آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اوقات مقرر ہیں، جس کی پابندی و اہتمام نہ کرنا عذاب و پکڑ کا باعث ہوتا ہے، حضور ﷺ بھی نمازوں کو ان کے اوقات پر ادا کرتے تھے، آپ ﷺ نے وقت پر نماز کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے، بغیر کسی عذر کے دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنے کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اپنی مملکت میں یہ فرامین جاری فرمائے تھے کہ دو نمازیں اکٹھی نہ پڑھی جائیں، یہ گناہ کبیرہ ہے۔

## جو رکوع سجدہ نہ کر سکتا ہو

جو شخص صرف سجدہ بھی نہ کر سکتا ہو اور جو رکوع سجدہ دونوں کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس پر قیام فرض نہیں ہے، ایسا شخص صحت مند ہونے تک بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے، سجدہ کے اشارہ کو رکوع سے زیادہ نیچے کرے، کوئی چیز سجدہ کیلئے نیچے رکھنا ضروری نہیں ہے :

قال الحصكفی: وان تعذرا (الرکوع والسجود) لیس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود كاف (لا قیام أو مأقاعدا وهو افضل من الايماء قائماً لقربه من الارض ويجعل سجوده أخفض من ركوعه لزوماً ولا يرفع الی وجهه شيئاً يسجد علیه فانه يكره تحريماً). (الدر المختار علی هامش رد المختار باب صلوة المريض: ص ۹۷)



## اذان کی حقیقت

اذان کے معنی خبر دینا ہے، شریعت میں پانچوں نمازوں اور جمعہ کیلئے مخصوص الفاظ سے اعلان کرنے کو اذان کہتے ہیں، اذان میں اسلام کی خاص شان کا اظہار ہوتا ہے، اسلام نے عبادت کے اعلان کا طریقہ یوں بتایا ہے کہ جو بجائے خود عبادت ہے، دیگر مذاہب وادیان پر نظر ڈالیں تو پانچ وقت کیا روزانہ ایک وقت بھی نہیں؛ بلکہ ہفتہ میں ایک بار لوگوں کو اکٹھا کرنے کیلئے گھنٹے، ناقوس وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے؛ لیکن اذان میں نہ گھنٹہ، نہ ناقوس و باجا، نہ گانا، نہ قومی نغمہ، نہ ملی ترانہ، نہ سیٹی نہ سنکھ، بس اللہ عزوجل کی حکومت و کبریائی، اللہ کی توحید، حضرت محمد ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ نماز کے ذریعہ کامیابی کے حصول کے لئے بلایا جاتا ہے، یہ اذان کی حقیقت ہے۔

### اسلام میں اذان کا آغاز

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے، کفار کی ایذا رسائیوں اور ان کی شبانہ روز تکلیفوں سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو نجات ملی سکون کے لمحات میسر آئے، تو آنحضرت ﷺ کو اولاً یکجا نماز کی ادائیگی کے لئے فکر ہوئی، پھر جماعت کے وقت سب کو بیک وقت حاضری کی اطلاع کے لئے طریقہ کا مسئلہ درپیش آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا تو کسی نے یہ رائے دی کہ اس کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے، کسی نے آگ روشن کرنے، کسی نے ناقوس بجانے، کسی نے گھنٹہ بجانے کی تجویز دی تو آپ ﷺ نے ان تمام آراء کو یہ کہہ کر رد فرمایا کہ اس میں مروجہ مذاہب کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، الغرض اس مسئلہ کے حل دریافت ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی سوچ و فکر میں اپنے گھر واپس ہو گئے، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت ہی زیادہ متفکر تھے، ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن

عبدالرحمنؓ بھی حضور ﷺ کی اس بارے میں فکر کو دیکھ کر نہایت بے قرار ہو گئے، اسی رات ان کو خواب میں اذان کی تفصیل بتلائی گئی، انہوں نے صبح سویرے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواب عرض کیا، آپ ﷺ نے فرمایا یہ روایا حق (سچا خواب) ہے، یعنی یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے :

﴿31﴾ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص (جبرائیل علیہ السلام) ناقوس لئے جا رہے ہیں، انہوں نے ان سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! کیا تم یہ ناقوس بپو گے؟ انہوں نے کہا: تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا: اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلائیں گے، اس نے کہا: میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: ضرور، انہوں نے کہا: یوں کہو:

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ	اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ	أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ
حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ	حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ	حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ
قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ	قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
اللہ سب سے بڑا ہے	اللہ سب سے بڑا ہے

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔  
میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔  
آؤ نماز کی طرف آؤ نماز کی طرف  
آؤ کامیابی کیلئے آؤ کامیابی کیلئے  
نماز کھڑی ہو چکی ہے نماز کھڑی ہو چکی ہے  
اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر صبح ان صحابی رضی اللہ عنہ نے ساری تفصیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی، آپ ﷺ نے خواب کی تصدیق فرمائی، اور فرمایا کہ: تم بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ تم

نے دیکھا ہے انھیں بتلاؤ، وہ اذان کہیں گے؛ چونکہ ان کی آواز بلند ہے، چنانچہ وہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق الفاظ اذان کی تلقین کرتے رہے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے رہے۔ (۱)

﴿32﴾ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صبح کی اذان میں ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“ کا اضافہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے اسے برقرار رکھا۔ (۲)

﴿33﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مؤذن فجر کی اذان میں ”حی علی الصلاة، حی علی الفلاح“ کہنے کے بعد ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“ کہے۔ (۳)

### پانچوں نمازوں کیلئے اذان سنتِ موکدہ ہے :

﴿34﴾ ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً: ثلاث علی کثبان المسک یوم القیامة (الی ان قال) رجل ینادی بالصلاوات الخمسة کل یوم و لیلۃ“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگ قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے، ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو پانچ وقت نماز کے لئے ہر روز اذان دیتا ہے۔ (۴)

- (۱) ابوداؤد: باب کیف الاذان حدیث: ۴۹۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن و درجہ کی ہے، اثار السنن: ۱۰۴، باب فی بدء الاذان، محقق شعیب الارنؤط فرماتے ہیں کہ: یہ روایت محمد بن اسحاق کی وجہ سے حسن و درجہ کی ہے، انہوں نے یہاں تحدیث کی تصریح بھی کی ہے، جس سے تدلیس کا شبہ ختم ہو جاتا ہے، اور اس کے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں: مسند احمد: حدیث عبداللہ بن زید بن عبد ربہ، حدیث: ۱۶۵۲۵
- (۲) ابن ماجہ: باب بدء الاذان، حدیث: ۷۰۷، بوضیری کہتے ہیں اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ اس میں انقطاع ہے، سعید بن مسیب نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا ہے، اس روایت کے توابع اور شواہد موجود ہیں۔ مصباح الزجاجة: کتاب الاذان: ۱۱۳/۱، دار الجنان، بیروت
- (۳) صحیح ابن خزیمہ: باب التثویب فی اذان الصبح، حدیث: ۳۸۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں اس کو ابن خزیمہ، دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۱۵، باب ما جاء فی الصلاة خیر من النوم۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: خلاصة الأحکام: باب استحباب التثویب: ۸۱/۱، مؤسسه الرسالة، بیروت
- (۴) ترمذی: باب فضل المملوک الصالح، حدیث: ۱۹۸۶، ابویسٰی ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن، غریب ہے، بوضیری کہتے ہیں کہ: یہ سند ضعیف ہے سعد کی اولاد قمرط غمار، سعد اور عبدالرحمن کے ضعف کی وجہ سے، اس کو امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے حضرت جحفہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے: مصباح الزجاجة: کتاب الاذان: ۱۱۳/۱

اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں دینا مستحب ہے

﴿35﴾ ”اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلَا لًا اَنْ يَجْعَلَ اَصْبَعِيْهِ فِى اُذْنِيْهِ، وَاَنْهٗ اَرْفَعَ لَصَوْتِكَ“ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے وقت اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھ لیا کرو، اس سے تمہاری آواز بلند ہوگی۔ (۱)

﴿36﴾ ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دورانِ اذان ادھر ادھر منہ پھیرتے ہوئے دیکھا ہے، ان کی دونوں انگلیاں کانوں میں رکھی ہوئیں ”واصبعاہ فی اذنیہ“ (۲)

حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةُ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے وقت رُخ دائیں اور بائیں جانب پھیرنا مستحب ہے۔

﴿37﴾ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو میں دیکھتا تھا کہ وہ ”حی علی الصلوٰۃ“، ”حی علی الفلاح“ پکارنے کے وقت دائیں بائیں رُخ پھیرتے تھے: ”فَجَعَلْتُ اَتَّبِعْ هَهْنَا وَهَهْنَا يَقُوْلُ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ“ میں بھی ان کے ساتھ دائیں بائیں دیکھتا تھا۔ (۳)

اذان مسجد سے باہر کہنا مستحب ہے۔

﴿38﴾ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نونجار کی ایک خاتون سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتی تھیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب سب گھروں سے اونچا تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر چڑھ کر اذان فجر پکارتے: ”فَكَانَ بِلَالٌ يُّؤَذِّنُ عَلَيْهِ“ (۴)

(۱) ابن ماجہ: باب السنۃ فی الاذان، حدیث: ۱۰۷، ترمذی میں سند صحیح کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔

(۲) ترمذی: باب ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان، حدیث: ۱۹۷، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس روایت کو ترمذی، احمد اور ابوعوانہ نے روایت کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۳) بخاری: باب هل يتبع المؤذن فاه ههنا وههنا، حدیث: ۲۰۸، محقق مصطفیٰ دیب البغا

(۴) ابوداؤد: باب الأذان فوق المنارة، حدیث: ۵۱۹، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے علامہ زیلعی نے ابن قتان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: یہ حدیث صحیح ہے: نصب الراية: احادیث الجمع

﴿39﴾ عبد اللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اذان کا منارے میں کہنا اور اقامت کا مسجد میں کہنا مسنون ہے اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایسے ہی کرتے تھے۔ (۱)

**اذان کا جواب دینا مستحب ہے** (زبانی جواب دینا مستحب اور عملاً نماز کیلئے تیاری کرنا واجب ہے)۔

﴿40﴾ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم

اذان سنو تو مؤذن ہی کی طرح کہو ”اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن“ (۲)

﴿41﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں پھر تفصیلی روایت ہے

کہ اذان کے جواب میں مؤذن کے مثل الفاظ سے جواب دینے کا ذکر ہے، البتہ ”حیّ علی الصلاة“، ”حیّ علی الفلاح“ میں ”لا حول ولا قوة الا باللہ“ کہنے کا ذکر ہے (۳)

﴿42﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت بلال

رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اذان دینے لگے، جب وہ اذان دے کر خاموش ہو گئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جس نے اس جیسی بات کہی یقین سے (دل کے اخلاص کے ساتھ) تو وہ جنت میں داخل ہوگا:

”من قال مثل هذا یقیناً (أی خالصاً مخلصاً من قلبه) دخل الجنة. (۴)

**اذان سے فارغ ہو کر پہلے دُرود شریف اور پھر یہ دعا پڑھے**

﴿43﴾ ”اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، اِنِّ مُحَمَّدٌ

اَلْوَسِيْلَةُ اَلْفَضِيْلَةُ وَاَبْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا اِنِّ اَلدِّیْ وَعَدْتَهُ، وَجِبَتْ لَهٗ

شفاعتی یوم القيامة“ (۲)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی المؤذن يؤذن علی المواضع المرتفعة، حدیث: ۲۳۳۱، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں، یہ روایت مرسل ہے، عبد اللہ بن شقیق یا توتقی ہیں یا مخزومی اور یہ ثقہ تابعی ہیں، اعلاء

السنن: ۱۴۰/۲

(۲) بخاری: باب ما یقول اذا سمع المنادی، حدیث: ۶۱۱، تحقیق زبیر ناصر

(۳) مسلم: باب استحباب القول مثل ما یقول المؤذن، حدیث: ۸۷۶

(۴) نسائی: ثواب ذلك ”القول مثل ما یقول المؤذن“ حدیث: ۶۷۴، حاکم نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے بھی ”الخصیص“ میں اسے صحیح کہا ہے: المستدرک: باب فی فضل الصلوات المس، حدیث: ۷۳۵

(۵) صحیح بخاری: باب الدعاء عند النداء، حدیث: ۵۸۹

ترجمہ: اے اللہ! اس دعوت تائمہ اور اس صلوة قائمہ دائمہ کے رب (یعنی: اے وہ اللہ! جس کیلئے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے) اپنے رسول پاک محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلہ کا خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما، اور ان کو مقام محمود پر سرفراز فرما، جس کا تو نے ان کیلئے وعدہ فرمایا ہے، جو بندہ اذان کے بعد یہ دُعا پڑھے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہوگا۔

## اقامت کا بیان

اقامت ان کلمات کو کہتے ہیں: جو نماز سے پہلے کہے جاتے ہیں، جن کا مقصد لوگوں کو جماعت کے سلسلے میں مطلع کرنا ہوتا ہے۔

﴿44﴾ اقامت کی ابتداء بھی اس وقت ہوئی جب اذان کی ہوئی اور حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں کلمات اذان کے ساتھ کلمات اقامت بھی سنے تھے۔ (۱)

اقامت میں صرف اتنا اضافہ ہے کہ ”حیّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کے بعد دو مرتبہ ”قد قامت الصلوة“ (بے شک نماز کھڑی ہوگئی) کہے۔

﴿45﴾ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ جو انصار کے خاندان سے ہیں، وہ آئے، انہوں نے کہا: کہ اس شخص نے قبلہ رخ ہو کر اذان شروع کی اور دو دفعہ الفاظ کو دہرائے، پھر تھوڑی دیر وقفہ کیا، اس کے بعد اس نے قبلہ رخ ہو کر اقامت پڑھی، اس طرح دو دو بار، اور دو دفعہ الفاظ دہرائے، البتہ ”حیّ عَلَى الْفَلَاحِ“ کے بعد دو مرتبہ ”قد قامت الصلوة“ کہا ”ثمّ قام فقال مثلها الاّ أنه زاد بعد ما قال حيّ عَلَى الْفَلَاحِ“ ”قد قامت الصلوة“ (۲)

(۱) ابوداؤد: باب كيف الأذان، حدیث: ۴۹۹، علامہ نیوی کہتے ہیں: اس روایت کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے، آثار السنن: ۱۰۴، باب فی بدء الاذان

(۲) ابوداؤد: باب كيف الأذان، حدیث: ۵۰۷، علامہ ابن حجر نے ”التلخیص الحبير“ میں ابن حزم اور ابن دقیق العید کے حوالہ سے اس روایت کا صحیح ہونا نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ روایت گرچہ مرسل ہے لیکن دوسرے طرق میں اصحاب محمد کے ذکر سے اس کا مسند ہونا متعین ہو جاتا ہے: ۲۰۳/۱، اس روایت میں صحابی معاذ بن جبل ص کا نام مذکور ہے۔

﴿46﴾ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: ہم کو آنحضرت ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے بتلایا کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ (حضور اکرم ﷺ کے مؤذن) اذان و اقامت دُہری دُہری کہتے تھے: ”فأذنّ مثنیٰ وأقام مثنیٰ“ (۱)

﴿47﴾ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے آپ کو اذان کے کلمات انیس سکھائے اور اقامت کے کلمات سترہ ”علّمه الأذان تسع عشرة كلمة والاقامة سبع عشرة كلمة“ (۲)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اذان کے کلمات ہیں تو دراصل پندرہ ہی، لیکن چونکہ ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے ڈر اور خوف کی وجہ سے اَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ شہادت کے کلموں کو آہستہ کہا تھا، پھر آپ ﷺ نے ان کو یہ کلمات باواز بلند کہنے کو کہا تو پھر انہوں نے شہادت کے ان کلمات کو دو مرتبہ دوہرایا، اس طرح یہ انیس ہوئے۔

اقامت کے سترہ کلمات اسی وقت ہوں گے جبکہ شروع کی چار تکبیرات کے علاوہ باقی تمام کلمات کو دو دو دفعہ کہا جائے۔

﴿48﴾ مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا شروع سے اخیر تک یہی معمول رہا کہ وہ اقامت کو دُہری کہتے رہے ہیں، چنانچہ مشہور تابعی ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان و اقامت کے کلمات دو دو مرتبہ کہتے تھے ”كان يثني الأذان والاقامة“ (۳)، ان کے علاوہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ (۴)، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بھی اقامت دُہری کہتے تھے۔ (۵)

(۱) سنن البیہقی الکبریٰ: باب ما روى في تثنية الاذان والاقامة، حدیث: ۱۸۲۹، علامہ ابن ترکمانی

نے جوہر النبی میں اور ابن حزم نے منکلی میں کہا ہے: یہ حدیث انتہائی درجہ کی صحیح ہے، التعلیق الحسن: ۱۱۰

(۲) ابوداؤد: باب كيف الأذان؟ حدیث: ۵۰۲، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے ترمذی اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۰۵، باب ما جاء في الترجيع، امام ترمذی نے بھی اس کو حسن صحیح کہا ہے۔ (ترمذی: الترجيع في الأذان، حدیث: ۱۹۲)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يشفع الاقامة ويرى ان يثنيها، ۲۱۵۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے عبدالرزاق، طحاوی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۱۳، باب في تثنية الاقامة.

(۴) دارقطنی، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۱۳، باب في تثنية الاقامة

(۵) طحاوی، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے طحاوی نے مرسل روایت کیا ہے۔

﴿49﴾ مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کے سامنے اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہنے کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یہ چیز امراء نے اپنی آسانی کے لئے ایجاد کر لی ہے، اقامت کے کلمات دودو ہی ہیں: ”هذا شيءٌ استخففه الأمراء، الاقامة مرتين مرتين“ (۱)

﴿50﴾ ہجیع بن قیسؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ اذان و اقامت کے کلمات دودو مرتبہ کہتے تھے، آپ ایک مؤذن کے پاس تشریف لائے، جو اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہتا تھا آپ نے اس سے فرمایا کہ اقامت کے کلمات کو دودو دفعہ کیوں نہیں کہتے: ”ألا جعلتها مثنى“ (۲)

﴿51﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا: اقامت کے کلمات دودو مرتبہ کہنا نہ چھوڑنا: ”لا تدع أن تنشئ الإقامة“ (۳)

﴿52﴾ حضرت ابو لعلیہؒ نے بھی اقامت دوہرے کہے جانے کا فتویٰ دیا ہے۔ (۴)

﴿53﴾ حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے شاگرد بھی اقامت دوہری کہتے ہیں۔ (۵)

ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دوہری کہی جائے اور یہی افضل ہے، اس بارے میں آپ ﷺ کے مؤذنین و دیگر حضرات صحابہؓ اور تابعین کا یہی معمول رہا ہے۔

مستحب اگرچہ مؤذن کا اقامت کہنا ہے؛ لیکن مؤذن کے علاوہ اگر دوسرا شخص اقامت کہے تو جائز ہے۔

﴿54﴾ حضرت محمد بن عبداللہؒ اپنے بچا سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں اذان دکھائی گئی، پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”فَاقِمُ أَنْتَ“ تم اقامت پڑھ لو۔ (۶)

- (۱) مصنف عبدالرزاق: باب بدء الأذان، ۱۷۹۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے عبدالرزاق، ابوبکر بن شبیبہ اور طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اثار السنن: ۱۱۵
- (۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يشفع الأذان ويرى أن يثنى، ۲۱۳۹
- (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: من كان يشفع الإقامة ويرى أن يثنى، ۲۱۳۹
- (۴) مصنف ابن ابی شیبہ: من كان يشفع الإقامة ويرى أن يثنى، ۲۱۵۳
- (۵) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يشفع ويرى أن يثنى، ۲۱۵۳
- (۶) ابوداؤد: باب في الرجل يؤذن ويقيم آخر، حدیث: ۵۱۲، ابن عبدالبر اور حازمی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے: نصب الراية: أحاديث في أن الأذان كان وحياً، ۲۲۲/۱، دار الحديث، مصر



اقامت کا جواب بھی اسی طرح مستحب ہے؛ کیونکہ حدیث میں اقامت کو مثل اذان فرمایا گیا ہے اور اس کا جواب بھی اسی طرح ہے؛ البتہ ”قد قامت الصلوٰۃ“ کے جواب میں ”اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا“ کہے۔

﴿55﴾ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی، جب انہوں نے ”قد قامت الصلوٰۃ“ کہا تو آنحضرت ﷺ نے جواباً ”اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا“ اور باقی اقامت میں اذان کی طرح جواب دیا۔ (۱)

## اقامت کے وقت مقتدی کب کھڑے ہوں؟

اس بارے میں پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس حوالے سے حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا کیا معمول تھا؟

﴿56﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار نماز کھڑی کی گئی۔ ہم کھڑے ہوئے، اور رسول اللہ ﷺ کے ہماری طرف نکلنے سے پہلے ہم نے صفیں درست کر لیں ”فُمنّا فعدّلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ“ (۲)

﴿57﴾ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم جب تک مجھے اپنی طرف آتا نہ دیکھو تو کھڑے نہ ہو: ”إذا اقيمت الصلوة فلا تقوموا حتى تروني“ (۳)

اس روایت کا پس منظر یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لانے سے پہلے ہی اقامت شروع کر دیتے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم حسب دستور اقامت کے ساتھ کھڑے ہو جاتے، پھر جب آپ ﷺ کو کچھ دیر لگی تو آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ میرے نکلنے سے پہلے کھڑے نہ ہوں (آپ ﷺ کا یہ فرمان بطور شفقت کے امت کو مشقت سے بچانے کے لئے تھا)۔

(۱) ابوداؤد: باب ما يقول اذا سمع الاقامة، حدیث: ۵۲۸، منذری کہتے ہیں: اس کی سند میں ایک شخص مجہول میں اور وہ شہر بن حوشب ہیں، یحییٰ بن عیین اور احمد بن حنبل نے ان کی توثیق کی ہے، تحفة الاحوذی: باب ما يقول اذ اذن المؤذن، ۵۲۵/۱

(۲) مسلم: باب متى يقوم الناس بالصلوة، حدیث: ۶۰۵

(۳) بخاری: باب متى يقوم الناس اذا روا الامام عند الاقامة، حدیث: ۶۱۱، مصطفیٰ ديب البغا

﴿58﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی تھی، اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے، ”فیأخذ الناس مصافهم قبل ان يقوم النبي صلی اللہ علیہ وسلم“ (۱)

﴿59﴾ اس سلسلے کی ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب ”قد قامت الصلوة“ کہتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے: ”كان بلال إذا قال: قد قامت الصلوة: نهض رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالتكبير“ (۲)

﴿60﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفیں درست کرنے کے لئے لوگ متعین کر دیئے تھے اور صفیں درست ہونے کی خبر جب تک نہ دی جاتی تکبیر تحریمہ نہ کہتے تھے: ”فلا يُكَبِّرُ حَتَّى يُخْبَرَ: أَنَّ الصفوف قد استوت ، أخرجه الترمذی: وقال: روى عن علي وعثمان انهما كان يتعاهدان ذلك“ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس امر کا اہتمام کرتے تھے۔ (۳)

اور ظاہر ہے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ لوگ شروع ہی سے کھڑے ہوں، ورنہ اگر ”حي على الصلوة“ یا ”حي على الفلاح“ یا ”قد قامت الصلوة“ پر لوگ کھڑے ہوں تو اس کے بعد صفوں کو درست کیا جائے تو پھر اقامت ختم ہونے کے بعد کافی دیر بعد نماز شروع ہوگی جو بالاتفاق مذموم ہے۔

چنانچہ فقہاء احناف نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات نقل کی ہیں، وہ ان احادیث سے بہت قریب ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”اگر مؤذن امام کے علاوہ کوئی اور شخص ہو، لوگ امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو جب مؤذن ”حي على الفلاح“ کہے تو لوگ اور امام کھڑے ہو جائیں، اور اگر امام پہلے سے مسجد میں نہ ہو، پھر وہ مسجد میں صفوں کی جانب سے گذرتا ہوا داخل ہو تو وہ جس

(۱) مسلم : باب متى يقوم الناس للصلوة ، حدیث: ۶۰۵

(۲) مسند بزار ، مسند عبد الله بن أبي أوفى ، حدیث: ۳۳۷۱، یہ حدیث صحیح السند ہے، اس کے راوی حجاج بن فروخ جو ضعیف ہیں ان کی بعض لوگوں نے توثیق کی ہے، اعلاء السنن: ۳۶۹/۴، باب وقت

القيام الامام والمأمومين للصلوة

(۳) ترمذی: باب ماجاء فى اقامة الصفوف، حدیث: ۲۷۷۷

صف سے آگے بڑھے، اس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں، اور اگر امام مسجد میں سامنے کی سمت سے داخل ہو تو جیسے ہی امام پر نظر پڑے لوگ کھڑے ہو جائیں۔ (۱)

## خلاصہ کلام

ان تمام روایات و آثار اور فقہاء کی تصریحات سے یہ پتہ چلا کہ ان حضرات کا معمول و دستور یہ تھا کہ امام جب مسجد میں آجائے تو اول اقامت ہی سے لوگ کھڑے ہو کر صفوں کو درست کر لیں، جس صورت میں امام پہلے سے محراب کے قریب بیٹھا ہو اس میں بھی ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر صف بنانے میں کوئی دشواری پیش آنے کا اندیشہ نہ ہو تو لوگ رُکے رہیں اور ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر امام اور مقتدی دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوں، ورنہ پہلے سے کھڑے رہیں، غرض یہ کہ ”حی علی الفلاح“ پر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلافِ ادب ہے؛ کیونکہ طاعت کے لئے جلدی ہونا چاہیے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا خلافِ ادب ہے؛ بلکہ اور بھی زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے یہاں طاعت و عبادت کیلئے اور بھی جلدی ہے۔

اور یہ طریقہ جو مسجدوں میں اختیار کیا جاتا ہے کہ اقامت کے وقت امام باہر سے یا مسجد کے کسی گوشے سے چل کر آئے اور مصلے پر بیٹھ جائے اور اس بیٹھنے کو اس درجہ ضروری سمجھے کہ جو لوگ پہلے کھڑے ہوں ان کو بھی بیٹھ جانے کی تاکید کرے، جو نہ بیٹھے اس پر طعن کرے، یہ امت میں کسی امام، فقیہ کا مذہب نہیں، خالص بدعت ہے۔

## اذان و اقامت میں انگوٹھے چومنا

اذان و اقامت دن و رات میں پورے سال پانچ بار دی جاتی ہے، اگر انگوٹھے چومنے کا عمل سنت یا جائز ہوتا تو اس بارے میں کثرت سے روایات منقول ہوتیں، خود حضور اکرم ﷺ کا عمل اور عام صحابہ کا تعامل ہوتا، یہ عمل نہ تو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، نہ عام صحابہ سے اور نہ کسی صحیح سند سے۔

صرف ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب ”اشہد ان محمدًا رسول

اللہ“ سنا تو شہادت کی انگلی کے اندر ونی حصہ کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے خلیل جیسا عمل کرے، اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگی، (اس روایت کو علامہ سخاویؒ نے ”المقاصد الحسنہ“ میں روایت کیا ہے اور خود فرمایا ہے: ”لا یصح“ یہ واقعہ سرے سے صحیح نہیں) ایسے ہی علامہ طاہرؒ، اور ملا علی قاریؒ دونوں نے اسے ”تذکرۃ الموضوعات اور موضوعات الکبیر“ میں لکھا ہے اور اسے ”لا یصح“ (اس کی سند صحیح اور قابل اعتبار نہیں) کہا ہے۔ (۱)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں: ”الأحادیث التي رُویت فی تقبیل الأنامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه عن المؤذن فی كلمة الشهادة، کلُّها موضوعات“ (۲) مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگلیوں کو چومنے اور ان کو آنکھوں پر رکھنے کے بارے میں جو روایات ہیں وہ تمام کی تمام موضوع اور من گھڑت ہیں۔

## گردن کا مسح

گردن کا مسح کرنا مستحب ہے، چھوڑنے سے کرنا بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عاصم انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے وضو کیا اور سر کا مسح کیا، سامنے اور پچھلے حصہ پر شروعات سامنے سے کی، پھر دونوں ہاتھوں کو گدی (گردن) تک لے گئے، فاقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه ثم ذهب بهما إلى قفاه. (بخاری: باب مسح الرأس كله، حدیث نمبر: ۱۸۳)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کیا تو وہ شخص قیامت کے دن عذاب کے طوق سے بچایا جائے گا، من توضعاً ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغلّ یوم القيامة.

(التلخیص الحبیر، حدیث نمبر: ۹۸، حدیث صحیح)

## نماز کی شرطیں

شرط کہتے ہیں اس چیز کو جو کسی شئی کی حقیقت سے باہر ہو؛ لیکن اس کے بغیر وہ چیز نہ پائی جاسکتی ہو، نماز کے بھی چند شرائط ہیں، نماز کے صحیح ہونے کیلئے ان کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

### ۱۔ بدن کا پاک ہونا

نمازی کے بدن کا نجاستِ حقیقی یعنی پیشاب، پاخانہ، خون، پیپ، شراب وغیرہ سے پاک ہونا۔  
وَالرُّجُزَ فَاهْجُرْ اور گندگی کو اپنے آپ سے دور کرو۔ (۱)  
فِيهِ رَجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ اور اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ طہارت والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۲)  
ایسے ہی نجاستِ حکمی سے بھی طہارت ضروری ہے (نجاستِ حکمی وہ ہے جو (غیر مرئی) نہ دکھائی دینے والی ہو جیسے: بے وضو ہونا، جنابت میں مبتلا ہونا، اور ایسے ہی حیض و نفاس۔  
وَأَنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَطَهِّرُوا اور اگر تم جنابت میں ہو تو اچھی طرح طہارت حاصل کرو۔ (۳)  
﴿61﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز جب تک کہ وہ بے وضو ہو قبول نہیں کرتا؛ یہاں تک کہ وہ وضو کرے: ”لَا تَقْبَلُ صَلَوةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ“۔ (۴)

### ۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا

نمازی کے کپڑوں کا بھی گندگی اور نجاست سے پاک ہونا ضروری ہے۔  
ارشادِ خداوندی ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے لباس اور کپڑوں کو پاک کرو۔ (۵)

## ۳- جگہ کا پاک ہونا

بدن کی طرح نماز کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جگہ پاک ہو، جہاں نماز پڑھی جا رہی ہے۔  
 وَعَهْدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ  
 وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ”اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل  
 علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو، طواف کرنے  
 والوں، اعتکاف میں بیٹھنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کیلئے“ (۱)

## ۴- ستر عورت

اعضاء مستورہ (قابل ستر اعضاء) کا نماز کیلئے ڈھانپنا فرض اور ضروری ہے۔  
 يٰبَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت  
 زینت اختیار کرو۔ (۲)

﴿62﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ  
 کسی بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتے: ”لَا تُقْبَلُ صَلَوةُ حَائِضٍ اِلَّا  
 بِخِمَارٍ“ (۳)

## مرد و عورت کے ستر کے حدود

مرد کے لئے ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے کے نیچے تک ڈھانپنا فرض ہے اور آزاد عورت  
 کا مکمل جسم علاوہ چہرہ ہتھیلی اور پاؤں کے ستر ہے اس کا ڈھانپنا ضروری ہے۔  
 ﴿63﴾ حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:  
 مرد کی ناف سے اس کے دونوں گھٹنوں تک ستر ہے: ”فِيْ اِنْ مَا اَسْفَلَ مِنْ سَرَّتِهِ اِلَى  
 رُكْبَتَيْهِ مِنْ عَوْرَتِهِ“ (۴)

(۲) الاعراف: ۳۱

(۱) البقرة: ۱۲۵

(۳) ابوداؤد: باب المرأة تُصَلِّيْ بِغَيْرِ خِمَارٍ، حدیث: ۶۴۱، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، باب ما  
 جاء لا تقبل صلاة الحائض الا بخمار، حدیث: ۳۷۷، محقق شعیب الارنؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۴) مسند احمد: حدیث: ۶۷۵۶، محقق شعیب الارنؤط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، علامہ زیلعی فرماتے ہیں: دار  
 قطنی نے اسے روایت کیا ہے، اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں۔

﴿64﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا سارا بدن ہی ستر ہے، ”المرأة عورة“ (۱)

﴿65﴾ عن سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: ولا یبدین زینتھن الا یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ”اور عورتیں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں“، ”زینتھن الا ما ظہر منها، قال: ما فی الکفّ والوجه“ سوائے ہاتھ اور ہتھیلی کے سر ڈھانپنا سنتِ موکدہ ہے۔ (۲)

### سر ڈھانپنا سنتِ موکدہ ہے

نماز کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ آدمی پورا لباس پہن کر نماز پڑھے اور سر کو بھی ڈھانپ رکھے۔ چونکہ ارشاد خداوندی ہے: ”خُذُوا زَیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ“ (نماز کے وقت اپنا خوبصورت لباس اختیار کرو۔) (۳)

چونکہ عمامہ اور ٹوپی بھی لباس میں شامل ہے؛ لہذا اس آیت کے بموجب نماز میں عمامہ اور ٹوپی پہننا چاہیے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی میں تو ہر شخص کو عام حالات میں بھی سر ڈھانپنے رہنا چاہیے، اگر مجبوری کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو درست؛ لیکن کپڑے اور ٹوپی کے ہوتے ہوئے بھی ننگے سر نماز پڑھنا خلاف سنت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی مخالفت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے:

۱- مجبوری کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔

۲- سستی کی وجہ سے کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو مکروہ تہزیبی ہے، جس سے ثواب کم ہو جاتا ہے۔

۳- ننگے سر نماز کو افضل و سنت سمجھنا اور نماز میں سر ڈھانپنے کو حقیر جاننا کفر ہے۔ (۴)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تو پگڑی یا کسی کپڑے سے سر ڈھانپنے کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی بھی استعمال فرمائی ہے۔

(۱) ترمذی: ۱۱۷۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے، علامہ بیہقی نے فرماتے ہیں: اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں: مجمع الزوائد: حدیث نمبر: ۳۱۱۶

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: ثباب عورة المرأة الحرة، ۳۰۲۹، صاحب عون المعبود فرماتے ہیں: اس کو ابو حاتم، بیہقی اور اسماعیل قاضی نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ عون المعبود: باب فی العبدین نظر إلى شعر: ۱۰۹/۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) الاعراف: ۳۱ (۴) فتاویٰ عالمگیری: ۱۰۶/۱

﴿66﴾ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ”کان یلبس قلنسوة بیضاء“  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ (۱)

﴿67﴾ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ”کُمَّةٌ بیضاء“ کا لفظ ہے، یعنی  
ٹوپی گول ہوتی تھی (جو سر پر چسپاں رہتی تھی)۔ (۲)

﴿68﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک  
کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے: ”فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُکثِرُ القناعَ“ (۳)

﴿69﴾ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک باب ہے ”باب من کان یسجد علی کور  
العمامة ولا یری بہ بأَسًا“ ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل پر سجدہ  
کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس باب میں آٹھ حدیثیں درج ہیں۔ دوسرا باب ”باب من کرہ  
السجود علی کور العمامة“ ان لوگوں کے دلائل کا بیان جن کے نزدیک پگڑی کے بل  
پر سجدہ مکروہ ہے، اس باب میں بارہ حدیثیں ہیں، صرف ان دو بابوں کی بیس احادیث ہی کو دیکھ لیں  
تو ان سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت طریقتہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا ہے۔

﴿71﴾ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت زکاتہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: ہمارے اور مشرکین کے درمیان ماہہ الاتیاز (فرق) ٹوپیوں  
پر پگڑیاں ہیں: ”فرق ما بیننا و بین المشرکین العمام علی القلائس“ (۴)

(۱) مجمع الزوائد: باب فی القلنسوة، حدیث: ۸۵۰۵، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی  
عبداللہ بن خراش ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، اور کہا ہے کہ یہ کبھی غلطی کرتے ہیں، جمہور علماء نے انہیں  
ضعیف قرار دیا ہے، اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

(۲) الطبرانی فی الاوسط، حدیث: ۶۱۸۳، ابن عمر سے یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے، اس کو عبداللہ بن  
خراش نے تنہا روایت کیا ہے۔

(۳) شعب الایمان: فصل فی اکرام الشعر وتدہینہ واصلاحہ، حدیث: ۶۴۶۴، ملا علی القاری فرماتے  
ہیں: اس روایت کو لغوی نے ”شرح السنۃ“ اور ”مصابیح“ میں ذکر کیا ہے، ایسے ہی ترمذی اور شامی میں یہ روایت  
موجود ہے، جزری نے اس کے ایک راوی کو جو ترمذی کے راوی ہیں ضعیف کہا ہے؛ لیکن یہ ضعف نقصانہ نہیں  
ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: کتاب اللباس، باب الترجل: ۱۸۱/۱۳)

(۴) ترمذی: باب العمام علی القلائس، حدیث: ۱۷۸۴، ملا علی قاری کہتے ہیں کہ: اس کو ترمذی نے  
روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب کہا ہے اور اس کی سند کو ”لیس بالقائم“ ثابت نہیں ہے کہا ہے، پھر فرماتے  
ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے، شایدان کی سند قائم اور ثابت ہو (مرقاۃ  
المفاتیح، کتاب اللباس: ۸: ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)



﴿۷۱﴾ مجلس، خطبہ، وفود کے استقبال یا جنگ اور عام حالات میں نبی اکرم ﷺ کا معمول عمامہ ٹوپی پہننے ہی کا تھا اور وہی حالت افضل ہو سکتی ہے جس کو آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنایا ہے۔

﴿72﴾ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو ”عدریخم“ کے دن آپ ﷺ نے عمامہ پہنایا اور فرمایا: ”إن الله أمّدتني يوم بدر وحنين بملائكة يعتمون هذه العمامة“ اللہ عز وجل نے بدر وحنین کے دن ان عماموں کو پہننے والے فرشتوں سے میری مدد فرمائی ہے۔ (۱)

عربوں میں یہ چیز فخر و اعزاز کا سبب سمجھی جاتی تھی، چنانچہ حدیث ہے: ”العمامة تيجان العرب ، فإذا وضعوا العمام وضعوا عزهم“ عمامہ عرب کا تاج ہے، ان کا عماموں کا رکھ دینا ان کی عزت کے چلے جانے کے مانند ہوتا ہے (۲) اور ایمان والے کو تو نماز کی حالت میں کم از کم اس سنت عادت پر عمل کرنا چاہیے (یعنی: سر کو چھپا کر نماز پڑھنا درجہ کمال ہوگا)۔

﴿73﴾ محرم کے کپڑوں میں قمیص، نہ عمامے اور نہ پانچامے اور نہ ٹوپیاں اور نہ موزے پہننے جائیں، مگر یہ کہ اس کے جوتے (چپل) نہ ہو: ”لا يلبس القمص ، ولا العمام ، ولا السراويلات ولا البرانس ولا الخفاف الا أحد لا يجد النعلين“ (۳)

﴿74﴾ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: لوگ عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے، اور ان کے ہاتھ آستینوں میں ہوتے تھے: ”كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة، و يداه في كمّه“ (۴)

﴿75﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا، وہ چپکی ہوئی ٹوپی پہننے ہوئے تھے: ”وعليه قلنسوة لا طئة“ (۵)

(۱) سنن البيهقي الكبرى: باب التحريض على الرمي، حديث: ۱۹۵۲۰، اس روایت کے ایک راوی ابو الرزق سلمان ہیں، یہ قوی نہیں ہیں، اسماعیل بن عیاش نے اس بارے میں ان کی مخالفت کی ہے، بیہقی کہتے ہیں: عبد اللہ بن بسر نے اس روایت کو منقطعاً روایت کیا ہے، اور یہ بھی قوی نہیں ہیں، بہر حال یہ روایت بچھلی روایت کیلئے مؤید ہے۔

(۲) مرقاة المفاتیح: کتاب اللباس: ۲۱۵/۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت

(۳) بخاری: باب البرانس، حدیث: ۵۴۶۶

(۴) بخاری: باب السجود على الثوب في شدة الحر، حدیث: ۳۷۸

(۵) الحاوی للفتاویٰ: ۷۲/۱، باب اللباس، دار الکتب العلمیہ، بیروت

صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: شہید چار طرح کے ہیں، ایک وہ پختہ ایمان والا شخص ہے جو میدان جنگ میں گھس جاتا ہے اور اللہ عز و جل کے وعدے کو سچ کر دکھاتا ہے یہاں تک کہ قتل ہو جاتا ہے، یہی وہ شخص ہے جس کی طرف لوگ قیامت کے دن اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھیں گے، انہوں نے اپنے سر کو اٹھایا تو اُن کی ٹوپی گر گئی اور ”ورفع رأسہ حتی وقعت قلنسوتہ“ راوی کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ یہ ٹوپی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ (۱)

جو لوگ ٹوپی کے عدم سنت کے قائل ہیں وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک کپڑے میں بھی نماز پڑھی ہے۔ (۲)  
لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاقی عمل تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمومی عمل سر ڈھانک کر نماز پڑھنے کا تھا جیسا کہ معلوم ہوا، ظاہر ہے کہ چادر بطور تہ بند آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمائی ہوگی؛ لیکن ایسا صرف ایک واقعہ ثابت ہے اور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ”کیا میری امت میں سبھوں کو دو کپڑے میسر ہوں گے“۔ (۳)

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل محض اس بات کو بتانے کیلئے تھا کہ بغیر ٹوپی کے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے، اگر کسی کے پاس سر ڈھکنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو اس کی وجہ سے نماز نہ چھوڑنی چاہیے، نہ یہ کہ کھلے سر نماز پڑھنا چاہیے، اگر کوئی شخص بخاری کی مذکورہ روایت پر عمل کرنا چاہتا ہو تو پھر کرتا اور بنیان پہننے کی بھی ضرورت نہیں، صرف باعجامہ یا لنگی پر ہی اسے اکتفا کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل یہ رہا ہے کہ بدن پر کپڑا ہو اور سر ٹوپی یا عمامے سے ڈھکا ہوا ہو۔

(۱) ترمذی: فضل الشهداء عند اللہ، حدیث: ۱۶۴۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن، غریب ہے، صرف عطاء بن دینار نے اُسے نقل کیا ہے، اور عطاء بن دینار: ان کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر فرماتے ہیں، اسے کبھی سعید بن ایوب دوسری سند سے عن عطاء بن دینار عن اشیاخ من خولان کے طریق سے نقل کرتے ہیں۔ اور اس میں عطا کا ذکر نہیں کیا ہے، اور فرمایا کہ: عطاء بن دینار کے بارے میں کوئی حرج نہیں ہے

(۲) بخاری: باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد، حدیث: ۳۴۷

(۳) مسند احمد: مسند أبی ہریرۃ، حدیث: ۷۵۹۵، محقق شعیب الارنوط نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

## ۵- وقت کا ہونا

نماز کے شرائط میں سے ایک وقت بھی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی ہے۔ (۱)

## ۶- قبلہ کی طرف رخ کرنا..... یہ بھی شرط نماز ہے

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ اور تم جہاں بھی ہو پس اپنے چہرے کو بیت اللہ شریف کی طرف کر لو۔ (۲)

اگر کسی ایسی جگہ ہوں جہاں کوئی آدمی نہ ہوں کہ جن سے قبلہ دریافت کریں تو ایسی صورت میں خوب سوچ و بچار (تحرری) کر کے ایک طرف رخ متعین کر کے نماز پڑھے تو نماز درست ہو جائے گی، (گرچہ سمت قبلہ متعین کرنے میں غلطی کیوں نہ ہو)۔

﴿76﴾ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا تھا تو انہوں نے یہی طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ (۳)

نماز کے دوران کسی نے بتایا کہ سمت کعبہ ادھر ہے تو اُس رخ پر پھر جائے، پچھلی نماز درست ہوگی۔ ﴿77﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا کہ قبلہ (بیت المقدس) سے (خانہ کعبہ کی طرف) تبدیل ہو چکا ہے تو وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے: ”ان القبلة قد حوّلت فمالو کما هو نحو القبلة“ (۴) اس واقعہ کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

﴿78﴾ کشتی یا گاڑی میں قبلہ کی سمت اگر گھومتی جائے تو نمازی بھی گھومتا رہے، اگر ایسا ممکن نہ ہو، یا سامان کے چوری ہونے کا خطرہ ہے تو ابتداً قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز شروع کر دے اور پھر پڑھتا رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نفل نماز میں کیا ہے۔

(۲) البقرة: ۱۴۴

(۱) النساء: ۱۰۴

(۳) ترمذی: باب ما جاء فی الرجل یصلی لغير القبلة فی الغیم، حدیث: ۳۴۵، امام ترمذی فرماتے ہیں: هذا حدیث یس اسنادہ بذالک، اکثر اہل علم کا علم اسی پر ہے، علامہ البانی نے اسے حسن کہا ہے، یہ حدیث محض اشعث بن سمان سے مروی ہے اور اشعث بن سمان یہ حدیث میں ضعیف ہیں۔

(۴) مسلم: باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة، حدیث: ۵۲۷

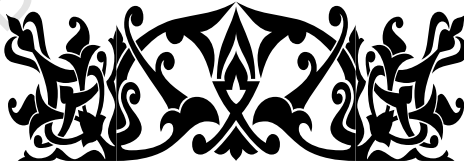
﴿70﴾ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر چاہے جدھر اس کا رخ ہو نوافل اور وتر ادا فرماتے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر فرض ادا نہیں فرماتے: ”وَلَمْ يَكُنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ“ (۱)

﴿80﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ کرتے تھے کہ اس حالت میں نوافل پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کا رخ قبلہ کی طرف کرتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تھے اور پھر جدھر بھی آپ کی سواری کا رخ ہوتا پڑھتے تھے: ”ثُمَّ يَصَلِّي حَيْثُ وَجَّهَهُ رِكَابَهُ“۔ (۲)

## ۷- نیت

نماز کیلئے نیت بھی ضروری ہے اور یہ بھی نماز کی شرط ہے: وَمَا أَمْرُؤَ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ (جس میں نیت کا صحیح ہونا بھی ہے) ادا کریں، کیسو ہو کر۔ (۳)

﴿81﴾ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ اَمْرٍ مَا نَوَىٰ بِيْشْكِ اَعْمَالُ نِيَّتِ كِے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور بیشک آدمی کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔ (۴)



(۱) بخاری: ابواب تقصیر الصلاة، باب ينزل للمكتوبة، حدیث: ۱۰۶۲، محقق مصطفى ديب البغا  
(۲) ابوداؤد: باب التطوع على الرحلة والوتر، حدیث: ۱۲۲۷، ابن الملقن فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اس کی تصحیح کی ہے (خلاصة البدر المنير، باب استقبال القبلة: ۳۵۲/۱، مكتبة الرشد، الرياض)

(۳) سورة البينة: ۵

(۴) بخاری: كيف بدأ الوحي على رسول الله، حدیث: ۱

## نماز کے فرائض

نماز میں چھ فرض ہیں: نماز کی صحت کیلئے ان کی رعایت ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔

### ۱- تکبیر تحریمہ

نماز کے شروع میں جو ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہا جاتا ہے اُسے ”تحریمہ“ کہتے ہیں چونکہ نمازی ”اَللّٰهُ اَكْبَرُ“ کہتے ہی بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، جو اس عبادت کے آغاز سے پہلے اس کیلئے حلال تھیں جیسے: کھانا پینا، بات چیت وغیرہ۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى اور اُس نے اپنے رب کا نام لیا اور نماز پڑھی۔ (۱)

﴿82﴾ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نماز کی چابی وضو ہے، اس کا تحریمہ تکبیر ہے اور اس سے باہر نکلنا سلام سے ہے: ”تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم“ (۲)

### ۲- قیام

قیام کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، نماز میں قرأت کے وقت خاص کیفیت کے ساتھ کھڑے ہونا ”قیام“ ہے، قیام فرض و واجب نمازوں میں فرض ہے، اگر بیماری کی وجہ سے کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو فرض و واجب نمازیں بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں۔

﴿83﴾ حضرت عمران بن حصینؓ بواسیر کے مریض تھے؛ اس لئے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں دشواری محسوس کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت

(۱) اعلیٰ: ۱۵ (۲) ابوداؤد: باب فرض الوضوء، حدیث: ۶۱، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ:

یہ حدیث حسن ہے، اور اس باب میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کی روایت سند کے اعتبار سے جید اور اصح ہے۔

(ترمذی، فی تحریم الصلاة وتحلیلہا، حدیث: ۲۳۸)

کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو پہلو پر لیٹ کر ”صل قائماً فان لم تستطع فقاعداً فان لم تستطع فعلى جنب“ (۱)

### ۳- قرأت

قرأت یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے: فاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ”قرآن میں سے جتنا میسر ہو پڑھو“۔ (۲)

﴿84﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بغیر قرآن کے نماز نہیں ہوتی ”لا صلوة الا بقراءة“ (۳)

﴿85﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگ ”فاتحۃ الكتاب“ سورۃ فاتحہ اور جو میسر ہو پڑھیں ”نقرأ الفاتحة وما تيسر“۔ (۴)

﴿86﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اسی وقت ایک شخص بھی مسجد میں آیا، اس نے نماز پڑھی، پھر حضور ﷺ کو سلام کیا، آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، اور فرمایا: واپس جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ واپس گیا اور نماز پڑھی، پھر آ کر سلام کیا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا: واپس لوٹ جاؤ اور نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں تو اس سے اچھی نماز نہیں جانتا، آپ ﷺ مجھے سکھادیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو، پھر جو تم کو میسر ہو قرآن پڑھو ”ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن“ پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ تم اطمینان کے ساتھ جم کر رکوع کرو۔ (۵)

(۱) بخاری: باب اذا لم يطق قاعداً فعلى جنب، حدیث: ۱۰۶۶ (۲) المزمّل: ۲۰

(۳) مسلم: باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حدیث: ۳۹۶

(۴) ابوداؤد: باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، حدیث: ۸۱۸، ابن سید الناس نے اس کی سند کو صحیح اور ”دریہ“ میں یہ کہا ہے کہ: ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے: اعلیق الحسن: ۱۵۶، علامہ حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے سند قوی سے روایت کیا ہے (فتح الباری)، باب وجوب القراءة للإمام (دار الفکر بیروت)

(۵) بخاری: باب وجوب القراءة للإمام والمأموم، حدیث: ۷۲۴

نوٹ: اس روایت میں ایک شخص کو نماز سکھائی جا رہی ہے اور بار بار دہرایا جا رہا ہے؛ یہاں تو ضروری تھا کہ سورہ فاتحہ کے فرض ہونے کی طرف متوجہ کرتے؛ مگر آپ ﷺ نے صرف قرآن پڑھنے کا ذکر فرمایا۔

﴿87﴾ حضرت حسن بصریؒ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ جب نبی ﷺ کے پاس (مسجد نبوی میں) پہنچے تو آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے، چنانچہ یہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے (اور آہستہ آہستہ چلتے چلتے صف میں مل گئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کرنے پر حریص کرے، پھر ایسا نہ کرنا: ”فقال: زادك الله حرصا ولا تعد“ (۱)

## ب۔ وضاحت

حضرت ابوبکرہؓ کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو اس کی وہ رکعت ہو جائے گی، چونکہ حضرت ابوبکرہؓ نے حضور ﷺ کو بحالت رکوع دیکھا تو وہ بھی فوراً رکوع میں چلے گئے، حضور ﷺ کے سامنے اس کا ذکر ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو دعا دی، اور فرمایا: ایسا نہ کرنا، یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، اسے لوٹاؤ، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ فرض نہیں، اگر فرض ہوتی تو حضور ﷺ انہیں نماز لوٹانے کا حکم کرتے۔

﴿88﴾ مسند احمد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کے مرض وفات میں حضرت ابوبکرہؓ نماز پڑھا رہے تھے، اس دوران حضور ﷺ تشریف لائے، تو حضرت ابوبکرہؓ پیچھے ہٹ گئے حضور ﷺ نے نماز پڑھائی آپ ﷺ نے اس روایت کے مطابق وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابوبکرہؓ نے چھوڑی تھی اور وہ سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ شروع کر چکے تھے، اگر سورہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لئے فرض ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی نماز نہیں ہوئی (نعوذ باللہ) اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ فرض نہیں، مطلق قرأت فرض ہے۔ (۲)

(۱) بخاری: باب اذا ركع دون الصف، حدیث نمبر: ۷۵۰

(۲) ابن ماجہ: باب ما جاء في صلاة رسول الله في مرضه، ۱۲۳۵، بصیری نے کہا ہے: اس سند کے رجال ثقہ ہیں، لیکن ابواسحاق کو آخری عمر میں اختلاط (ذہنی کمزوری) ہو گیا تھا، اور یہ تہ لیس بھی کرتے ہیں، انہوں نے ”عن“ سے روایت کیا ہے، مسند احمد میں بھی اس روایت کا ذکر ہے، محقق شعیب الارؤط نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے (مسند احمد: ۳۵۶/۱، مطبوعہ: مؤسسة القرطبة القاهرة) انوار الباری: ۸۰/۱۴، میں حافظ ابن حجر سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ سند قوی ہے۔

پانچوں فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں، وتر، نفل، جمعہ اور عیدین کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے، فرض کی آخری دو رکعتوں اور مغرب کی آخری رکعت میں صرف سورہ فاتحہ کا پڑھنا مسنون ہے۔

﴿89﴾ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورہ پڑھتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے: ”وَيَقْرَأُ فِي الرُّكْعَتَيْنِ الْآخِرَتَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ“۔ (۱)

## ۴- رکوع

رکوع کے معنی سر جھکانے کے ہیں، اصطلاح میں رکوع نماز کی مخصوص کیفیت کا نام ہے جس میں انسان خدا کے سامنے اپنی بندگی کے اظہار کیلئے اپنے سر اور پشت کو جھکا کر نیاز مندانہ کھڑا ہوتا اور اپنے مالک کی تسبیح بیان کرتا ہے، رکوع بھی نماز کے اہم ترین ارکان میں سے ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ (۲) اللہ عز وجل نے کافروں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے۔ (۳)

## ۵- سجدہ

سجدہ کے معنی جھکنے کے ہیں، سجدہ انکساری و عاجزی کی آخری اور بالکل انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ احترام کی علامت ہیں، خاک پر رکھتا ہے، سجدہ بھی نماز کے فرائض میں سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا لِعَالِمِ الْإِيمَانِ وَالْوَلَا رُكُوعَ أَوْ سَجْدَةً كَرُوا۔ (۴)  
يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ،  
خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ  
وَهُمْ سَالِمُونَ (۵)

(۲) البقرة: ۴۳

(۵) القلم: ۴۲، ۴۳

(۱) مسلم: باب القراءة في الظهر والعصر، حديث: ۴۵۱

(۲) الحج: ۷۷

(۳) مرسلات: ۲۸



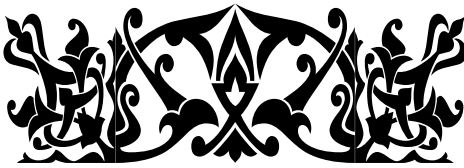
”جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور ان کو سجدے کیلئے بلایا جائے گا، تو یہ سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھیں گے آنکھیں پست ہوں گی اور ذلت چھائی ہوئی ہوگی، حالانکہ انکو پہلے سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ صحیح سالم تھے“

## ۶- قعدہ اخیرہ

نماز میں قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے؛ لہذا اگر قعدہ اخیرہ میں نہ بیٹھا تو نماز باطل ہو جائے گی۔

﴿90﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشہد کی تعلیم دی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: قل ”اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ الْخ“ فإذا قضيت هذا أو قال: فعلت هذا فقد قضيت صلوتك“ کہ ”التحيات لله“ پڑھو، اور پھر آخر میں فرمایا: جب تم نے اس کو پورا کر لیا، یا جب تم نے ایسا کر لیا تو تم نے اپنی نماز پوری کر لیا۔ (۱)

یعنی تشہد پڑھنا اور بیٹھنا، اس پر نماز کے مکمل ہونے کو موقوف کیا ہے، اس سے اس کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے۔



(۱) مسند احمد: حدیث: ۴۰۰۶، مع تعلیق: شعيب الارنؤط، مجمع الزوائد: ، باب التشهد والجلوس والإشارة بالإصبع فيه ، حدیث: ۲۸۶۱ میں ہے: اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، مسند احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

## نماز کے واجبات

واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے، واجب اگر بھولے سے رہ جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہو سکتی ہے۔

### ۱۔ سورہ فاتحہ کا پڑھنا

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے (امام، مسبوق اور منفرد یعنی اکیلے نماز پڑھنے والے کیلئے)۔ ﴿91﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں اس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہوگی ”من صلیٰ صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بآم القرآن فہی خداج“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا (۱) استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ فاتحہ رکن نہیں ہے؛ کیونکہ خداج ناقص کے معنی میں آتا ہے اور اگر رکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرماتے کہ نماز باطل ہے؛ کیونکہ رکن کے چھوڑنے سے بطلان لازم آتا ہے، نقصان اور کمی یہ واجب کے چھوڑنے سے ہوتی ہے“ (۲)

### ۲۔ فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کا ملانا

ضم سورہ مع الفاتحہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں (مقتدی کے علاوہ) اور باقی کی جملہ رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ ضم سورۃ (سورۃ کا ملانا) واجب ہے۔

(۱) ابو داؤد: ۵، باب من ترک القرآۃ فی صلوٰتہ بفاتحۃ الكتاب، حدیث: ۸۲۱، علامہ نیوی نے کہا ہے:

اس کو احمد، ابن ماجہ، طحاوی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے: اثار السنن: ۱۵۶، باب فی قرۃ الفاتحۃ

(۲) السعایہ: ۱۲۷/۲، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

﴿92﴾ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۃ فاتحہ اور جو کچھ میسر ہو پڑھیں ”أمرنا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر“ (۱)

### ۳- تعدیل ارکان

نماز میں تعدیل ارکان بھی واجب ہے، یعنی رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ کو اطمینان سے ادا کرنا۔ ﴿93﴾ اس پر وہ روایت دالت کرتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے (حدیث مسیء الصلوۃ) کہ ایک شخص نے مسجد نبوی میں آکر نماز ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مسجد میں تشریف فرما تھے، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز کو نامکمل قرار دے کر اعادہ کا حکم دیا، الغرض اس نے تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوٹا کر نماز ادا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ تعلیم دی کہ نماز کے ہر جزء کو نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کرے، اس روایت سے تعدیل ارکان کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نماز کے تیسرے رکن قرأت کے تحت یہ روایت گزر چکی ہے۔ (۲)

### ۴- قرأت کیلئے فرض کی پہلی دو رکعتوں کو متعین کرنا

فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے متعین کرنا واجب ہے، اگر پہلی دو رکعتوں میں ضم سورۃ نہ کیا تو آخری دو رکعتوں میں ضم سورۃ کرے اور پھر آخر میں سجدہ سہو کرے۔ ﴿94﴾ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص پہلی دو رکعتوں میں قرأت کرنا بھول جائے اور آخری دو رکعتوں میں پڑھے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ انہوں نے کہا: اس کی نماز درست ہوگی، (انشاء اللہ) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہم اس کے ساتھ کہتے کہ سجدہ سہو کرنا پڑے گا، ”ونحن نقول: یسجد سجدة السهو“ (۳)

(۱) ابوداؤد: باب من ترك القراءة في صلواته بفاتحة الكتاب، حدیث: ۸۱۸، نماز کے فرائض ”قرأت“ کے تحت روایت نمبر ۸۶ میں اس کی سند پر بحث گزر چکی ہے۔

(۲) بخاری: باب وجوب القراءة للامام والمأموم، حدیث: ۷۲۴

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب من نسي القراءة: ۷۵۸، تحقیق: حبیب الرحمن الاعظمی، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

## ۵- رعایت ترتیب یعنی ارکان میں ترتیب قائم رکھنا

نمازی کے لئے قرأت، رکوع، سجود میں ترتیب قائم رکھنا بھی ضروری ہے، پہلے قیام، پھر قرأت، پھر رکوع، پھر سجدہ اور آخر میں قعدہ۔

﴿95﴾ اس کے وجوب پر حدیث ”مسعی الصلوٰۃ“ دلالت کرتی ہے، جو تعدیل ارکان کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول گزر چکی ہے۔

## ۶- پہلا قعدہ (قعدہ اولیٰ بھی واجب ہے)

﴿96﴾ حضرت عائشہ کی روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کیلئے بیٹھنا ہے ”وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے تھے۔ (۱)

## ۷- تشہد پڑھنا

دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا بھی واجب ہے۔

﴿97﴾ عن عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ قال: ”لا تجوز صلاة الا بتشہد“ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ نماز بغیر تشہد کے نہیں ہوتی۔ (۲)

## ۸- جہر اور سر

امام کیلئے جہری نمازوں میں جہر (آواز سے قرأت) اور سری نمازوں میں (آہستہ قرأت) والی نمازوں میں آہستہ پڑھنا واجب ہے۔

﴿98﴾ حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص قرأت میں وہاں جہر کرتا ہے جہاں جہر نہیں کیا جاتا، انہوں نے کہا: وہ دو سجدہ کرے ”یسجد سجدتی السہو“ (۳)

(۱) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتح به، حدیث: ۳۹۸

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب من نسی التشہد، ۳۰۸۰، یہ اثر اگرچہ سند کے اعتبار سے کمزور ہے تاہم شواہد کی بناء پر مقبول ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کان جہر فیما یشاء فیہ سجد، یہ روایت یونس کی وجہ سے حسن ہے۔

## ۹۔ لفظ سلام سے نکلنا

لفظ سلام سے نکلنا بھی واجب ہے:

﴿99﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی چابی طہارت ہے (طہارت ہی سے نماز میں داخل ہوا جاتا ہے) اور نماز کا تحریمہ (یعنی تمام چیزوں کا اس حالت میں ممنوع ہو جانا) تکبیر ہے ”تحریمہا التکبیر وتحلیلہا التسلیم“ (۱)

## ۱۰۔ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت

﴿100﴾ عن حماد وسفيان ”إذا نسي القنوت في الوتر، فعليه سجدة السهو“  
حضرت حماد وسفيان بیان کرتے ہیں: جو شخص وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے، تو وہ سجدہ سہو کرے۔ (۲)

## نماز کی سنتیں

- (۱) اذان۔
- (۲) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔
- (۳) تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو اپنی حالت میں قبلہ رخ رکھنا۔
- (۴) امام کا تکبیر کو آواز بلند کہنا۔
- (۵) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا۔
- (۶) مرد کا ہاتھوں کو ناف کے نیچے اور عورت کا سینے کے نیچے رکھنا۔
- (۷) ثناء پڑھنا۔

(۱) ابوداؤد: باب فرض الوضوء، حدیث: ۶۱، علامہ نبوی نے کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، حدیث نمبر (۸۲) کے تحت اس روایت کی سند پر بحث گزر چکی ہے۔

(۲) صلاة الوتر لمحمد بن المزوري، باب من نسي القنوت سجدة للسهو، سنن کبریٰ للبیہقی: باب من نسي القراءة سجدة للسهو، ۳۶۹۲، مع تحقیق: عبدالقادر عطا

- (۸) اعوذ باللہ پڑھنا۔  
 (۹) بسم اللہ پڑھنا۔  
 (۱۰) آمین کہنا۔  
 (۱۱) ان تمام کو آہستہ کہنا۔  
 (۱۲) رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہنا۔  
 (۱۳) رکوع کی تسبیحات۔  
 (۱۴) سجدے کی تسبیحات۔  
 (۱۵) رکوع کی حالت میں گھٹنوں کو کھلی انگلیوں سے پکڑنا۔  
 (۱۶) رکوع سے اٹھتے ہوئے امام کا ”سمع اللہ لمن حمدہ“ اور مقتدی کا ”ربنا لك الحمد“ کہنا اور منفرد کا دونوں کہنا۔  
 (۱۷) سجدے میں پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا، پھر ہاتھ اور پیشانی (سجدے سے اٹھنے میں اس کا الٹا)۔  
 (۱۸) قعدہ اولیٰ اور ثانیہ میں مرد کیلئے بائیں پاؤں کو نیچے بچھانا اور دائیں پاؤں کو قبلہ رخ کھڑا کرنا اور عورت کیلئے ”تورک“ یعنی دونوں پاؤں دائیں طرف سے نکال کر سرین پر بیٹھنا۔  
 (۱۹) تشہد میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا۔  
 (۲۰) شہادت کے وقت مسبّحہ (شہادت کی انگلی) سے ساتھ اشارہ کرنا۔  
 (۲۱) نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا۔  
 (۲۲) دعائے ماثورہ پڑھنا۔  
 (۲۳) دائیں طرف سلام پھیرنا۔  
 (۲۴) فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔

## نماز کے مستحبات

- (۱) تحریمہ کے وقت مرد ہاتھ آستینوں سے باہر نکالیں اور عورتیں اندر ہی رکھیں۔  
 (۲) قیام اور رکوع کی حالت میں تقریباً چار انگلیوں کا فاصلہ پاؤں کے درمیان رکھیں۔

- (۳) منفرد رکوع اور سجود میں تین مرتبہ سے زیادہ مگر طاق مرتبہ تسبیحات کہے۔
- (۴) قیام کی حالت میں نگاہ کو سجدہ کی جگہ رکھیں، رکوع کی حالت میں پاؤں کی پشت پر جلسہ اور قاعدہ کی حالت میں گود میں، اور سلام کے وقت مونڈھے پر رکھنی چاہئے۔
- (۵) جمائی کے وقت منہ بند رکھنا، قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ کے پشت سے، باقی حالتوں میں بائیں ہاتھ کے پشت سے، یا آستین سے منہ بند کرنا۔
- نوٹ: نماز کی سنتوں اور اس کے مستحبات کے دلائل قرآن و حدیث کی روشنی میں ”نماز پڑھنے کا طریقہ“ درج ذیل عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

## ان کی خشوع خضوع والی نمازیں

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو میں اچھی طرح وضو کر کے مصلے پر آتا ہوں، بیٹھ کر سارے اعضاء و جوارح کو پرسکون کر کے پھر نماز کیلئے کھڑے ہوتا ہوں، کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کعبہ میرے سامنے، جنت میرے دائیں جانب، جہنم میرے بائیں جانب، ملک الموت میرے پیچھے، گویا یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، اُمید و خوف کے تصور کے ساتھ واضح طور پر تکبیر تحریمہ کہتا ہوں، ٹھہر ٹھہر کر صاف تلاوت کرتا ہوں، رکوع میں تو اضع سجدہ میں خشوع ہوتا ہے، ربیاء سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں پھر ڈرتا ہوں کہ میری نماز قبول ہوئی یا نہیں؟ (احیاء العلوم: ۱/۱۷۹)

حضرت معاویہ بن مرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، آج اگر وہ تمہارے درمیان آجائے تو تمہاری بگڑی ہوئی دین کی شکل میں سے صرف اذان کو سمجھ پائیں گے (باقی سارا دین رُوح سے خالی ہے) ان کے زمانے میں اذان کے کلمات اور مؤذن صالح اور متشرع ہوا کرتے تھے، شاید ہمارے زمانے کو دیکھ کر میمون بن مہران نے فرمایا: اگر سلف صالحین زندہ ہو جائیں تو وہ صرف تمہارے قبلہ کو پہچان پائیں گے ما عرف الا قبلتکم۔

# مسنون نماز

تکبیر تحریمہ سے سلام تک  
احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں



## نماز پڑھنے کا طریقہ

﴿101﴾ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ (۱) میرے طریقے پر نماز پڑھو۔ بندہ جس وقت نماز کیلئے کھڑا ہونے لگے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے والی پیشی کو یاد کرے، ندامت و حیا اور خوف کے ساتھ اس کے دل کی یہ حالت ہو کہ جو نہایت محسن آقا کے سامنے حاضری کے وقت کسی بھاگے ہوئے غلام کی ہوتی ہے، اور یہ فضیلت بھی ذہن نشین رہے کہ یہ اللہ کے سامنے حضوری اور انتہائی قرب کا موقع ہے، اور یہ بھی خیال ہو کہ کیا خبر ہے کہ یہی نماز میری آخری نماز ہو، اور اس کے بعد کوئی نماز پڑھنی مجھے نصیب ہو یا نہ ہو۔

### قیام

نماز کا ارادہ کرے تو با وضو قبلہ رخ کھڑا ہو جائے اور یہ خیال کرے جس طرح میں نے اپنے جسم کا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا ہے، جو ہمارے جسموں کا قبلہ ہے، اسی طرح میرے دل کا رخ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف ہونا چاہئے جو دلوں اور رُوحوں کا قبلہ ہے، ارشاد خداوندی ہے: قُومُوا لِلّٰهِ قَنِتِينَ اللہ کیلئے کھڑے ہو جاؤ عجزی کرتے ہوئے (۲) چونکہ نماز کے باہر قیام ضروری نہیں؛ لہذا یہ کھڑے ہونے کا حکم نماز ہی سے متعلق ہے۔

### قیام میں دونوں پیر قبلہ رخ رہیں

﴿102﴾ امام بخاریؒ ”باب فضل استقبال القبلة“ میں لکھتے ہیں: ”يستقبل باطراف رجله القبلة، قاله أبو حميد (الساعدي) عن النبي ﷺ“ حضرت ابو حمید ساعدیؒ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے تھے۔

## صف کی درستی

باجامعت نماز میں بالکل سیدھے اس طرح مل کر کھڑے ہوں کہ ایک دوسرے کے بازو ملے ہوں، درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

﴿103﴾ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست کرنے کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ گویا ان صفوں سے نیزے سیدھے کر رہے ہوں ”کان رسول اللہ یسوی صفوفنا کأنما یسوی بها القداح“ (۱)

﴿104﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نماز کی تکبیر ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری جانب متوجہ ہو کر فرمایا: اقیموا صفوفکم و تراصوا فانی اراکم من ورائی ظہری (۲)

﴿105﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے کہ ”وکان أحدنا یلزي منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه“ ہم میں سے ہر ایک اپنے کندھے اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنے پیروں کو اپنے ساتھی کے پیروں سے ملاتا تھا۔ (۳)

مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک صف کے درمیان خلا کو پر کرنے میں انتہائی اہتمام کرتا تھا، یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک اپنے قدم کو دوسرے کے قدم سے واقعی ملا لیتا تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری حدیث کے ان الفاظ کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: المراد بذلك المبالغة فی تعديل الصف و سد خلله (۴) امام بخاری کا مقصد اس باب سے صف کی درستی اور صف کی خالی جگہ کو پر کرنے میں مبالغہ بتانا ہے۔

دیگر شارح حدیث نے بھی اس روایت سے صفوں کی درستی میں مبالغہ ہی مراد لیا ہے، کم و بیش ان ہی الفاظ میں شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی نے (۵) اور علامہ قسطلانی شافعی نے بھی (۶) یہی مراد لیا ہے، محدث مشہور علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: قدم سے قدم ملانے کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے کہ اس میں تیسرا داخل ہو جائے۔ (۷)

(۱) مسلم: باب تسوية الصفوف واقامتها، حدیث: ۴۳۶

(۲) بخاری: باب إقبال الإمام علي الناس عند تسوية الصفوف، حدیث: ۶۸۷، تحقیق: مصطفیٰ دیب البغا

(۳) بخاری: باب الزاقي المنكب بالمنكب والقدم بالقدم، حدیث: ۶۹۲

(۴) فتح الباری: باب الزاقي المنكب بالمنكب، ۲/۲۱۱، دار الفکر، بیروت

(۵) عمدة القاری: ۳۶/۳ (۶) ارشاد الساری: ۷۶/۲ (۷) فیض الباری: ۲۳۶/۲

اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں:

﴿106﴾ ”رَاصُوا صَفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَازُوا بِالْأَعْنَاقِ“ صفوں کو خوب ملا کر اور قریب ہو کر کھڑے رہو اور باہم گردنوں کو برابر کرو۔ (۱)

﴿107﴾ نیز سنن ابوداؤد ہی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ”فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَلْزُقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكَبِ صَاحِبِهِ وَرَكْبَتَهُ بِرَكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ“ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے اپنا کندھا، گھٹنے سے گھٹنا، اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کر کھڑا ہوتا تھا۔ (۲)

ان مذکورہ بالا روایات سے پتہ چلا کہ صفیں اس طرح درست کی جائیں کہ گردنیں گردنوں سے، گھٹنے گھٹنوں سے، اور ٹخنے ٹخنوں سے ملے ہوئے ہوں؛ حالانکہ اس طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ بیک وقت ان تینوں کو ایک ساتھ ملا کر رکھا جائے؛ اس لئے ان روایات کا مقصود صف بندی میں اہتمام اور مبالغہ کو بتلانا ہے، کہ کوئی آگے پیچھے نہ رہے، اور نہ درمیان میں کشادگی باقی رہے؛ حتیٰ الامکان ایک دوسرے کے قریب ہو کر کھڑے ہوں، ان الفاظ کے حقیقی معانی مراد نہیں لئے جاسکتے؛ لہذا ان مجموعی روایات کی روشنی میں صف بندی کی سنت کے مطابق صورت یہی ہوگی کہ سب آپس میں کندھے سے کندھے ملا کر کھڑے ہوں، کہ درمیان میں خلا نہ رہے اور نہ ہی کوئی صف میں آگے پیچھے نکالا ہوا ہو، تاہم پیروں کو پیروں سے ملانے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ اس طرح ایک دوسرے کے قدم تو مل جاتے ہیں؛ لیکن اپنی ٹانگیں چوڑی کرنے کی وجہ سے خود اپنی ٹانگوں کے درمیان غیر ضروری نامناسب خلل پیدا ہو جاتا ہے، خود رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ”تحسین صلوٰۃ“ کے خلاف ہے، پھر اس میں بلاوجہ تکلف کرنا پڑتا ہے، اور رکوع اور سجدے میں بھی وقت

(۱) ابوداؤد: باب تسوية الصفوف، حدیث: ۶۶۸، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: یہ روایت صحیح ہے، اس کو ابوداؤد نے مسلم کی شرط کے مطابق سند سے نقل کیا ہے۔ خلاصة الأحكام، باب الأمر بتسوية الصفوف:

۷۰۸/۲، مؤسسة الرسالة، بیروت

(۲) ابوداؤد: باب تسوية الصفوف، حدیث: ۶۶۲، امام ابن الملقن نے فرمایا ہے کہ: اس کو ابوداؤد، بیہقی ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو تعلیقاً صیغہ جزم کے ساتھ نقل کیا ہے: خلاصة البدر المنير: باب فروض الوضوء وسننه:

ہوتی ہے، نیز صفوں کی درستگی کا اہتمام تو صرف نماز کے شروع کرتے وقت مطلوب ہے، اور ٹانگیں چوڑی کر کے قدم سے قدم ملانے کی ضرورت ہر رکعت میں پیش آتی ہے، جو خلاف سنت ہے۔

## دو پیروں کے درمیان کا فاصلہ

جب نماز میں کھڑے ہو تو دو پیروں کے درمیان چار انگل فاصلہ رکھے، یہ مستحب ہے، یہاں یہ چار انگل فاصلہ بطور تحدید کے نہیں ہے؛ بلکہ اصل یہ ہے آدمی بے تکلف و بے تصنع کھڑا رہ سکے، اور چونکہ معمولی ڈیل ڈول والے آدمی کیلئے چار انگل کا فاصلہ کافی ہوتا ہے؛ اس لئے اسے ذکر کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص مذکورہ فاصلہ کے ساتھ بے تکلف کھڑا نہ ہو سکتا ہو اور اسے زیادہ فاصلے کا تقاضا ہو تو بلا کراہت جائز ہے اتنی بات تو احادیث و آثار میں ملتی ہے کہ آدمی اپنی ہیئت طبعی اور اصلی پر کھڑا رہے، تکلف و تصنع سے ہرگز کام نہ لے کہ اس کی وجہ سے خشوع و خضوع میں خلل واقع ہو، اسی ہیئت طبعی کو عام آدمی کے لحاظ سے چار انگل کا فاصلہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿108﴾ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”صَفَّ الْقَدَمَيْنِ وَ وَضَعَ الْيَدَ عَلَى الْيَدِ مِنَ السَّنَةِ“ یعنی پیروں کو ملا کر رکھنا اور دائیں ہاتھ (نماز میں) بائیں پر رکھنا سنت ہے۔ (۱)

﴿109﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عبیدہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز میں دونوں پیروں کو ملاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ”خَالَفَ السَّنَةَ وَلَوْ رَاحَ لَكَانَ أَفْضَلَ“ (اس نے سنت کی مخالفت کی اگر یہ مراوحہ کرتا) کہ دونوں کو ملا کر نہ کھڑا ہوتا اور آرام سے بے تکلف کھڑا ہوتا) تو بہتر ہوتا۔ (۲)

یہ دونوں روایتیں صحابی کے لفظ سنت کہنے کی وجہ سے محکم مرفوع ہیں، ان روایات میں سے ایک میں ”صَفَّ الْقَدَمَ“ یعنی پیروں کے ملانے کو سنت کہا گیا ہے، جو بظاہر تعارض معلوم

(۱) ابوداؤد: باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ، حدیث: ۵۴۷، ابن المنقی نے ”البدیع المنیر: الحدیث الثانی عشر: ۵۱۲۳، مکتبۃ دار الهجرة، الریاض“ میں اور نووی نے ”خلاصۃ الاحکام: باب وضع الیمین علی الشمال: ۳۵۷/۱“ میں اس کی سند کو ”جید“ قرار دیا ہے۔

(۲) نسائی: باب الصف بین القدمین فی الصلوۃ، حدیث: ۸۹۳، ابوعبدالرحمن النسائی کہتے ہیں: ابو عبیدہ نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے اور یہ حدیث ”جید“ ہے۔ سنن النسائی الکبری: الصف بین

ہوتا ہے، مگر حقیقتاً کوئی تعارض نہیں؛ کیونکہ پہلی روایت میں ”صف القدم“ سے مراد زیادہ ملانے کی نفی ہے؛ کیونکہ زیادہ ملانے اور زیادہ کشادہ کرنے ہر دو میں تکلف و مشقت ہے؛ اس لئے اعتدال کے ساتھ جو صورت بغیر تکلف و تصنع کے حاصل ہو، اسی پر قائم رہنا ہے جو کہ ”مراوۃ“ ہے۔

﴿110﴾ نیز ”مصنف عبدالرزاق“ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی طریقہ بتایا گیا ہے چنانچہ ابن جریجؒ کہتے ہیں: مجھ سے حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ”إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يُفْرِسِخُ وَلَا يَمَسُّ أَحَدَهُمَا الْآخَرَىٰ وَقَالَ: بَيْنَ ذَلِكَ“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قدموں کو کشادہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان میں سے ایک کو دوسرے سے مس کرتے تھے، فرمایا: ان دونوں کی درمیانی شکل ہوتی تھی۔ (۱)

﴿111﴾ نیز ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عطاءؒ سے نماز میں دونوں قدموں کو ملانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ”مَا هَكَذَا حَتَّى تُمَاسَ بَيْنَهُمَا فَلَا، وَلَكِنْ وَسْطَابَيْنَ ذَلِكَ“ اس طرح کے دونوں قدم مس ہو جائیں ایسا نہیں؛ لیکن درمیانی صورت ہو۔ (۲)

ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ قدموں کو معتدل طریقے پر رکھا جائے اور یہ بات عموماً چار انگلیاں اس سے کم و بیش سے حاصل ہو جاتی ہے۔

## نیت

نماز شروع کرتے وقت دل میں نیت کرے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، پھر پوری توجہ و انتہاک کے ساتھ یہ دعا پڑھے:

﴿112﴾ ”إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّينِ فَطَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ میں نے اپنا رخ کامل کیسوئی کے ساتھ اس اللہ کی طرف پھیر دیا، جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے

(۱) مصنف عبدالرزاق: باب التحريك في الصلوة، ۳۳۰۰، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب التحريك في الصلوة، ۳۳۰۰

لئے ہے جو رب العالمین ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ہے اور میں اس کا حکم ماننے والوں میں سے ہوں۔ (۱)

## تحریمہ

نیت کرنے کے بعد نماز شروع کرے، اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و کبریائی کا تصور کرتے ہوئے اور اپنی ذلت و بے چارگی اور تمام ماسویٰ کی بے حقیقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے، اور دل و زبان سے کہے: ”اللہ اکبر“ ”اللہ بہت بڑا ہے، ہر طرح کی کبریائی اور برتری اسی کیلئے ہے“ (تکبیر تحریمہ، اس کی شرعی حیثیت اور اس کے دلائل، نماز کے فرائض کے تحت ملاحظہ ہوں)۔

﴿113﴾ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتے تھے؛ یہاں تک کہ انھیں کاندھوں کے برابر کر دیتے ”کان اذا کبر رفع یدیه؛ حتی یحاذی بہما منکبیه“ (۲)

﴿114﴾ اور ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں، یہاں تک کہ ہاتھوں کو کان کے اوپری حصے کے مقابل کرتے ”حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ“ (۳)

﴿115﴾ ان دونوں روایتوں کے مقابل ایک روایت میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ (۴)

ان تمام روایات کے درمیان تطبیق اور ان پر ایک وقت میں عمل اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھائے کہ ہتھیلیاں کاندھوں کے برابر ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور انگلیاں کانوں کے اوپر والے کناروں کے برابر ہوں۔

(۱) نسائی: کتاب الافتتاح، باب الدعاء بین التکبیر والقراءة، حدیث: ۸۹۷، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے: اثار السنن: ۱۵۲، باب ما یقرأ بین تکبیرۃ الاحرام، مسلم: باب الدعاء فی صلاۃ، حدیث: ۷۷۱

(۲) مسلم: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، حدیث: ۳۹۱

(۳) مسلم: باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام، حدیث: ۳۹۱

(۴) نسائی: باب رفع الیدین حذو المنکبین، حدیث: ۸۷۸، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے: شرح السنة: باب رفع الیدین عند تکبیر الافتتاح: ۲۰۶۳، المکتبہ الاسلامی، دمشق

چنانچہ امام شافعیؒ نے بھی کندھوں اور کانوں والی تمام روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ ہاتھوں کو اس طرح کندھوں کے مقابل کیا جائے کہ انگلیوں کے پورے کانوں کے اوپر کے حصے کے برابر ہو جائیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہیں۔ (۱)

﴿116﴾ حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت بھی اس صورت کی وضاحت کرتی ہے: ”عن وائل بن حجر“ أَنَّهُ أَبْصَرَ النَّبِيَّ حِينَ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ، حَتَّى كَانَتْ بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ، وَحَاضِي بَابِهَا مِهُ أَذْنِيهِ ثُمَّ كَبَّرَ“ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے، اور دونوں انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کیا، پھر تکبیر کہی۔ (۲)

ہاں البتہ عذر کی حالت میں کندھوں تک اٹھائے جاسکتے ہیں، کندھوں تک اٹھانے سے متعلق روایات اسی حالت عذر کے ساتھ خاص ہیں، جس کی وضاحت ذیل کی روایت میں ہے کہ حضرات صحابہؓ سردیوں کے موسم میں چادریں اوڑھے ہوتے تھے اور اس حالت میں چادر میں سے کانوں تک ہاتھ اٹھانا مشکل اور دشوار ہوتا ہے؛ اس لئے وہ صرف سینوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے۔

﴿117﴾ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا، پھر جب میں دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرات صحابہؓ نماز شروع کرتے وقت ہاتھوں کو سینوں تک اٹھا رہے ہیں، اور ان کے بدن پر جبے اور چادریں ہیں: ”ثُمَّ أَتَيْنَهُمْ فَرَأَيْنَهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُورِهِمْ فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسٌ وَأَكِيسَةٌ“ (۳) ہاتھوں کو اٹھاتے وقت انگلیوں کو کھلی اور کشادہ نیز ہتھیلی کو قبلہ رخ رکھیں۔

﴿118﴾ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ جب نماز کیلئے تکبیر کہتے

(۱) شرح مسلم ۱/۱۶۸

(۲) ابوداؤد: باب رفع اليدين في الصلوة، حديث: ۷۲۳، اعلاء السنن ”۱۸۲/۲“ میں ہے: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے، چونکہ عبد الجبار نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے، لیکن اس کا انقطاع ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے، اس لئے کہ ہم نے اس روایت سے محض جمع وتطبيق کا کام لیا ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب رفع اليدين في الصلوة، حديث: ۷۲۸، علامہ نبوی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔

تھے تو انگلیوں کو کشادہ اور کھلی رکھتے تھے ”اذا كَبَّرَ للصلاة نشر أصابعه“ (۱)

﴿119﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو ہتھیلیوں کو قبلہ رخ رکھے ”فلیرفع یدیه ویستقبل بیاطنہما القبلة“ کیونکہ اللہ کی خصوصی عنایت اس کے آگے ہوتی ہے۔ (۲)

### ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو کر دائیں ہاتھ سے بائیں پہونچے کو پکڑ کر ناف سے ذرا نیچے رکھ لیں، ہاتھ باندھنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ: دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے حلقہ بنا کر بائیں پہونچے کو پکڑ لیں اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی پشت پر پھیلی چھوڑ دیں۔

﴿120﴾ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں ”کان الناس یؤمرون أن یضع الرجل یدہ الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلاة“ (۳)

﴿121﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز شروع کی تو ہاتھوں کو بلند کیا اور تکبیر کہی، پھر چادر پیٹ لی اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت اور پہونچے وکلائی پر رکھا: ”ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری و الرسع و الساعد“ (۴)

﴿122﴾ حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف

- (۱) ترمذی: باب نشر الاصابع عند التكبير، حدیث: ۲۳۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔  
(۲) رواہ الطبرانی فی الاوسط: باب من اسمه محمود، حدیث: ۷۸۰۱، تحقیق: طارق بن عوض اللہ، علامہ پیشی فرماتے ہیں: اس میں عمیر بن عمران ایک راوی ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

- (۳) بخاری: باب وضع الیمنی علی الیسری، حدیث: ۷۰۷۰  
(۴) نسائی: باب موضع الیمین من الشمال فی الصلاة، حدیث: ۸۸۹، علامہ نیوی نے کہا ہے: اس کو احمد نسائی، ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اشار السنن: ۱۳۹، باب وضع الیمنی علی الیسری، ابن الملقن کہتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد نے وائل بن حجر کی روایت سے نقل کیا ہے، اور ابن حبان اس کو صحیح قرار دیا ہے: خلاصة البدر المنیر، حدیث: ۳۶۵، مکتبۃ الرشد، الرياض



کے نیچے رکھے ہوئے ہیں: ”رأيت النبي يضع يمينه على شماله تحت السرة“ (۱)  
اس حدیث کی سند قوی اور مضبوط ہے؛ کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، چنانچہ علامہ نیوی نے ”تعلیق الحسن“ میں اور علامہ عبدالرحمن مبارکپوری نے ”تحفۃ الاحوذی“ شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ قاسم بن قطلوبغا نے ”تخریج احادیث الاختیار شرح المختار“ میں فرمایا کہ ”یہ سند جید ہے“ علامہ ابوالطیب المدنی نے ”شرح ترمذی“ میں کہا ہے ”یہ حدیث سند کے اعتبار سے قوی ہے“ محقق عابد سندی نے ”طالع الانوار“ میں لکھا ہے ”اس کے رجال ثقہ ہیں“۔ (۲)

﴿123﴾ ابو حنیفہؒ حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں: ”من السنة وضع الكف على

الكف تحت السرة“ ہاتھ کو ہاتھ پر (رکھ کر) ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔ (۳)  
﴿124﴾ حجاج بن حسان سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں نے ابو جہلوز سے سنایا پوچھا کہتے ہیں: میں نے کہا: میں ہاتھ کیسے رکھوں؟ تو انہوں نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ کے اندرونی حصہ کو بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر رکھو اور ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھ لو ”ويجعلهما أسفل من السرة“ (۴)

﴿125﴾ حضرت ابو اہل بن حجرؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نماز میں ہتھیلی تو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھنا ہے ”أخذ الألف على الألف في الصلاة تحت السرة“ (۵) ..... اس لئے یہ روایات باعتبار سند کے درجہ حسن سے کم نہیں۔

- (۱) مصنف ابن ابی شیبہ: وضع اليمين على الشمال، حدیث: ۳۹۵۹، مع تعلیقات: الشیخ عوامہ الحلبي
- (۲) تحفة الاحوذی: ۷۲/۵، باب ماجاء فی وضع اليمين على الشمال، التعلیق الحسن: ۱۳۸
- (۳) مسند احمد بن حنبل: ۸۷۵، مع تحقیق شعیب الارناؤط، اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے تاہم احادیث صحیحہ سے مؤید ہے۔ ابوداؤد: باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة، حدیث: ۷۵۶۱
- (۴) مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الصلاة، باب وضع اليمين على الشمال، علامہ نیوی فرماتے ہیں: ابن ابی شیبہ نے اسے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن: ۱۳۹، باب فی وضع اليمين تحت السرة
- (۵) ابوداؤد: باب وضع اليمنى على اليسرى، حدیث: ۷۵۸۰، اوپر کی دونوں روایتوں کے ایک راوی ”عبدالرحمن السخري“، جنہیں احمد بن حنبل ضعیف قرار دے رہے ہیں؛ لیکن بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی بھی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اپنی ”جامع“ میں فرمایا کہ: بعض اہل علم نے حافظہ کی وجہ سے عبدالرحمن کی تضعیف کی ہے، چنانچہ انھوں نے ”باب ماجاء فی سوق الجنة“ کے تحت ان کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے اور اس کی تحسین فرمائی ہے (ترمذی: حدیث: ۲۵۵) علامہ علی فرماتے ہیں: عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی، ضعیف ہیں، جائز الحدیث ہیں، ان کی احادیث نقل کے قابل ہیں، حدیث حسن درجے کی ہے (اعلاء السنن: ۱۹۳/۲)۔

﴿126﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: تین چیزیں اخلاق نبوی میں سے ہیں: افطار میں جلدی کرنا، سحری میں تاخیر کرنا اور نماز میں داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا ”وضع الیمنی علی الیسری تحت السرة“ (۱)

﴿127﴾ مشہور فقیہ و محدث ابراہیم نخعی نے کہا کہ: نمازی اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے: ”یضع یمینہ علی شمالہ تحت السرة“ (۲)

نوٹ: ناف کے نیچے یا ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مرفوع روایتیں درجہ دوم و سوم کی ہیں، اور ان میں اکثر کمزور ہیں، البتہ نیچے ہاتھ باندھنے کی روایتیں سینے وغیرہ پر باندھنے کی روایتوں سے اصولِ محدثین و فقہاء کے لحاظ سے قوی اور راجح ہیں۔

چنانچہ علامہ نبوی فرماتے ہیں: اس باب میں یعنی سینے پر نماز کی حالت میں ہاتھ رکھنے کے مسئلہ میں تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (۳) البتہ ہاتھ باندھنے کا مقصود اللہ کی تعظیم و اجلال ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں تعظیم کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے؛ اس لئے بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا افضل معلوم ہوتا ہے۔

شنا

پھر اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر یقین کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اس کے حضور میں کھڑا ہوا تصور کر کے اولاً ثنا پڑھے اور یہ خیال کرے اللہ عز و جل اپنی خاص کریمانہ شان کے ساتھ متوجہ ہے اور سن رہا ہے۔

﴿128﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پڑھتے: ”سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ“ اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں تیری حمد کرتا ہوں، اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے،

(۱) الجوهر النقی: ۳۲/۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، المحلی بالاثار: ۳۰/۳، دار الفکر بیروت  
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: وضع الیمن علی الشمال: ۳۹۶۰، علامہ نبوی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن درجہ کی ہے: اثار السنن: ۱۵۰، باب فی وضع الیدین تحت السرة  
(۳) اثار السنن: ۱۳۵

اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے، اور تو ہی معبودِ برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔ (۱)

﴿129﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: آپ ﷺ جب تکبیر

کہتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر کر لیتے، پھر مذکورہ بالا الفاظ میں ”ثناء“ کہتے ہیں۔ (۲)

﴿130﴾ حضرت عبداللہ بن لبابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یہ کلمات ثناء

کو زور سے پڑھتے تھے (دوران نماز تعلیم کی غرض سے)۔ (۳)

﴿131﴾ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بیان کیا، جس کی میں تصدیق کرتا

ہوں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

کے بارے میں کہ یہ اصحاب رضی اللہ عنہم جب نماز شروع کرتے تو کہتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ ..... الخ (۴)

مذکورہ احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد ”ثناء“ پڑھنا افضل و مسنون

ہے، حضور ﷺ خود بھی یہی پڑھتے اور آپ ﷺ اسی کی تعلیم فرماتے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

(۱) سنن نسائی: نوع اخر بین افتتاح الصلوة وبين القراءة، حدیث: ۹۰۰، ابن خزیمہ کہتے ہیں: ”ثناء

کے سلسلے میں اہل علم کے یہاں مضبوط اور سند کے اعتبار سے بہتر حدیث ابوسعید خدری صکی اس روایت سے زیادہ

کوئی نہیں ہے (التلخیص الحبیر: باب صفة الصلاة: ۵۵۹/۱) امام ترمذی فرماتے ہیں: اس بارے میں

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ، حضرت جابر، حضرت جبیر بن مطعم، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے

روایتیں منقول ہیں، پھر فرماتے ہیں: ابوسعید کی روایت اس باب میں مشہور و معروف ہے۔ اس روایت کے ایک

راوی علی بن علی الرفاعی کے بارے میں یحییٰ بن قطان نے کلام کیا ہے، لیکن اکثر حضرات نے ان کی توثیق کی ہے اس

لئے شیخ البانی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں، چونکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں جن میں امام و کعب بن

الجراح، ابن معین، ابوزرعة، ابوحاتم، نسائی، ابوداؤد شامل ہیں (ارواء الغلیل: ۵۲۲-۵۱)

(۲) مجمع الزوائد: باب ما يفتح به الصلاة، حدیث: ۲۲۲۲، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے

روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مسلم: باب حجة من قال لا يحجر بالبسملة، حدیث: ۳۹۹ یہ روایت گرچہ منقطع ہے، لیکن طحاوی

نے اسے چھ طرق سے روایت کیا ہے جن کے بارے میں علامہ بیہقی فرماتے ہیں: یہ تمام کے تمام چھ طرق موقوف صحیح

ہیں اور اس کے رجال ثقہ ہیں (نخب الافکار: ۴/۲۱۵)

(۴) ابوداؤد: باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللهم، حدیث: ۷۷۶، مجمع الزوائد: باب

ما يفتح به الصلاة: ۲۱۸، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک نامعلوم

شخص ہے۔

کا بھی یہی پڑھنے کا معمول تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بطور تعلیم کے ایک دفعہ بلند آواز سے دورانِ نمازیہ کلمات پڑھے؛ اس لئے احادیث میں ذکر کی گئی افتتاحِ نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی دعا راج اور افضل ہے اگرچہ دوسری ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے، مثلاً وہ دعا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت میں ہے۔

﴿132﴾ ”اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللَّهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، اللَّهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ“ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے، اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور ازلے سے دھو ڈال۔ (۱)

### تعوذ و تسمیہ

اگر امامت کر رہے ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں تو ”ثناء“ سے فارغ ہو کر آہستہ آواز میں ”اعوذ باللہ“ اور ”بسم اللہ“ پڑھیں، اور یہ خیال کریں کہ شیطان ہمارے دین خاص طور سے ہماری نماز کا سخت دشمن ہے، وہ اس میں خرابی ڈالنے کی ضرور کوشش کرے گا، اور اللہ عز و جل ہی اس کے شر سے میری حفاظت کر سکتا ہے، اپنے کو اس کے شر سے بچاؤ کیلئے عاجز سمجھ کر اللہ سے پناہ مانگے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ جب تو قرآن پڑھے تو (پہلے) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کر شیطان مردود سے۔ (۲)

﴿133﴾ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ”الحمد لله رب العالمين“ سے شروع کرتے ”کانوا يفتتحون الصلاة بالحمد لله رب العالمين“ (۳)

(۱) بخاری: باب ما يقول بعد التكبير، حدیث: ۱۱۷۱، مسلم: باب ما يقال بين تكبيرة الاحرام

(۲) النحل: ۹۸

والقراة، حدیث: ۵۹۸

(۳) بخاری: باب ما يقول بعد التكبير، حدیث: ۷۴۳، مسلم: باب حجة من قال لا يجهر

بالسمة، حدیث: ۳۹۹

﴿134﴾ مسلم کی روایت میں ان الفاظ کی زیادتی ہے ”یہ قرأت کے شروع میں اور نہ ہی قرأت کے اخیر میں بسم اللہ پڑھتے تھے۔“

﴿135﴾ وفی روایۃ عند النسائی ”فكانوا لا يجهرون بسم الله الرحمن الرحيم“ نسائی کی روایت میں ہے یہ حضرات نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔ (۱)

﴿136﴾ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد صاحب نے نماز میں ”بسم الله الرحمن الرحيم“ پڑھتے ہوئے سنا تو مجھ سے فرمایا: بیٹا! یہ بدعت ہے اور بدعت سے بچو، فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ ان کے نزدیک بدعت ایجاد کرنے سے زیادہ مغضوب کوئی چیز رہی ہو، اور فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (سب) کے ساتھ نماز پڑھی ہے؛ لیکن ان میں سے کسی کو بھی ”بسم اللہ“ کہتے ہوئے نہیں سنا؛ لہذا جب تم نماز پڑھو تو کہو: الحمد لله رب العلمین۔“ ”فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها اذا أنت صليت فقل الحمد لله رب العالمین“ (۲)

﴿137﴾ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔ (۳)

(۱) مسند احمد: حدیث: ۱۲۸۶۸، اس کی سند شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: نسائی اور دیگر لوگوں نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے: آثار السنن: باب التعوذ وقراءة بسم الله: ۱۵۵، صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے اور نسائی نے صحیح حدیث کی شرائط کے موافق یہ روایت نقل کی ہے: عون المعبود: باب من لمير الجهر بسم الله: ۳۲۵/۲، دار الكتب العلمية، بیروت

(۲) ترمذی: باب ترك الجهر بسم الله الرحمن الرحيم، حدیث: ۲۴۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، پھر فرماتے ہیں: اکثر اہل علم، اصحاب نبی: ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین کا اسی پر عمل رہا ہے، سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحاق وغیرہ بھی اسی کے قائل رہے ہیں کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ کہا جائے۔

(۳) اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی سعید بقال ہیں، یہ ثقہ اور مدلس ہیں، ایک دوسری روایت میں انہوں نے تحدیث کی صراحت کی ہے، اس طرح ان سے تدلیس کی تہمت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا ہے (اعلاء السنن: ۲۱۲/۲)

﴿138﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے، اور اسے دیہاتیوں کا عمل قرار دیتے تھے۔ (۱)

﴿139﴾ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: یہ لوگ (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم) نماز میں تعوذ اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے: ”کانوا یسرّون التعوذ والبسملة“ تابعین میں حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت امام وکیعؒ، سفیان ثوریؒ بھی اس کو ناپسند کرتے تھے۔ (۲)

نوٹ: بسم اللہ، کو جہر سے (بلند آواز) میں پڑھنے کے بارے میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ زیادہ تر ضعیف اور غیر مقبول ہیں، پھر بھی بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے والوں پر تکبر بھی مناسب نہیں ہے، خطیب بغدادی اور امام دارقطنی نے بسم اللہ کے جہر کے سلسلہ میں متعدد روایات جمع کی ہیں؛ لیکن حافظ زیلعی نے نصب الراية میں ان میں سے ایک ایک پر تبصرہ کر کے انھیں ضعیف یا موضوع ثابت کیا ہے، چنانچہ حافظ زیلعی نے (۳) اور علامہ ابن تیمیہ نے (۴) میں نقل کیا ہے کہ جب امام دارقطنی نے جہر بسم اللہ کی روایات جمع کیں اور ایک مستقل رسالہ اس بارے میں لکھا تو بعض مالکیہ ان کے پاس آئے اور ان سے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں صحیح حدیث بھی ہیں یا نہیں؟ تو امام دارقطنی نے جواب دیا: ”کل ما روى عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجہر فلیس بصحیح، وأما عن الصحابہ فمنہم صحیح و ضعیف“ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایت کو کسی بھی صحیح نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار تو کچھ صحیح ہیں، کچھ ضعیف۔

## قرأت

تعوذ و تسمیہ کے بعد فرض کی پہلی دو رکعتوں اور بقیہ نمازوں کی کل رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت یا کم از کم تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت پڑھے۔  
نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ سورہ فاتحہ کی ہر آیت کو ٹھہر ٹھہر کر اس تصور کے ساتھ پڑھے کہ

(۱) اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن و صحیح ہے (اثر السنن: باب التعوذ و قرأۃ بسم اللہ: ۱۵۵)

(۲) اس کو سعید بن منصورؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (اثر السنن: باب التعوذ و قرأۃ بسم اللہ: ۱۵۳)

(۳) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۷

(۴) نصب الراية: اقوال العلماء فی البسملة: ۲۶۵/۱

اللہ تعالیٰ میری قرأت سن رہے ہیں، اور حدیث ذیل کے مطابق اس کا جواب دے رہے ہیں، نبی کریم ﷺ نے اللہ کی طرف سے بیان کیا ہے۔

﴿140﴾ بندہ جب نماز میں کہتا ہے ”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”حَمِدْنِي عَبْدِي“ (میرے بندے نے میری حمد کی) پھر جب کہتا ہے: ”الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ“ (جو بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اَتْنِي عَلَيَّ عَبْدِي“ (میرے بندے نے میری صفت بیان کی) پھر جب کہتا ہے: ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ (جو یومِ جزاء کا مالک ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”مَجَدَّنِي عَبْدِي“ (میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی) پھر جب کہتا ہے: ”اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ“ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”هٰذَا بَيْنِي وَ بَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ“ میرے بندے نے اپنے لئے مجھ سے ہدایت مانگی اور میرے بندے کی یہ مانگ پوری کی جائے گی۔ (۱)

اس کے بعد جو سورت پڑھنی ہو پڑھے، اور خیال کرے کہ سورہ فاتحہ میں جو میں نے دعا کی ہے، اللہ کی طرف سے یہ اس کا جواب ہے، اور میرے لئے میری مطلوبہ ہدایت کا سامان ہے؛ چونکہ سارا قرآن ہدایت سے معمور ہے یا تو اللہ کی توحید ہے، یا اس کی تسبیح و تقدیس یا اس کی صفات عالیہ کا بیان، یا قیامت و آخرت کا ذکر، یا گزشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات یا عبادات اور معاملات و معاشرت کے اچھے اصولوں کی تلقین، اپنے آپ کو مثل شجر موسیٰ کے تصور کرے (جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی طویٰ میں حق تعالیٰ کا کلام سنا تھا) یعنی یہ تصور کر کے مجھے اللہ عز و جل کے حقیقی و ازیلی مقدس کلام کو زبان سے ادا کرنا اور دہرانا نصیب ہو رہا ہے۔

نوٹ: سورہ فاتحہ کو خاص کئے بغیر صرف قرأت کے فرض ہونے سے متعلق دلائل (نماز کے فرائض) کے تحت ملاحظہ ہوں۔

(۱) مسلم: باب وجوب القراءة، حدیث: ۳۹۵، ابوداؤد: باب من ترك القراءة في صلاته بفتاحۃ الكتاب، حدیث: ۸۲۱، امام مسلم نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے اور امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن درجہ کی قرار دیا ہے۔

اگر امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہوں تو ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائیں، خود قرأت نہ کریں؛ بلکہ امام کی قرأت خاموشی کے ساتھ دھیان لگا کر سنیں۔

”وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ“ (۱)

”جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے“

امام احمد بن حنبلؒ، امام التفسیر محمد بن حسن النقاشؒ، امام حصّاص رازیؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ ائمہ حدیث و تفسیر وفقہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز میں قرأت کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ”وقول الجمهور هو الصحيح؛ فإنّ الله سبحانه وتعالى قال: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ قال احمد: اجمع الناس على أنّها نزلت في الصلوة“ (۲) اور اس بارے میں جمہور کا قول ہی صحیح ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ”جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو؛ تاکہ تم پر رحم کیا جائے“ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ لوگوں یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اجماع کیا ہے اس پر کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

مزید یہ کہ اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا، استماع اور انصات۔ استماع (غور سے سننا) یہ جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہے؛ کیونکہ سننا اسی وقت ہوگا جب کہ کوئی شئی مسموع (سنی جانے والی چیز ہو) اور انصات (خاموشی) یہ جہری و سری دونوں کو عام ہے؛ کیونکہ انصات کے معنی خاموش رہنے کے ہیں، اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ مقتدی کو سری و جہری دونوں نمازوں میں خاموشی کا حکم ہے؛ البتہ جہری میں خاموشی کے ساتھ ساتھ کان لگا کر سننا بھی ہے۔

﴿141﴾ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا: اور ہمارے واسطے دینی طریقے کو بیان فرمایا، اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا، اور آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں فرمایا: جب نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو درست کرو، پھر تم میں سے ایک تمہاری امامت کرے ”فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا، وَإِذَا قَال: ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ فَقُولُوا: آمین“ وہ جب تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور وہ جب قرأت کرے تو



تم خاموش رہو، اور جب وہ ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ کہے تو امین کہو۔ (۱)

**وضاحت:** اس حدیث کے الفاظ واسلوب پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ روایت باجماعت نماز میں قرآن پڑھنے سے متعلق ہے، جو ارشاد نبوی کے مطابق صرف امام کی ذمہ داری ہے چونکہ آپ ﷺ فرما رہے ہیں: جب امام پڑھنے لگے تو خاموش ہو جاؤ؛ یہاں ایک طرف امام کو پڑھنے والا اور دوسرے مقتدی کو خاموش رہنے والا قرار دیا گیا ہے پھر آگے فرمایا: جب وہ ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ تک پہنچے تو تم آمین کہو (یہاں بھی امام اور مقتدی کی ذمہ داری الگ الگ ہے) اب ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اور ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ تک جو کچھ پڑھا گیا یہ سورۃ فاتحہ ہی تو ہے؛ گویا حدیث میں مقتدی کے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تصریح و تعین بھی موجود ہے۔ مزید برآں اس حدیث میں ”اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا“ (جب امام تکبیر کہے تو مقتدی تکبیر کہیں) یہ تکبیر بلند آواز سے نہیں آہستہ ہی پڑھیں گے، پھر آگے قرأت میں مقتدی کو صرف بلند آواز سے پڑھنا منع ہوتا تو یوں کہا جاتا ”اِذَا قَرَأَ فَاقْرَأْ“ (جب امام قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو) لیکن آپ ﷺ نے یہاں انصاف (خاموش رہنے) کا لفظ استعمال فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ قرأت جہراً (بلند آواز) اور سرّاً (آہستہ) دونوں طرح منع ہے۔

142 ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا قَرَأَ فَانصِتُوا“ امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے لہذا جب امام تکبیر کہے تو اس کے بعد تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ (۲)

143 ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ جہری نماز سے مسلم: باب التشهد فی الصلوة، حدیث: ۴۰۴، حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) نسائی: تاویل قول اللہ عزوجل: ”وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ“ حدیث: ۹۲۲، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس روایت کو ترمذی کے علاوہ پانچوں نے ذکر کیا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے (اشار السنن: ۱۷۵، باب فی ترک القراءة خلف الامام فی الجہریۃ)

فارغ ہو کر فرمایا کہ ”هَلْ قَرَأَ مَعِيَ أَحَدٌ مِنْكُمْ انْفًا“ کیا اس وقت تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ ایک صاحب بولے: جی ہاں میں نے یا رسول اللہ ﷺ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جی میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرأت میں ٹکراؤ کیوں ہو رہا ہے؟ اس کے بعد جہری نمازوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت ترک کر دی: ”أَقُولُ مَالِي أَنَا زَعْنَى الْقُرْآنَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ“ (۱)

﴿۱۴۴﴾ ابوالاحوص حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں: صحابہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خَلَطْتُمْ عَلَيَّ الْقِرَاءَةَ“ تم نے میری قرأت میں خلل ڈال دیا۔ (۲)

﴿۱۴۵﴾ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً“ جس نے امام کی اقتداء کی تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (یعنی مقتدیوں کو الگ سے قرأت کی ضرورت نہیں)۔ (۳)

﴿۱۴۶﴾ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ“ امام کی اقتداء میں کچھ بھی قرأت نہ کی جائے۔ (۴)

﴿۱۴۷﴾ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے نماز کی کوئی رکعت پڑھی اور اس میں

(۱) مؤطا مالک: باب ترك القراءة خلف الامام فيما جهر فيه، حدیث: ۲۸۶، مع تحقیق: محمد مصطفى الاعظمی، ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اسے ”حسن“ کہا ہے (ترمذی: باب ما جاء في ترك القراءة خلف الامام اذا جهر الامام، حدیث: ۳۱۲) حافظ مغطائی کہتے ہیں کہ ترمذی نے اسے ”حدیث حسن“ کہا ہے، اور بعض نسخوں میں ”صحیح“ کا لفظ بھی ہے۔ (اعلام المغلطائی قلمی: ۸۶/۴)

(۲) شرح معانی الآثار: باب القراءة خلف الامام، حدیث: ۱۱۹۱، مجمع الزوائد: باب القراءة في الصلاة، حدیث نمبر: ۲۶۴۰، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابویعلیٰ اور بزار نے روایت کیا ہے اور احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں، جوہر التقی میں ہے: اس کی سند جید ہے۔ (الجوہر النقی: ۱۲۲/۲)

(۳) مسند احمد: مسند جابر بن عبداللہ، ۱۳۶۸۴، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس روایت کو حافظ احمد بن منبج نے اپنی مسند میں اور محمد بن الحسن نے مؤطا میں اور طحاوی و دارقطنی نے ذکر کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۱۷۷، باب في القراءة خلف الامام في الصلوات كلها)، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: گرچہ جابر بیہقی کی وجہ سے یہ روایت مجروح ہے، لیکن اس کی دیگر سندیں ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں اور اس ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں۔ (نصب الراية: فصل في القراءة: ۱۰/۲)

(۴) مسلم: باب سجود التلاوة، حدیث: ۵۷۷

سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی، مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ ”من صلی رکعة لم یقرأ فیہا بآء القرآن فلم یصل إلا وراء الإمام“۔ (۱)

﴿148﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کی جائے تو فرماتے: ”إذا صلی أحدکم خلف الإمام فحسبہ قرأۃ الإمام، وإذا صلی وحده فلیقرأ“ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کیلئے امام کی قرأت کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو خود قرأت کرے۔ (۲)

﴿149﴾ خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ (۳)

﴿150﴾ عبید اللہ بن مقسم سے مروی ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ”لا یقرأ خلف الامام فی شیء من الصلوات“ (۴)

﴿151﴾ حضرت علقمہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ”لیت الذی یقرأ خلف الامام ملئ فاه بالتراب“ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش کہ اس کا منہ مٹی سے بھر دیا جاتا۔ (۵)

﴿152﴾ حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے فرماتے ہیں: سب سے پہلی بدعت امام کے پیچھے قرأت کی ایجاد ہوئی ”اول ما احدثوا القرأۃ خلف الامام“ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔ (۶)

(۱) ترمذی: باب ترك القراءة خلف الامام اذا جهر الامام، حدیث: ۳۱۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ (موطأ مالک: باب ما جاء فی ام القرآن، حدیث: ۲۷۶)

(۲) موطأ مالک: باب ترك القراءة خلف الامام فيما جهر فيه، حدیث: ۲۸۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے امام مالک نے ”موطأ“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۷۹، باب فی ترك القراءة)

(۳) مؤطأ مالک: باب ترك القراءة فيما جهر فيه، حدیث: ۲۸۳  
(۴) شرح معانی الآثار: کتاب الصلاة، باب القراءة خلف الامام، حدیث: ۱۲۱۱، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاوی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔

(۵) شرح معانی الآثار: کتاب الصلاة، باب القراءة خلف الامام، حدیث: ۱۲۰۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے (اثار السنن: ۱۸۱، باب القراءة خلف الامام)

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ: باب اول ما فعل ومن فعله، ۳۵۸۲۳، مطبوعہ: مکتبہ الرشید الریاض، علامہ ظفر احمد عثمانی <sup>ؒ</sup> ”اعلاء السنن“ میں فرماتے ہیں: اس روایت کی سندیوں سے، حدثنا الاحمر عن الاعمش عن ابراهيم۔

﴿153﴾ حضرت اسودؓ کہتے ہیں: میں یہ چاہتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں مٹی بھری جائے۔ (۱)

أن رسول الله ﷺ وأبابكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم كانوا ينهون عن القراءة خلف الامام "رسول الله ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضي الله عنهم یہ امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے"۔ (۲)

﴿154﴾ حضرت عبادہ بن صامت رضي الله عنه نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز جائز نہیں جو سورۃ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ نہ پڑھے: "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصا عدداً" سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو: "قال سفیان: لمن يُصَلِّي وحده" (۳) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "اس کی نماز جائز نہیں جو سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرأت نہ کرے" "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، قال احمد بن حنبل: "معنى قول النبي ﷺ: "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" إذا كان وحده" (۴)

### حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضي الله عنه کی وضاحت:

اگر حضرت عبادہ بن صامت رضي الله عنه کی اس روایت "لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" (۵) "جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی" کی وجہ سے کسی کو یہ

(۱) مصنف عبد الرزاق: باب القراءة خلف الإمام، حدیث: ۲۸۰۸، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے رجال جماعت کے رجال ہیں۔ (اعلاء السنن: ۱۰۱/۴)

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب القراءة خلف الإمام، حدیث: ۲۸۱۰، صاحب اعلاء السنن نے لکھا ہے کہ یہ مرسل صحیح ہے، اور موسیٰ بن عقبہ صاحب مغازی میں ہیں، اور ان سے عبد الرزاق کا لقاء ممکن ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۴/۴)

(۳) ابوداؤد: باب من ترك القراءة في صلوته، حدیث: ۸۲۲، ابوداؤد نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے، اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۴) ترمذی: ترك القراءة خلف الامام اذا جهر الامام، حدیث: ۳۱۲

(۵) مسلم: باب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حدیث: ۳۹۴

اصرار ہے کہ قرأت فاتحہ کا حکم امام و مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے عام ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو ان ہی کی مسلم کی روایت میں یہ جو اضافہ ہے ”لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً“ (۱) ”اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے فاتحہ اور اس پر مزید قرأت نہ کی ہو“ کے مطابق امام، مقتدی اور منفرد ہر ایک کیلئے فاتحہ کے ساتھ ضم سورہ بھی لازم کرنا چاہیے، جبکہ یہ حضرات مقتدی کیلئے فاتحہ کے علاوہ اگلی سورۃ کی اجازت نہیں دیتے؛ حالانکہ یہ دوسری حدیث بھی وہی ہے اور راوی بھی وہی ہیں اور الفاظ و اسلوب و انداز بھی وہی ہے، معلوم یہ ہوا کہ یہ حدیث اصل میں مقتدی کیلئے نہیں؛ بلکہ امام یا منفرد کیلئے ہے۔

مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کے حوالہ سے ایک دوسری روایت، بیہقی و ابوداؤد کے حوالے سے جو ذکر کی جاتی ہے کہ جس میں ایک تابعی ”نافع بن محمود بن ربیع“ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ روزانہ نماز میں شرکت کا ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک روز عبادہ فخر کی جماعت میں دیر سے آئے، اس وقت ابو نعیم امامت کر رہے تھے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے فاتحہ پڑھنے لگے، نماز سے فراغت کے بعد ان تابعی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابوالولید! کیا بات ہوگئی کہ آپ امام کے ساتھ پڑھ رہے تھے، یہ آپ نے جان بوجھ کر کر رہے تھے یا بھولے سے؟ تو انہوں نے فرمایا میں نے اس طرح عمداً کیا، پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوئی جہری نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوران قرأت کچھ چوک ہوگئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم لوگ میرے ساتھ پڑھتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا تفعلوا إلا بآم القرآن“ ایسا نہ کرو، سوائے سورہ فاتحہ کے؛ چونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ (۲)

اس حدیث سے امام کے پیچھے مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کے واجب ہونے کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو چند وجوہات سے درست نہیں:

(۱) اولاً اس عربی جملہ میں پہلے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ”قرأت خلف الامام“ سے مکمل طور پر روکا گیا، پھر اس سے سورہ فاتحہ کا استثناء کیا گیا، استثناء من انہی مفید اباحت

(۱) مسلم: باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حدیث نمبر: ۳۹۴

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب من قال: يقرأ خلف الأمام فيما يجهر، حدیث: ۲۷۴۴

ہوتی ہے (کسی ممنوعہ چیز سے اس کے بعض حصے کو مستثنیٰ کردہ چیز اصولیین کے مطابق مباح یعنی جائز ہوتی ہے) اس لئے اس سے مقتدی کیلئے صرف سورہ فاتحہ کا مباح ہونا ثابت ہوا۔ یہ بات اس طرح بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں ان تابعی نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بطور تعجب دریافت فرمایا کہ: آپ امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے یہ عمل عمداً کیا ہے یا سہواً؟ ان تابعی کے یہ دریافت کرنے سے یہ پتہ چلا کہ انہوں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان کے سوال کے جواب میں محض اپنے عمل کی دلیل پیش کی، ان تابعی کو اس نماز اور دیگر بغیر فاتحہ کے پڑھی گئی نمازوں کے لوٹانے کا حکم نہیں دیا؛ حالانکہ واجب کے ترک پر خاموشی اختیار کرنا ایک صحابی کے شایانِ شان نہیں، اس سے پتہ چلا کہ امام کے پیچھے قرأت محض مباح ہے۔

(۲) مزید نافع کے (جو کہ حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے معاصرین میں سے ہیں، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بکثرت روایتیں نقل کی ہیں) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر تعجب کے اظہار سے یہ پتہ چلا کہ انہوں نے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عمل نہیں دیکھا تھا؛ بلکہ عادت عام اس حوالے سے یہ تھی کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔

(۳) اور یہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مباح ہے، یہ امام کے سکتوں یعنی خاموشی کے درمیان (اگر سکتوں کی رعایت کے ساتھ قرأت ممکن ہو) ورنہ قرآنی آیت ”اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا“ کے تحت خاموش رہنا ہی بہتر ہوگا، اور اس کی وجہ سے امام کی قرأت میں خلل اور رکاوٹ بھی نہ ہوگی جو کہ مذکورہ بالا روایات کے تحت منع ہے۔

(۴) یا یہ حکم محض امام کی قرأت پر تدبر اور غور و فکر کی حد تک مقید ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ”اقرأ بھا فی نفسک“ (۱) کے الفاظ آتے ہیں (چونکہ اس حدیث کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ بیان کیا کہ بغیر فاتحہ کے نماز ناقص ہوتی ہے، تو ایک صاحب نے ان سے عرض کیا: کیا ہم امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھیں؟ انہوں نے فرمایا: اپنے دل میں پڑھو، وہ صاحب اتنا تو جانتے ہی تھے کہ امام کے پیچھے آہستہ ہی پڑھا جاتا ہے، زور سے نہیں، آپ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کے مطابق ہم امام کے پیچھے پڑھیں یا نہ

پڑھیں؟ اس کے جواب میں آپ نے کہا: ”زبان سے نہ پڑھو، نہ آہستہ، بلکہ جی جی میں پڑھو، چونکہ قرأت کے معنی سمجھنے کے بھی آتے ہیں۔“ (۱)

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کی کتاب نہیں پڑھوں گا، اگر یہ شخص کتاب میں نظر کرے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے سمجھ جائے تو وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائی گی۔

(۵) یا یہ کہ امام کے پیچھے قرأت کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا، پھر جب آیت ”إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ“ نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ سے منع کیا گیا۔

(۶) یا یہ عمل محض سکتات یا محض تدبر و تفکر کی حد تک محدود رہا۔

(۷) چونکہ یہ قرأت فاتحہ خلف الامام کا عمل تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہوتا تو احادیث میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے سوالیہ الفاظ ”اَنِّیْ اُرَاکُمْ تَقْرَءُوْنَ وِرَاءَ اِمَامِکُمْ“ (میں تمہیں اپنے امام کے پیچھے پڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں) ”لَعَلَّکُمْ تَقْرَءُوْنَ؟“ (شاید کہ تم پڑھ رہے ہو) ”هَلْ تَقْرَءُوْنَ؟“ (کیا تم امام کے پیچھے پڑھ رہے ہو) کا کیا مطلب؟۔

عقل و قیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جب آدمی کسی کو اپنا ترجمان اور نمائندہ بناتا ہے تو خود بولنے کے بجائے خاموش رہتا ہے اور اس کا ترجمان ہی گفتگو کرتا ہے، امام کی حیثیت جماعت کی طرف سے ترجمان اور نمائندہ کی ہے؛ اس لئے مقتدی خاموش ہی رہے۔

آمین آہستہ کہنا

جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے وقت ”وَلَا الضَّالِّینَ“ پر پہنچے تو امام اور مقتدی آہستہ سے ”آمین“ کہیں۔

﴿155﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام جب ”غیر المغضوب علیہم ولا الضَّالِّینَ“ کہے تو تم سب آمین کہو ”إِذَا قَالَ الْإِمَامُ: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، فَقُولُوا: آمِينَ“ کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے سے موافق ہو جائے گا، اس کے اگلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (۲)

**وضاحت:** اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام بلند آواز سے آمین نہیں کہتا؛ کیونکہ اگر وہ بلند آواز سے آمین کہتا تو نبی رحمت ﷺ مقتدیوں کے آمین کہنے کو امام کے ”ولا الضالین“ کہنے کے ساتھ نہ جوڑتے۔

﴿156﴾ نسائی کی روایت میں ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں مذکورہ بالا روایت سے مزید اضافہ ہے کہ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَقُولُ: آمِينَ، وَإِنَّ الْإِمَامَ يَقُولُ: آمِينَ، فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينَهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ کیونکہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہنا ہے، پس جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (۱)

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور امام بھی آمین کہتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے فرشتے اور امام آمین زور سے نہیں کہتے، کیونکہ اگر فرشتے اور امام آمین زور سے کہتے تو لوگ ان کی آواز خود ہی سن لیتے، حضور اکرم ﷺ کے یہ بتلانے کی ضرورت نہ ہوتی کہ فرشتے اور امام بھی آمین کہتے ہیں۔

جس روایت میں ”اِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمَّنُوا“ (۲) کے الفاظ ہیں، اس طرح سے ان دونوں روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے یہ بات فتح الباری میں کہی ہے، اس کے علاوہ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس حدیث کے ”باب“ کے ساتھ مناسبت ذکر کرتے ہوئے ابن منیر کے حوالے سے لکھا ہے ”بَأَنَّ التَّأْمِينَ دَعَاءُ“ (کہ آمین دعا ہے) پھر فرماتے ہیں: ”أَنَّ التَّأْمِينَ قَائِمٌ مَقَامَ التَّلْخِصِ بَعْدَ الْبَسْطِ فَالدَّاعِي فَضَّلَ الْمَقَاصِدَ وَالْمُؤَمِّنَ أَتَى بِكَلِمَةٍ تَشْمَلُ جَمِيعًا“ (اور آمین تفصیل کے بعد اختصار ہے، امام نے اپنے مقاصد و مطالب کو تفصیلاً ذکر کیا اور اس پر ”آمین“ کہنے والا صرف یہ کلمہ کہتا ہے جو ساری دعا کو شامل ہے (۳) خود امام بخاریؒ نے بھی حضرت عطاءؒ کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آمین دعا ہے (۴) اور دعا پسندیدہ

(۱) نسائی: باب جہر الامام بالتأمين، حديث نمبر: ۹۴۷، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، اس کو احمد، نسائی اور دارمی نے روایت کیا ہے: اثار السنن: ۱۸۵، باب تأمین الامام، امام بغوی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ (شرح السنة: باب فضل التأمين: ۶۱/۳، المكتب الاسلامی، دمشق)

(۲) بخاری: باب جہر الامام بالتأمين، حديث نمبر: ۷۴۷

(۳) فتح الباری: باب جہر الامام بالتأمين، ۳۳۵/۲، دار الفکر، بیروت

(۴) بخاری: باب جہر الامام بالتأمين



وہ ہے جس میں عاجزی اور انخفاء ہو ”أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ“ (۱) اللہ سے دعا کرو، گڑگڑا کر اور خفیہ (آہستہ) وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿157﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طریقہ نماز سکھاتے ہوئے فرمایا: ”لا تبادروا الإمام، إذا كبر فكبروا، وإذا قال: ولا الضالين، فقولوا: آمين، وإذا ركع فاركعوا، وإذا قال: سمع الله لمن حمده، فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد“ امام سے سبقت نہ کرو، امام جب تکبیر کہے تو اس کے بعد تکبیر کہو، اور جب امام ”ولا الضالين“ کہے تو تم آمین کہو، اور وہ جب رکوع میں جائے تو اس کے بعد رکوع میں جاؤ اور وہ جب ”سمع الله لمن حمده“ کہے تو تم سب ”ربنا لك الحمد“ کہو۔ (۲)

اس روایت میں ارشاد ہوا کہ امام کے ”ولا الضالين“ کہنے پر تم آمین کہو اور اسی روایت میں ہے کہ امام کے ”سمع الله لمن حمده“ کہنے پر ”اللهم ربنا لك الحمد“ کہو، ظاہر ہے کہ ”اللهم ربنا لك الحمد“ آہستہ آواز میں کہا جاتا ہے اور یعنہ اسی قسم کے الفاظ کہنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں؛ اس لئے دلالت حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین بھی آہستہ سے کہنا چاہیے۔

﴿158﴾ حضرت حسن نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو دو جگہوں پر سکتہ (خاموشی) کیا، ایک تو جب نماز شروع کیا (تو تعوذ و تسبیح کیلئے) اور جب ”ولا الضالين“ پڑھا تو تب بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آمین کہنے کیلئے تھوڑی دیر خاموش رہے ”إنه كان إذا صلى بهم سكت سكتين، إذا فتحت الصلاة، وإذا قال: ولا الضالين سكت أيضاً هنيئة“ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور یہ واقعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ بھیجا تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: صحیح وہی ہے جو سمرہ رضی اللہ عنہ نے کیا: ”أن الأمر كما صنع سمره“ (۳)

(۱) الاعراف: ۵۵ (۲) مسلم: باب النهی عن مباردة الامام، حدیث: ۴۱۵

(۳) ابوداؤد: باب السکتہ عند الافتتاح، باب موضع سکتات الامام لقراءة الماموم، حدیث: ۷۷۷۷ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے، ملا علی قاری ”مرقاۃ“ میں فرماتے ہیں: ابن حجر نے کہا ہے: اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (التعلیق الحسن: ۱۹۱) نیوی نے کہا ہے: اس کی سند صالح ہے۔

﴿159﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”آمین“ کہا اور اس میں آواز کو پست کیا: ”قال: آمین، واخفی بها صوته“ (۱)

﴿160﴾ کان عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ لا یجهران بسم اللہ الخ ولا بالتعوذ ولا بالآمین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین زور سے نہیں کہتے تھے۔ (۲)

﴿161﴾ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں آہستہ کہی جاتی ہیں: ”سبحانک اللہم وبحمدک، اعوذ باللہ، بسم اللہ، ربنا لک الحمد“ (۳)

نوٹ: اونچی آواز میں آمین کہنے سے متعلق تمام روایات ضعیف ہیں، پھر قطع نظر اس سے کہ یہ روایات ضعیف ہیں، ان روایات میں ایک آدھ دفعہ اونچی آواز میں آمین کہنے کا ذکر ہے، جسے قریب کے بعض لوگوں نے سنا تھا، جس پر زور سے کہنے کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اور اگر یہ مان بھی لیں تو یہ ایک آدھ دفعہ بھی نو مسلم واردین کو تعلیم دینے کیلئے ہوتا تھا، ورنہ تو اصل میں یہ کلمات آہستہ ادا کرنے کے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ (بطور تعلیم) کے ”ثناء“ کے کلمات بلند آواز میں پڑھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایک دفعہ تعوذ کو زور سے پڑھا، آمین کو تعلیم زور سے پڑھے جانے پر اس حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے جو شتر دولاہی نے ”کتاب الأسماء والکنی“ میں یحییٰ بن سلمہ کے واسطہ سے حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

(۱) سنن ترمذی: باب ما جاء فی التأمین، حدیث: ۲۳۸، مسند احمد: ۱۸۸۷۴، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد الطیالسی، دارقطنی، حاکم اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے اور اس کے متن میں اضطراب ہے۔ (اثار السنن: ۱۹۲، باب ترک الجهر بالتأمین)

(۲) شرح معانی الآثار: باب قرأۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم فی الصلاۃ، حدیث: ۱۱۰۸، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس روایت کے ایک راوی ابوسعدا البقال ہیں، یہ ثقہ اور مدلس ہیں: مجمع الزوائد: باب فی بسم اللہ الرحمن الرحیم، حدیث: ۲۶۲۶، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک ایسی حدیث کی تحسین کی ہے جو ابو سعید بقال سے مروی ہے، نیز امام ترمذی نے ”علل کبریٰ“ میں ان کے بارے میں امام بخاری کا قول نقل کیا ہے: ”هو مقارب الحدیث لهذا یہ امام بخاری کے نزدیک بھی ثقہ ہیں، لہذا ان کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔“

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کان لا یجهر ببسم اللہ، ۴۱۵۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۱۹۸، باب ترک الجهر بالتأمین)

﴿162﴾ کہ آپ ﷺ نے آمین زور سے کہی اور میں سمجھتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا لوگوں کی تعلیم کیلئے کیا: ”وما اراه الا لیعلمنا“ (۱)

## رکوع :

پھر جب قرأت ختم کر چکے تو شکر کے جذبہ سے بھر کر، دل کے ساتھ اللہ کی شانِ کبریائی کا دھیان کرتے ہوئے، اپنے آپ کو اس کی عبادت کی کما حقہ ادائیگی سے قاصر سمجھتے ہوئے ”اللہ اکبر“ کہتے ہوئے رکوع میں جائے اور سرِ نیاز اس کے سامنے جھکائے، اور اپنے ذلت اور حقارت اور حق تعالیٰ کی بے انتہا عظمت و جلالت کا تصور کر کے دل و زبان سے ”سبحن ربی العظیم“ (پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار) کہے۔

﴿163﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے اور پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے ”إذا قام إلی الصلوۃ یُکبّر حین یقوم، ثم یُکبّر حین یرکع“ (۲)

رکوع میں اپنے اوپر کے دھڑ کو اس حد تک جھکائیں کہ گردن اور پیٹھ تقریباً ایک سطح پر آجائیں۔

﴿164﴾ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نماز کو تکبیر سے اور قرأت کو ”الحمد لله رب العالمین“ سے شروع فرماتے تھے: ”وكان إذا رکع لم یشخص رأسه ولم یصوبه ولكن بین ذلك“ (۳)

﴿165﴾ ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول ہیں ”إذا رکع استوی فلو صب علی ظہره ماء لا یتقرّر“ جب رکوع کرتے تو پیٹھ کو اس طرح برابر

(۱) علامہ نیوی کہتے ہیں: حافظ ابوالبشر الدولابی نے اس روایت کو ”کتاب الاسماء والکنی“ میں ذکر کیا ہے، اس کے ایک راوی یحییٰ بن سلمہ ہیں، حاکم نے انھیں قوی کہا ہے اور ایک جماعت نے ان کی تضعیف کی ہے، صاحب ”اعلاء السنن“ کہتے ہیں: ان کو ابن حبان نے ”کتاب الضعفاء“ میں ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، اور اس کے بانی رجال ثقہ ہیں۔

(۲) بخاری: باب یموی بالتکبیر حین یسجد، حدیث: ۷۷۰

(۳) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلوۃ وما یفتح به، حدیث: ۴۹۸

کرتے کہ آپ ﷺ کی پیٹھ پر پانی گرایا جاتا تو وہ ٹہرا رہتا۔ (۱)

**رکوع میں انگلیاں کھلی رکھیں اور سجدہ میں ملا لیں**

﴿166﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع فرماتے تو

ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھتے اور جب سجدہ فرماتے تو انگلیاں ملا لیتے۔ (۲)

رکوع میں پاؤں سیدھے رکھیں، اس میں خم نہ ہو اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھیں کہ ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ ہوں اور بازو سیدھے تھے ہوئے پہلو سے دور رہیں۔

﴿167﴾ خادم رسول ﷺ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے نبی پاک ﷺ نے

فرمایا: ”یا بنیٰ! إذا رکعت فضع کفیک علی رکتیک، وفرج بین أصابعک، وارفع یدیک عن جنبیک“ (اے بیٹے! جب رکوع کرو تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھو، اور ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھو)۔ (۳)

﴿168﴾ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع کیا، تو ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں

پر اس طرح رکھا کہ گویا انھیں پکڑے ہوئے ہیں اور بازوؤں کو تان کر اپنے پہلوؤں سے دور رکھا ”فوضع علی رکتیہ كأنہ قابض علیہما ووتر یدیہ فנحاہما عن جنبیہ“ (۴)

رکوع میں کم از کم اتنی دیر رکھیں کہ طمینان سے تین مرتبہ ”سبحان ربی العظیم“ کہا جاسکے۔

﴿169﴾ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں ”سبحن ربی

(۱) المعجم الکبیر: حدیث: ۸۱/۲۷۷، احادیث عبد اللہ بن عباس، مجمع الزوائد: باب صفة الركوع، حدیث: ۳۸/۲۷، علامہ ڈبھی فرماتے ہیں: طبرانی نے اسے ”کبیر“ اور ”اوسط“ میں ذکر کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: حدیث: ۲۸۰۷، علامہ ڈبھی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

(۳) مسند ابی یعلیٰ: باب شریک عن انس، حدیث: ۳۲۲۳، مع تحقیق حسین سلیم اسد، اس روایت کے ایک راوی محمد بن الحسن ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(۴) ترمذی: باب ماجاء أنه یجافی یدیہ عن جنبیہ، حدیث نمبر: ۲۶۰، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

العظیم“ تین مرتبہ کہتے اور سجدہ میں ”سبحان ربی الأعلیٰ“ تین بار کہتے۔ (۱)

﴿170﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی نے جب رکوع کیا اور اپنے رکوع میں تین بار ”سبحن ربی العظیم“ پڑھا تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور تین بار کی تعداد کمال کا ادنیٰ درجہ ہے: ”فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا ركع أحدكم فقال: ”سبحان ربی العظیم“ ثلاث مرّات فقد تمّ ركوعه وذلك أدناه“ اور سجدے میں ”سبحن ربی الأعلیٰ“ تین بار پڑھا تو سجدہ اس کا مکمل ہو گیا اور یہ کمال کا ادنیٰ درجہ ہے۔ (۲)

﴿171﴾ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: جب ”سبح باسم ربك العظیم“ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اپنے رکوع میں شامل کرلو، پھر جب ”سبح اسم ربك الأعلیٰ“ نازل ہوئی تو فرمایا کہ: اس کو اپنے سجدے میں شامل کرلو۔ (۳)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ تین یا تین سے زائد طاق عدد میں تسبیح کہنا افضل ہے، تنہا نماز پڑھنے والا پانچ یا سات دفعہ کہہ سکتا ہے، امام تین سے پانچ دفعہ کہے، اسی طرح رکوع و سجدے کی جو طویل دعائیں احادیث میں منقول ہیں، ان کو نوافل میں پڑھنے کی گنجائش ہے، چنانچہ رکوع و سجود میں نفل نمازوں میں یہ دعائیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

﴿172﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع و سجود میں کہتے تھے: ”سُبُّوحٌ، قُدُّوسٌ، رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ“ (نہایت پاک اور مقدس ومنزہ ہے پروردگار ملائکہ کا اور روح (جبرئیل) کا)۔ (۴)

- (۱) مجمع الزوائد: باب ما يقول فی ركوعه وسجوده، حدیث نمبر: ۲۷۷۷، علامہ نیوی کہتے ہیں: اس کو ہزار طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (اثر السنن: ۲۲۳، باب ما يقال فی الركوع والسجود)
- (۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب ادنیٰ الکمال، حدیث: ۲۵۲۰، اس روایت کو ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی عون بن عبداللہ ہیں، ان کی ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہے، امام شافعی اس روایت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس کی اصل عقبہ بن عامر کی مندرجہ ذیل روایت ہے۔
- (۳) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل فی ركوعه وسجوده، حدیث: ۸۶۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔
- (۴) مسلم: باب ما يقال فی الركوع والسجود، حدیث: ۲۸۷

﴿173﴾ انھیں سے ایک دوسری روایت میں یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے: ”سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ (اے اللہ! ہمارے رب، ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما) آپ یہ کلمات کہہ کر قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ (۱)

پھر رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جائیں کہ جسم میں کوئی جھکاؤ اور ٹیڑھا پن باقی نہ رہے۔ ﴿174﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو خوب سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ نہیں کرتے: ”إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتَّىٰ يَسْتَوِيَ قَائِمًا“۔ (۲)

امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے اگر رکوع میں مل جائیں تو رکعت کو پانے والے شمار ہوں گے

﴿175﴾ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے امام کے پیٹھ اٹھانے سے پہلے رکوع پالیا، اس نے رکعت پائی: ”مَنْ أَدْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا قَبْلَ أَنْ يَقِيمَ الْإِمَامُ صُلْبَهُ“ (۳)

﴿176﴾ حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ وہ رکوع کی حالت میں نبی ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے صف میں شامل ہونے سے پہلے رکوع کیا، حضور اکرم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عز و جل تمہارے شوق میں اضافہ کرے، اس طرح نہیں کرنا: ”زَادَ اللَّهُ حَرًّا فَلَا تَعُدْ“ (۴)

(۱) بخاری: باب الدعاء فی الركوع، حدیث: ۷۱۱

(۲) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلوة، حدیث: ۴۹۸

(۳) صحیح ابن خزیمہ: باب ذکر وقت الذی یكون فیہ المأموم مدرکاً للركعة: ۱۵۹۵، مع تحقیق: محمد مصطفیٰ الاعظمی، ابن خزیمہ نے اس روایت سے یہ ثابت کیا ہے کہ رکوع کو پانے والا رکعت پانے والا ہوتا ہے اور انہوں نے باب قائم کیا ہے ”الوقت الذی یكون فیہ المأموم مدرکاً للركعة اذا رکع امامه“ (مراقاة) میں ہے ابن حجر مکی نے کہا ہے: ابن حبان نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن: ۳۴۱/۴) صاحب تحفۃ المحتاج نے کہا ہے کہ: ابن حبان نے اس حدیث کس سند کو اپنی کتاب میں صحیح قرار دیا ہے (تحفۃ المحتاج: ۴۷۲/۱، دار حراء، مکہ مکرمہ)

(۴) بخاری: باب اذا رکع دون الصف، حدیث نمبر: ۷۵۰

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس رکعت کو پالیا تھا، اگر اس رکعت کو وہ پانے والے شمار نہ ہوتے تو تو آپ ﷺ انہیں نماز کے لوٹانے کا حکم کرتے، طبرانی کی روایت میں ہے کہ: ان کی سانس پھول رہی تھی، تو آپ ﷺ نے نماز کے بعد پوچھا: یہ کس کی سانس پھول رہی تھی؟ انہوں نے کہا: مجھے یہ اندیشہ ہو رہا تھا کہ آپ ﷺ کے ساتھ یہ میری رکعت چھوٹ جائے گی ”خشیت ان يفوتني الركعة معك“ (۱)

اگر رکعت کے پانے سے رکوع کا پانا شمار نہ ہوتا تو یہ صحابی اس قدر جدوجہد کیوں کرتے؟ ﴿177﴾ زید بن وہبؒ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: میں اور ابن مسعودؓ مسجد میں آئے امام حالت رکوع میں تھے، ہم نے (پہلے ہی) رکوع کیا اور پھر چل کر صف میں شامل ہو گئے، امام کے (نماز) سے فارغ ہونے کے بعد میں قضا کرنے کیلئے کھڑا ہوا، تو ابن مسعودؓ نے فرمایا: تم نے رکعت پالیا: ”فلما فرغ الامام قمت أقضى، فقال: قد أدر كته“ (۲)

قومہ (یعنی رکوع سے کھڑے ہونا)

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت امام ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہے اور مقتدی ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہے اور منفرد (اکیلے نماز پڑھنے والا) ان دونوں کو کہے۔ ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ (اللہ نے حمد کرنے والے کی سن لی) یہ کلمہ ”سُبْحَنَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ“ (پاک ہے میرا عظمت والا پروردگار) کا گویا اللہ کی طرف سے جواب ہے، جو بندہ کی زبان میں کہلوا یا جا رہا ہے، مطلب یہ کہ اے بندے! تیری حمد کو تیرے رب نے سن لی، اللہ عزوجل کی طرف سے یہ قدر افزائی اور بندہ نوازی دیکھ کر بندہ کا انگ انگ جذبہ شکر و امتنان سے معمور ہو جاتا ہے، وہ دل و جان اور جسم و زبان سے یہ کہہ اٹھتا ہے: ”رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ (اے میرے پروردگار! ساری حمد و ثناء تیرے ہی لئے ہے)۔

﴿178﴾ حضرت رفاعہ بن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: ”سمع الله لمن حمده“

(۱) عون المعبود: باب الرجل يدرك الامام ۱۰۶/۳

(۲) مجمع الزوائد: باب فيمن ادرك الركوع: ۲۴۰۴، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: طبرانی نے اسے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

کسی شخص نے کہا: ”رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ“ آپ ﷺ نے جب نماز ختم فرمائی تو دریافت فرمایا: کسی نے یہ کلمات کہے تھے؟ اس نے عرض کیا: میں نے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”رَأَيْتُ بَضْعَةَ وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَتَدَرُونَهَا، أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ“ میں نے تیس سے زائد فرشتے دیکھے اُن میں کا ہر ایک کلمات کا ثواب پہلے لکھنے میں دوسرے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ (۱)

﴿179﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام جب ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ“ کہے تو تم لوگ (مقتدی) ”اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ“ کہو۔ (۲)

﴿180﴾ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے پشت مبارک اٹھاتے تو کہتے: ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ“ اللَّهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، مَلَا السَّمَوَاتِ وَمَلَا الْأَرْضِ، وَمَلَا مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَهُ“ (۳)

### رفع یدین (ہاتھ اٹھانا)

رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین بہتر نہیں ہے:

﴿181﴾ مشہور تابعی حضرت علقمہ کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”أَلَا أَصَلِّي بَكُم صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدِيهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ“ کیا میں تمہاری تعلیم کے واسطے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح نماز نہ پڑھوں (اس تنبیہ کے بعد) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھایا۔ (۴)

﴿182﴾ حضرت ابو جمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فرمایا:

(۱) بخاری: کتاب الأذان، حدیث: ۴۹۹

(۲) بخاری: باب ما يقول الامام ومن خلفه اذا رفع رأسه من الركوع، حدیث: ۷۶۶

(۳) مسلم: باب ما يقول اذا رفع رأسه من الركوع، حدیث: ۴۷۶، مع تحقیق: محمد

فؤاد عبد الباقي

(۴) ترمذی: باب ما جاء أن النبي لم يرفع إلا في أول مرة، حدیث: ۲۵۷، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس باب سے متعلق براء بن عازب کی بھی روایت ہے اور یہ حدیث حسن درجہ کی ہے، اکثر اہل علم: اصحاب نبی، تابعین کا بھی یہی کہنا ہے، اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی قول ہے (الجوہر النقی ۷۸/۲) میں ہے: اس کے رجال مسلم کے رجال ہیں، اس کی امام ترمذی اور ابن حزم نے بخاری میں تصحیح کی ہے۔



مجھے حضور ﷺ کی نماز تم سب میں زیادہ یاد ہے، ”اَنَا كُنْتُ أَحْفَظُكُمْ لَصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ“ پھر آپ نے حضور ﷺ کی نماز کی کیفیت ذکر فرمائی: اس میں آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر کیا۔ (۱)

اگر رفع یدین کا معمول ہوتا تو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ اس کا ذکر اس تعلیم کے موقع سے ضرور فرماتے، یا ان کے عدم ذکر پر صحابہ رضی اللہ عنہم تو کم از کم ضرور تکبیر فرماتے۔

﴿183﴾ حضرت علقمہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتاؤں؟ کہتے ہیں: وہ کھڑے ہو گئے، اور اپنے ہاتھوں کو نماز کے شروع میں اٹھایا، پھر دوبارہ نہیں اٹھایا ”فَقَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ ثُمَّ لَمْ يَعِدْ“ (۲)

﴿184﴾ تمیم بن طرفہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ شریفہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم نماز میں رفع یدین کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِي أَيْدِيكُمْ كَأَنَّهَُا أَذْنَابُ خَيْلٍ شَمْسٍ، اسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ“ مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں ہاتھوں کو اٹھاتے ہوئے دیکھ رہا ہوں؛ گویا وہ شریگھوڑے کی دم ہیں۔ (۳)

بعض لوگوں نے اس روایت کو حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت جس میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، پر محمول کرنے کی کوشش کی ہے؛ حالانکہ یہ دونوں روایتیں بالکل الگ ہیں، مذکورہ بالا روایت میں معروف ”رفع یدین“ مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس

(۱) بخاری: باب سنة الجلوس في التشهد، حدیث: ۷۹۴

(۲) نسائی: باب الرخصة في ترك ذلك، حدیث: ۱۰۵۹، نسائی نے اس روایت کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، امام ابن خزیمہ ظاہری نے ”المحلی“ میں اور ابن قحطان نے ”الوهم والأوهام“ میں اس کی تصحیح کی ہے جیسا کہ حافظ زلیعی نے ”نصب الراية: ۳۹۵/۱“ میں ابن دیق العید سے نقل کیا ہے اور علامہ عینی نے ”نخب الافکار: ۶۰۱/۲“ میں اور مشہور محقق علامہ احمد شاہ کرنے مسند کی تعلیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، (مسند احمد، بتعلیقات الشیخ احمد محمد شاہ: ۲۵۱/۵، شیخ البانی نے ”تخریج المشکوٰۃ: ۲۵۴/۱“ میں اس کو صحیح کہا ہے اور اسے مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے ”التعلیق الحسن“ میں ہے: اس کی سند صحیح ہے، صاحب ”اعلاء السنن: ۶۱/۳“ فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیحین کے رجال ہیں، سوائے سدید کے، یہ ثقہ ہیں، اور عاصم یہ مسلم کے رجال میں سے ہیں اور یہ بھی ثقہ ہیں۔

(۳) مسلم باب الأمر بالسكون في الصلوة: حدیث: ۴۳۰

روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ”اسکنوا فی الصلاة“ (نماز میں سکون اختیار کرو) فرمایا ہے اور نماز میں سکون والی بات اسی وقت ہوگی جبکہ نماز کے اندر ہونے والے کام سے متعلق یہ بات کہی جائے اور ظاہر ہے کہ نماز کے اندر تو رکوع یا سجدے کا رفع یدین ہوتا ہے اور سلام کے وقت ہاتھ اٹھانا تو نماز کے اخیر میں ہوتا ہے، اس کو ”نماز میں“ نہیں کہہ سکتے۔ (۱)

﴿185﴾ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آغاز نماز میں تکبیر کہتے تو ہاتھ اٹھاتے، پھر دوبارہ ہاتھ نہیں اٹھاتے: ”کان النبی ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع یدیه إلى قریب من أذنیہ ثم لا یعود“ (۲)

﴿186﴾ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے سالم بن عبد اللہ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے خبر دی کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے موڑھوں تک، اور جب رکوع میں جانے کا ارادہ فرماتے اور رکوع سے سر اٹھا لیتے تو پھر رفع یدین نہ کرتے اور نہ دونوں سجدوں کے درمیان کرتے ”رأیت رسول اللہ ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حذو منکبیه، وإذا أراد ان یرکع و بعد ما یرفع رأسه من الرکوع فلا یرفع ولا بین السجدتین“ (۳)

اس حدیث کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے، امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاذ ہیں، انہوں نے امام زہریؒ سے اور انہوں نے حضرت سالم بن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اسی سند سے امام بخاریؒ نے بھی رفع یدین کی حدیث ان ہی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور یہ سند (زہری عن سالم عن عبد اللہ) اعلیٰ درجہ کی

(۱) نصب الراية: أقوال العلماء فی البسملۃ: ۳۹۳/۱، مکتبۃ دار الحدیث، مصر

(۲) ابوداؤد: باب من یدکر الرفع عند الرکوع، حدیث: ۷۴۹، ابوداؤد نے اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: اس کو ہشیم، خالد اور ابن ادریس نے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے ”ثم لا یعود“ کے الفاظ نہیں ذکر کئے، علامہ عثمانیؒ ”اعلاء السنن مع ہوامشہ: ۸۶/۳“ میں فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجہ کی ہے، اور اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے؛ چونکہ اس روایت کے راوی ”شریک“، کو ابن شاپہن اور احمد بن صالح نے ثقہ قرار دیا ہے، گرچہ یہ مختلط الحدیث ہیں؛ لیکن اس کے شواہد موجود ہیں حکم بن عتیہ اور عیسیٰ بن ابی لیلیٰ عن عبد الرحمن نے شریک کے اس قول ”ثم لا یعود“ میں متابعت کی ہے اور یہ دونوں ثقہ ہیں، ان روایتوں کو ابوداؤد، طحاوی اور بیہقی نے کتب سے روایت کیا ہے۔

(۳) مسند حمیدی: ، اجادیت عبد اللہ بن عمر، حدیث: ۶۱۴، مع تحقیق: حبیب الرحمن الاعظمی

سند مانی جاتی ہے، (۱) اس اعلیٰ درجہ کی سند سے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت اور سجدوں کے اندر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

﴿187﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”صلّیت خلف النبی ﷺ، وابی بکر رضی اللہ عنہ، وعمر رضی اللہ عنہ، فلم یرفعوا أیدیہم الا عند افتتاح الصلاة“ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، یہ حضرات صرف آغاز نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔ (۲)

﴿188﴾ حضرت عباد بن زبیر رضی اللہ عنہ (مرسلاً) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو شروع میں رفع یدین فرماتے، اس کے بعد نماز کے کسی حصے میں رفع یدین نہ فرماتے؛ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جاتے: ”کان إذا افتتح الصلاة رفع یدیه فی اول الصلاة، ثم لم یرفعہما؛ حتی یرفع“ (۳)

﴿189﴾ عن الأسود قال: ”رأیت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود، وقال: عبد الملك: رأیت الشعبي وإبراهيم و أبا إسحاق لا یرفعون أیدیہم الا حين یفتتحون الصلاة“ اسود کہتے ہیں کہ میں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، راوی عبد الملك کا بیان ہے کہ میں نے امام شعیبی، امام ابراہیم نخعی اور محدث ابواسحاق کو دیکھا کہ یہ حضرات بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کرتے تھے۔ (۴)

(۱) معرفة علوم الحديث: ۹۹/۱

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب من لم يذكر الرفع الا عند الافتتاح، حدیث: ۳۶۵، علامہ مظفر احمد عثمانی نے ”اعلاء السنن“ میں ابن الترمذی کے حوالے سے اس حدیث کی سند کا ”جید“ ہونا نقل کیا ہے (اعلاء السنن: ۶۸/۳)۔

(۳) نصب الراية: ۲۰۴/۱، محدث کشمیری نے اسے مرسل جید کہا ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: من کان یرفع یدیه فی اول رکعة ثم لا یعود، ۲۲۵۶۹، طحاوی نے اسے صحیح کہا ہے، علامہ ترمذی نے اسے ”الجوهر النقی“ میں مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، حافظ ابن حجر نے ”درایہ“ میں اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے (التعلیق الحسن: ۲۰۹) علامہ نیوی فرماتے ہیں: صحیح اثر ہے۔ (اثر السنن: ۲۰۹، باب ترک رفع یدین فی غیر الافتتاح)

﴿190﴾ عن عاصم بن كليب عن أبيه: أنَّ عليًّا كان يرفع يديه في أوَّل مرّةٍ من الصلاة، ثمَّ لا يعود، كليب كايان ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر نہیں کرتے تھے۔ (۱)

﴿191﴾ عن أبي أسحاق قال: "كان أصحاب عبد الله وأصحاب علي لا يرفعون أيديهم إلا في افتتاح الصلاة، وقال وكيع: ثمَّ لا يعودون" ابواسحاق سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، پھر اس کے بعد نہیں کرتے تھے۔ (۲)

﴿192﴾ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں: "صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہ فَلَمْ يَرْفَعُوا أَيْدِيَهُم إِلَّا عِنْدَ إِفْتِتَاحِ الصَّلَاةِ" میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی، یہ حضرات صرف آغاز نماز ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔ (۳)

﴿193﴾ حضرت اسود کہتے ہیں: میں نے شعبي، ابراہیم اور اسحاق کو دیکھا کہ یہ لوگ صرف ابتدائے نماز میں ہی رفع یدین کرتے تھے: "لا يرفعون أيديهم إلا حين يفتتحون الصلاة" (۴)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يرفع يديه في أوَّل تكبيرة ثم لا يعود، ۲۳۵۷۷، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے "درایہ" میں اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے، علامہ زیلعی کہتے ہیں: صحیح اثر ہے، یعنی نے "عمدة القاری" میں کہا ہے: عاصم کی حدیث مسلم کے شرط پر صحیح ہے۔ (التعليق الحسن مع اثار السنن: ۲۱۱)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يرفع يديه ..... ۲۳۵۶۱، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، ترکمانی نے "الجوہر النقی" ۷۸/۲ میں کہا ہے: یہ بھی صحیح سند ہے۔

(۳) سنن بیہقی: باب من لم يذكر الرفع إلا عند الافتتاح، حدیث: ۹۳۶۵، الجوہر النقی: ۷۸/۲ میں ہے: اس کی بیہقی نے تخریج کی ہے اور اس کی سند "جید" ہے۔ اور محمد بن جعفر کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، فلاس نے ان کو صدوق کہا ہے، سوائے بخاری کے ان سے ایک جماعت نے روایات لی ہیں، اور یحیی القطان نے ان کو ثقہ کہا ہے، علامہ حجر فرماتے ہیں کہ: اس کی امام ترمذی نے تحسین کی ہے، ابن حزم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (التلخیص الحبير: باب صفة الصلاة: ۵۳۶/۱، دار الکتب العلمیہ)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يرفع يديه في اول تكبيرة ثم لا يعود، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (اعلاء السنن: ۶۳/۳)

﴿194﴾ حضرت ابو بکر عیاشؓ کہتے ہیں: میں نے کسی فقیہ کو کبھی اس طرح کرتے نہیں دیکھا ہے کہ وہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوں ”یرفع یدیه فی غیر التکبیرۃ الاولیٰ“ (۱)

﴿195﴾ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابراہیم سے کہا، حضرت وائلؓ کی حدیث کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ابتدائے نماز، رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو انہوں نے فرمایا: ”ان کان وائل راہ مرّۃً يفعل ذالک فقد راہ عبد اللہ خمسین مرّۃً لا يفعل ذالک“ اگر وائلؓ نے آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو عبد اللہ بن عمرؓ نے حضور اکرم ﷺ کو پچاسوں مرتبہ ایسے کرتے نہیں دیکھا ہے۔ (۲)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد فقہاء و محدثین کا اس حوالہ سے مختلف رہا ہے؛ لیکن خلفائے راشدین سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین ثابت نہیں ہے؛ اس لئے یہی قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

احادیث میں مختلف مواقع سے رفع یدین کا ذکر ہے، جس پر خود رفع یدین کرنے والوں کا عمل نہیں۔

۱- سجدے میں جاتے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت۔ (۳)

۲- دونوں سجدوں کے درمیان۔ (۴)

۳- دوسری رکعت کے شروع میں۔ (۵)

(۱) شرح معانی الآثار: باب التکبیر للركوع والتکبیر للسجود: ۱۲۶۴، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، ابن ابی داؤد یثقفہ ہیں، طحاوی اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۷۶۳)

(۲) شرح معانی الآثار: باب التکبیر للركوع والتکبیر للسجود، اثر: ۱۲۵۰، علامہ مظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ حسن درجہ کی روایت ہے اس کے تمام رجال ثقہ سوائے مؤمل بن اسماعیل کے، یہ مختلف فیہ ہیں ”تقریب“ میں ان کو ”صدوق، شعیبی الحفظ“ کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۶۳)

(۳) نسائی عن مالک ابن حویرث: باب رفع یدین للسجود، حدیث: ۱۰۸۶

(۴) ابوداؤد عن وائل بن حجر: صلاة عبد الله بن زبیر، حدیث: ۷۳۹

(۵) ابوداؤد عن ابو حمید الساعدی: باب من ذکر یرفع یدیه اذا قام من الثنّین، حدیث: ۷۳۰

- ۴- تیسری رکعت کے شروع میں۔ (۱)  
۵- اور نماز میں ہر جھکنے اور اٹھنے کے وقت۔ (۲)  
وہ خود ان مواقع سے رفع یدین کے نسخ (حکم کے منسوخ ہونے) کے قائل ہیں، یہی اس بات کا قرینہ ہے کہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کی صورتیں ابتدائے اسلام میں تھیں، جو بعد کو منسوخ ہو گئیں، جس پر حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے اور خود ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جو کہ رفع یدین کے راوی ہیں، ان کا عمل اس کے خلاف نقل کیا گیا ہے جو ہمارے اس نسخ کے دعوے کیلئے مؤید ہیں۔

﴿196﴾ حضرت مجاہد کہتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی، وہ سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرتے تھے: ”لم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوۃ“ (۳) بیہقی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، اور اس حدیث کے اخیر میں ہے فما زالنا تلک صلاتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ یہی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک رہی یہ روایت ضعیف ہی نہیں بلکہ گھڑی ہوئی ہے، اس کی سند میں عصمہ بن محمد الانصاری عبدالرحمن بن ریش متھم بالوضع ہیں، اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں، ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف ابتداء میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (۴)

ہمیں رفع یدین ثابت ہونے سے انکار نہیں ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اور ساری احادیث یہ اشارہ دے رہی ہیں کہ رفع یدین ابتداء میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ اسی طرح مسند حمیدی اور مسند ابوعوانہ کے حوالے سے جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی گئی ہے (۵) وہ بھی ہمارے نسخ کے دعوے کیلئے مؤید ہے، اس میں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد کا عمل ذکر کیا ہے۔

- (۱) ابن ماجہ: عن علی ابن ابی طالب، باب رفع الیدین اذا رکع، حدیث: ۸۶۳  
(۲) ابن ماجہ: عن ابن عباس، باب رفع الیدین اذا رکع واذا رفع رأسہ من الركوع، حدیث: ۸۶۵  
(۳) شرح معانی الآثار: باب التکبیر للركوع، ۱۲۵۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحادی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے ”المعرفة“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے ”۲ ثار السنن: ۲۱۳، باب ترک رفع الیدین فی غیر الافتتاح“  
(۴) شرح معانی الآثار: باب التکبیر للركوع هل مع ذلك رفع ام لا، مصنف ابن ابی شیبہ، من كان یرفع یدیه اول مرة ثم لا یعود.  
(۵) جو حدیث اسی کتاب میں حدیث نمبر: ۱۸۶ پر واقع ہے۔

## سجدہ

جب رکوع سے سر اٹھائے تو اللہ عزوجل کی بے انتہا عظمت و کبریائی اور اس کے شکر و عبادت کا حق ادا کرنے میں اپنی عاجزی و کوتاہی کا تصور کرتے ہوئے، دل و زبان سے ”اللہ اکبر“ کہتا ہوا سجدے میں جائے اور اپنی پیشانی (جو جسم کا سب سے اعلیٰ و اشرف جز ہے) اللہ کے حضور میں زمین پر رکھ کر اللہ کی بے پناہ عظمت و رفعت کے سامنے اپنی انتہائی ذلت و پستی کی عملی شہادت دے اور اپنی پیشانی کو خاک پر پڑے ہوئے رکھ کر دل و زبان سے یوں کہے: ”سبحن ربیّ الأعلیٰ“ پاک ہے میرا پروردگار جو بہت برتر اور بالاتر ہے۔

سجدے میں جاتے وقت سب سے پہلے گھٹنوں کو موڑ کر انھیں زمین کی طرف لے جائیں، جب گھٹنے زمین پر ٹک جائیں تو اس کے بعد سینے کو جھکائیں، گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے بعد ہاتھ، ناک اور پیشانی زمین پر رکھیں۔

﴿197﴾ عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال ”رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سجد یضع رکبتيه قبل یدیه، واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتيه“ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے زمین پر ہاتھوں کے رکھنے سے پہلے رکھتے۔ (۱)

اوپر حدیث میں ذکر کردہ طریقہ ہی افضل اور بہتر ہے، پہلے گھٹنے ٹیکے، پھر ہاتھ زمین پر رکھے، اور یہی مسلک جمہور علماء کا ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس کی صراحت فرمائی ہے: ”اکثر اهل العلم یرون ان یضع الرجل رکبتيه قبل یدیه“ (اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھے، اور جب اٹھے تو ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے اٹھائے)۔

(۱) ترمذی: باب وضع الرکبتین قبل الیدین فی السجود، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ”حسن اور غریب“ ہے اس کو شریک کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا ہے، پھر فرماتے ہیں: ہمام نے عاصم سے اس کو مرسل روایت کیا ہے، اور اس میں ”وائل“ کا ذکر نہیں ہے، علامہ نیوی نے آثار السنن میں کہا ہے: یہ حدیث کثرت طرق کی وجہ سے درجہ حسن سے کم نہیں۔ (التعلیق الحسن: ۲۲۸) حاکم نے اس روایت کو مسلم کی شرط صحیح کہا ہے اور ابن حبان نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (خلاصة البدر المنیر: باب کیفیة الصلاة: ۱۳۱/۱)

﴿198﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھوں کو اپنے کانوں کے برابر اٹھایا، پھر رکوع کیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا ہر جوڑ برابر ہو گیا، اور تکبیر کے ساتھ جھکے، آپ کے دونوں گٹھے آپ ﷺ کے دونوں ہاتھوں سے پہلے آگے بڑھے: ”حتی سبقت رکبتاہ یدیه“ (۱)

﴿199﴾ پھر حاکم نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح سند کے ساتھ ان الفاظ میں روایت کیا ہے: ”کان النبی إذا سجد یقع رکبتاہ قبل یدیه، وإذا رفع رفع یدیه قبل رکبتیه“ کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ فرماتے تو اپنے گٹھنوں کو اپنے ہاتھوں سے پہلے (زمین) پر رکھتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو گٹھنوں سے پہلے اٹھاتے۔ (۲)

﴿200﴾ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسار اپنے والد کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ جب سجدہ کرتے تو پہلے گٹھنوں کو رکھتے، پھر ہاتھوں کو، پھر چہرے کو اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو پہلے چہرے کو اٹھاتے، پھر ہاتھوں کو پھر گٹھنوں کو ”إذا سجد وضع رکبتہ، ثم وجہہ، فإذا أراد أن یقوم رفع وجہہ، ثم یدیه ثم رکبتہ“ (۳)

﴿201﴾ حضرت علقمہؓ اور اسودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز یاد ہے کہ وہ رکوع کے بعد سجدہ کیلئے جھکے، جس طرح اونٹ بیٹھتے وقت جھکتے ہیں ”خرّ بعد رکوعہ علی رکبتیه کما یخرّ البعیر“ اور اپنے گٹھنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھا، ”ووضع رکبتیه قبل یدیه“ (۴)

(۱) مستدرک حاکم: باب التأمین، حدیث: ۸۲۲، حاکم فرماتے ہیں: اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے اور اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے، علامہ ذہبی نے بھی ”تلیخیص“ میں یہی بات کہی ہے۔

(۲) مستدرک حاکم: باب التأمین، حدیث: ۸۲۲، پھر فرماتے ہیں: مسلم نے ”شریک اور عاصم بن کلیب سے استدلال کیا ہے، اور اسے ذہبی نے مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔

(۳) مصنف عبدالرزاق: باب کیف یقع ساجدا، ۲۹۵۸، عبدالرزاق کہتے ہیں: ”وما احسنه من حدیث وأعجب به،، کیا ہی بہتر حدیث ہے

(۴) شرح معانی الآثار: باب ما یدأ بوضعه فی السجود البیدین أو الرکبتین، ۱۴۱۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۲۲۸، باب وضع البیدین قبل الرکبتین)



جن روایات میں گھٹنے پہلے رکھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے ”ولکن یضع یدیه قبل رکبتیه“ وہ حالت عذر پر محمول ہے، ورنہ تو اصل سنت یہی ہے کہ اولاً زمین پر گھٹنے رکھے جائیں، پھر ہاتھ اور پیشانی وغیرہ۔ (۱)

سجدے میں دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ، دونوں پیر کی انگلیاں اور پیشانی مع ناک زمین پر ٹیک دیں۔

﴿202﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی مع ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں پیر کی انگلیوں پر: ”أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، على الجبهة، وأشار بيده الى أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين“ اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ میٹیں۔ (۲)

سجدے میں پیشانی دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھیں:

﴿203﴾ ”عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ مرفوعاً: فلما سجد سجد بين كفيه“ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا (یعنی پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھا)۔ (۳)

بحالت سجدہ ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر قبلہ رخ رکھیں، اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ کی جانب موڑے رکھیں۔

﴿204﴾ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلائے اور بند کئے بغیر زمین پر رکھا: ”إذا سجد وضع يديه غير مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف أصابع رجليه القبلة“ یعنی مٹھی کھلی ہوئی رکھا، اور انگلیوں کے درمیان کشادگی کے بجائے انہیں آپس میں ملا کر زمین پر رکھا

(۱) ابوداؤد: باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حدیث: ۸۴۰

(۲) بخاری: باب السجود على الأنف، حدیث: ۷۷۹

(۳) مسلم: باب وضع يدي اليمنى على اليسر بعد تكبيرة الاحرام، حدیث: ۴۰۱

اور پیر کی انگلیوں کو بھی قبلہ رخ رکھا۔ (۱)

کہنیوں کو زمین پر نہ بچھائیں، بلکہ زمین سے اٹھی رکھیں:

﴿205﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سجدہ میں درست رہو، اور تمہارا کوئی اپنے بازو کو زمین پر نہ بچھائے، جس طرح سے کتا زمین پر بازوؤں کو بچھاتا ہے:

”اعتدلوا فی السجود، ولا یسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب“ (۲)

سجدے میں دونوں بازوؤں کو پہلوؤں سے دور رکھیں، (البتہ اس قدر نہ پھیلائیں کہ جس سے برابر کے نمازیوں کو تکلیف ہو) نیز پیٹ اور رانوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

﴿206﴾ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ ”لا تبسط ذراعیك، وادّعم علی راحتیک، وتجاو عن ضبعیک، فانک اذا فعلت ذلك سجد کل عضو معک منك“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (سجدہ میں) بازوؤں کو زمین پر نہ بچھاؤ اور ہتھیلیوں کو زمین پر جمادو اور بازوؤں کو دونوں پہلو سے دور رکھو، جب تم اس طرح سجدہ کرو گے تو تمہارے سب اعضاء تمہارے ساتھ سجدہ کریں گے۔ (۳)

سجدہ کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گزاریں کہ تین مرتبہ ”سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی اٹھالینا مناسب نہیں۔

﴿207﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جب کوئی سجدہ کرتا ہے اور سجدہ میں تین بار ”سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ کہہ لیتا ہے تو اس کا سجدہ پورا ہو جاتا ہے، اور یہ تعداد کمال کی ادنیٰ ہے: ”إذا سجد أحدکم فقال فی سجودہ: ”سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ ثلاث مراتٍ فقد تمّ سجودہ، وذلك أدناه“ (۴)

(۱) بخاری: باب سنة الجلوس فی التشهد، حدیث: ۷۹۴

(۲) بخاری: باب لا یفتش ذراعیہ فی السجود، حدیث: ۸۲۴

(۳) مستدرک حاکم: باب التمامین، حدیث: ۸۲۷، صحیح ابن حبان: حدیث: ۱۹۱۴، علامہ ذہبی نے اسے ”تخصیص“ میں صحیح قرار دیا ہے، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب السجود: حدیث نمبر: ۲۷۷۷)

(۴) ترمذی: باب التسبیح فی الركوع والسجود، حدیث: ۲۶۱۱، اس روایت کی سند کی تحقیق گذر چکی ہے

سجدے میں نفل اور انفرادی نمازوں میں دیگر طویل تسبیحات بھی پڑھی جاسکتی ہیں:

﴿208﴾ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے حضور اکرم ﷺ کو تہجد میں بحالت سجدہ یوں پڑھتے ہوئے سنا: ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخِطِكَ، وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ“ (۱) اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری ہی معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، میں تیری ثناء و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا، (بس یہ کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہی ہے، جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔

﴿209﴾ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةَ وَجَلِّهِ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ“ اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی اور بڑے بھی اور پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے بھی اور ڈھکے ہوئے بھی۔ (۲)

سجدے میں عجلت اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے:

﴿210﴾ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ”نهاني رسول الله ﷺ عن ثلاثٍ عن نقرة كنقرة الديك واقعاء كاقعاء الكلب، والتفاتٍ كالتفات الثعلب“ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں سے منع فرمایا: سجدے میں مرغ کی طرح چونچ مارنے، اور کتے کی بیٹھک بیٹھنے سے (کہ سرین کو زمین پر ٹیک کر دونوں پیروں کو کھڑا کر دیں اور ہاتھوں سے زمین پر ٹیک لگائیں) اور لومڑی کی طرح ادھر ادھر دیکھنے سے۔ (۳)

(۱) مسلم: باب ما يقال في الركوع والسجود، حدیث: ۸۶۱

(۱) مسلم: باب ما يقال في الركوع والسجود، حدیث: ۸۶۳

(۲) مسند احمد: حدیث: مسند ابی ہریرہ، حدیث: ۸۰۹۱، مجمع الزوائد: باب ما ينهى عنه في الصلاة من الضحك، حدیث نمبر: ۲۳۲۵، علامہ بیہقی اور منذری فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابویعلیٰ اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور احمد کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (مجمع الزوائد: باب ما ينهى عنه في الصلاة من الضحك والاتفات وغير ذلك، حدیث: ۲۳۲۵، الترغیب: کتاب الصلاة، حدیث: ۷۸۸)

جلسہ (یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا)

پھر جب سجدے سے اُٹھے تو اپنے سجدے اور اپنی عبادت کو اس دربارِ عالی کی شان کے لحاظ سے نہایت ناقص اور ناقابل قبول سمجھتے ہوئے ندامت و اعتراف قصور کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہہ کر سجدے سے سر اٹھائے اور سیدھا بیٹھے، بیٹھنے میں بایاں پیر بچھائے اور اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا رکھیں کہ اس کی انگلیاں قبلہ رخ ہو جائیں۔

﴿211﴾ ابو حمید الساعدی آنحضرت ﷺ کی نماز کو (مرسلاً) بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ سجدے کیلئے زمین کی طرف جھکتے، اور سجدے میں ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے، پھر سجدہ سے سر کو اٹھاتے تو اپنے بائیں پیر کو بچھاتے اور اس پر بیٹھتے: ”ثم يرفع رأسه ويشني رجله اليسرى ويقعد عليه“ اور سجدے کی حالت میں پیر کی انگلیوں کو (بجانب قبلہ) موڑے رکھا، پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کیا۔ (۱)

جب سجدہ سے سر اٹھائیں تو اطمینان سے زمین پر بیٹھیں، پنجوں کے بل نہ بیٹھیں:

﴿212﴾ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرمایا کرتے تھے: جب ہم نماز کی حالت میں سجدہ سے سر اٹھائیں تو اطمینان سے زمین پر بیٹھیں: ”ولا نستوفزوا على اطراف الأقدام“ پنجوں کے بل نہ بیٹھیں۔ (۲)

﴿213﴾ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ (دونوں سجدوں کے درمیان) اپنے بائیں پیر کو بچھاتے اور دائیں پیر کو کھڑا کرتے اور شیطان کی میٹھک سے منع فرماتے: ”ونهي عن عقبه الشيطان“ (۳)

﴿214﴾ حضرت مغیرہ بن حکیمؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ دونوں سجدوں میں اپنے پیروں کے بل لوٹ رہیں، (یعنی دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء فرما رہے

(۱) ترمذی: باب افتتاح الصلاة، حدیث: ۳۰۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(ابوداؤد: باب افتتاح الصلاة، حدیث: ۵۳۰)

(۲) مجمع الزوائد: حدیث: ۲۸۱۰، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس روایت کو طبرانی نے ”کبیر“ میں مکمل روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے، ازدی اور ابن حزم نے اس کے بعض کے رجال کے بارے میں غیر معیوب کلام کیا ہے۔

(۳) مسلم: باب ما یجمع صفة الصلاة وما یفتتح به، حدیث نمبر: ۲۹۸

ہیں) میں نے ان سے اس بارے میں رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ سنت نہیں ہے: ”اَنَّهُـ لیسْت بَسَنَّة“ میں یہ اس واسطے کر رہا ہوں کہ مجھے کچھ تکلیف ہے۔ (۱)

جلسہ میں کم از کم اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں ”رَبِّ اغفر لی، رَبِّ اغفر لی“ کہہ سکیں: ﴿215﴾ عیسٰی کے ایک آدمی سے روایت ہے وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یعنی جلسہ میں ”رَبِّ اغفر لی، رَبِّ اغفر لی“ کہتے تھے۔ (۲)

## دوسرا سجدہ

پھر اس تصور کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہہ کر دوسرے سجدہ میں جائیں، اللہ تعالیٰ کی ذات نہایت ہی عظیم اور رفیع ہے اور خود کو نہایت حقیر اور ذلیل تصور کرے، پھر دل و زبان سے بار بار یوں کہے ”سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، سُبْحَنَ رَبِّيَ الْأَعْلَى“ ..... پھر یہ کہتے ہوئے کہ اللہ کی شان ہمارے ان سجدوں اور عبادات سے بہت بالاتر ہے ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔

## جلسہ استراحت (یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھنا)

دوسری رکعت کیلئے جب کھڑے ہوں تو سیدھے پنجوں کے بل کھڑے ہو جائیں، جلسہ استراحت (یعنی سجدہ کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے) کی ضرورت نہیں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

﴿216﴾ ”عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ (فی حدیث مسیة الصلاة مرفوعاً) ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً، ثم ارفع حتى تستوی وتطمئن جالساً، ثم

(۱) مؤطا مالک: العمل فی الجلوس فی الصلاة، ۲۹۶، علامہ نبوی فرماتے ہیں: اس کو مؤطا مالک میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔ (انار السنن: ۲۳۳، باب افتراش الرجل اليسرى.....)

(۲) ابوداؤد: باب ما يقول الرجل فی ركوعه وسجوده، حدیث: ۸۷۴، ایسے ہی اس روایت کو نسائی نے روایت کیا ہے، اس روایت میں ایک غیر معلوم شخص ہیں، لیکن ”تقریب“ میں کہا ہے کہ: شاید یہ ”صلہ بن زفر“ ہیں، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یعنی یہ روایت ”ابن مساجہ: باب ما يقول بین السجدين، حدیث: ۸۹۷“ میں ”صلہ بن زفر“ کی صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس طرح اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: ۳/۲۵)

اسجد حتیٰ تطمئن ساجدًا، ثم ارفع حتیٰ تستوی قائمًا“ (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (حدیث مسی الصلوة) میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ، اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر دوسرا سجدہ اطمینان کے ساتھ کرو، پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔

﴿217﴾ عباس یا عیاش بن سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے، جس میں ان کے والد ”جو صحابی ہیں“ بھی تھے، نیز مجلس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو جمید ساعدی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ بھی تھے، تو عباس یا عیاش رضی اللہ عنہ کے والد نے سہل ساعدی رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی، جس میں یہ ہے کہ ”ثم کبر فسجد ثم فقام ولم يتورك“ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی، اور سجدہ کیا، پھر تکبیر کہی اور کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا، یعنی کھڑے ہونے سے پہلے نہیں بیٹھے۔ (۲)

﴿218﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے ”كان النبي ينهض في الصلوة على صدور قدميه“ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی پر عمل ہے، اور وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ آدمی (نماز میں دوسری، تیسری رکعت کیلئے) پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑے ہو۔ (۳)

- (۱) بخاری: باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حدیث: ۵۷۷
- (۱) ابوداؤد: باب افتتاح الصلوة، حدیث: ۷۳۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ اثار السنن: ۲۳۵، باب فی ترك الجلسة الاستراحة، محقق شعیب الارنوط نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح ابن حبان: باب صفة الصلاة، حدیث: ۱۸۶۶)
- (۲) ترمذی: باب مما جاء كيف النهوض من السجود، حدیث: ۲۸۸، اس روایت کے ایک راوی ”خالد بن ایاس“ کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: لیکن ابن عدی نے کہا ہے: ان کی تمام روایتیں ”غرائب“ سے تعلق رکھتی ہیں، یہ روایتیں اپنے ضعف کے باوجود نقل کئے جانے کے قابل ہیں ”تہذیب التہذیب“ لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ اس حدیث کے صحیح شواہد موجود ہیں، حافظ ابن حجر نے ”فتح“ میں ابن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ اسی کے مثل روایت نقل کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۵۱/۱) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: ترمذی نے کہا ہے کہ: ان کے ضعف کے باوجود ان کی روایتیں لکھنے کے قابل ہوتی ہیں، صحابہ کا اس حوالے سے جو عمل ہے وہ اس کو تقویت دیتا ہے۔ (عمدة القاری: باب أهل العلم والفضل أحق:

﴿219﴾ ایک روایت میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا جو طریقہ نماز نقل کیا گیا ہے اور انہوں نے جو نماز کی عملی تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ تیسری رکعت میں بیٹھا کرتے تھے، اس روایت کے نقل کرنے کے بعد حضرت ایوب سختیائیؒ اپنے شیخ ابو یزید عمرو بن سلمہ کے عمل کو بھی انہیں کے مشابہ قرار دے کر فرماتے ہیں: ”کان یفعل شیئاً لم أرہم یفعلونہ، کان یقعد فی الثالثة او الرابعة“ وہ نماز میں ایسا کام کرتے تھے جو میں نے اور لوگوں کو کرتے نہیں دیکھا، وہ یہ کہ وہ تیسری رکعت کے بعد یا چوتھی رکعت کے شروع میں بیٹھتے تھے۔ (۱)

نوٹ: جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدے سے سر کو اٹھا کر بیٹھتے اور پھر کھڑے ہوتے، یہ روایات مجبوری اور عذر کے حالات کو بیان کرتی ہیں، معذور بوڑھے اشخاص کیلئے یہ اجازت ہے کہ وہ بیٹھیں اور پھر پڑھیں۔

﴿220﴾ حضرت امام شعمیؒ نے کہا کہ ”إِنَّ عُمَرَ وَعَلِيًّا وَأَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانُوا يَنْهَضُونَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ أَقْدَامِهِمْ“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ نماز میں اپنے قدموں کے بل کھڑے ہو جاتے تھے۔ (۲)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۴) حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۵) اور ابن عمر رضی اللہ عنہ (۶) بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔

﴿221﴾ حضرت نعمان بن عیاشؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”أَدْرَكْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَالثَّالِثَةِ قَامَ كَمَا هُوَ وَلَمْ يَجْلِسْ“ میں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا کہ وہ

(۱) بخاری: باب المکث بین السجدین، حدیث: ۸۱۸

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کان ینھض علی صدور قدمیہ، ۴۰۰۲

(۳) مسند احمد: علامہ نیویؒ فرماتے ہیں: اس کو احمد اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (آثار السنن: ۲۳۶)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث: ۳۹۹۹، اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں اور بیہقی نے ”سنن کبریٰ میں اور بیہقی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (آثار السنن: ۲۳۶)

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۴۰۰۵، اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۲۳۷)

(۶) حوالہ سابق

جب اپنا سر پہلی یا تیسری رکعت کے سجدے سے اٹھاتے تو اسی حال میں کھڑے ہو جاتے تھے اور بیٹھتے نہیں تھے۔ (۱)

﴿222﴾ امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخ مائل نہیں ہوتے تھے، یعنی جب کوئی ان میں سے پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتا تو ویسے ہی سیدھا کھڑا ہو جاتا، بیٹھتا نہ تھا: ”اذا رفع احدہم رأسہ من السجدة الثانية فی الركعة الأولى والثالثة ينهض كما هو ولم يجلس“ (۲)

﴿223﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو مکروہ سمجھتے تھے، الا یہ کہ آدمی بہت بوڑھا ہو یا بیمار ہو ”انہ کان یکرہ ذلك الا ان یکون شيخاً كبيراً أو مريضاً“ (۳)

﴿224﴾ حضرت ابن ابی لیلیٰ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔ (۴)

سجدے سے اٹھتے وقت زمین سے پہلے سر اٹھائیں پھر ہاتھ، پھر گھٹنے، اور بغیر کسی عذر کے ہاتھوں کو زمین پر نہ ٹکیں۔

﴿225﴾ حضرت وائل بن حجرؒ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب سجدے میں جاتے تو ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھتے تھے: ”اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه“ اور جب سجدے سے اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین سے اٹھاتے تھے: ”و اذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه“ (۵)

﴿226﴾ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: ”نہی رسول اللہ ﷺ ان يعتمد الرجل

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يقول اذا رفعت رأسه من السجدة الثانية فی الركعة الأولى (لم يجلس)، علامہ نیوی نے اسے حسن کہا ہے: اثار السنن: ۲۳۶

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كان يقول اذا رفعت رأسك من السجدة الثانية فی الركعة الأولى فلا يجلس، ۴۰۰۹

(۳) مصنف بن ابی شیبہ: فی الرجل يعتمد علی يديه فی الصلوة، ۴۰۰۹

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۴۰۰۳

(۵) ابوداؤد: باب كيف يضع ركبتيه قبل يديه، حدیث: ۸۳۷، ترمذی: باب وضع الركبتين قبل اليدين فی السجود، حدیث: ۲۶۲، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور غریب ہے، اس روایت کی مزید بحث گذر چکی ہے۔



علی یدیہ اذا نهض فی الصلوة“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ نماز میں اٹھتے وقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیک دے۔ (۱)

﴿227﴾ روایۃ عن ابی جحیفۃ: ”الّا أن یکون شیخاً کبیراً لا یتستطیع“ مگر جب کہ نہایت بوڑھا ہو کہ بغیر ٹیک لگائے اٹھنے کی طاقت نہ ہو۔ (۲)

﴿228﴾ حضرت ابراہیم خنسی سے مروی ہے کہ وہ نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر اٹھنے کو کمزور سمجھتے تھے الّا یہ کہ آدمی بوڑھا ہو: ”انّہ کان یکرہ ذلک الّا ان یکون شیخاً او مریضاً“ (۳)

## دوسری رکعت

جب دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو تو جن تصورات کے ساتھ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت پڑھی تھی، اور جس طرح رکوع وسجدہ کیا تھا، کرے۔

دوسری رکعت میں ”ثناء“ اور ”اعوذ باللہ“ نہ پڑھیں؛ بلکہ آہستہ سے ”بسم اللہ“ پڑھ کر قرأت شروع کر دیں اور باقی احکام میں دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح ہے۔

﴿229﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت میں اٹھتے تو ”الحمد للہ رب العلمین“ سے قرأت شروع فرماتے (ثناء وغیرہ) کیلئے خاموش نہ رہتے: ”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نهض فی الرکعة الثانیۃ استفتح القرأۃ بالحمد رب العلمین ولم یسکت“ (۴)

## قعدہ اولیٰ

قعدہ کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں، دایاں پیر اس طرح کھڑا

(۱) ابوداؤد: باب کراہیۃ الاعتماد علی الیدین فی الصلوة، حدیث: ۹۹۴، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے محمد بن عبد الملک کے شیخین نے ان سے روایت نہیں لی ہے، اور یثقفہ ہیں۔ (اعلاء السنن: ۵۳/۳)، دکتور مصطفیٰ اعظمی کہتے ہیں کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ (صحیح ابن خزیمة، باب الزجر عن الاعتماد علی الارض، حدیث: ۶۹۲)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: فی الرجل یعتمد علی یدیہ فی الصلوة، حدیث: ۲۰۲۰

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: فی الرجل یعتمد علی یدیہ فی الصلوة، ۲۰۱۵

(۴) مسلم: باب ما ینقل بین تکبیرۃ الاحرام والقرأۃ، حدیث: ۵۹۹

کردیں کہ اس کی انگلیاں مڑ کر قبلہ رخ ہو جائیں اور بحالتِ عذر جس طرح قدرت ہو اس طرح بیٹھیں، دونوں قعدہ میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے۔

﴿230﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بائیں پاؤں کو بچھاتے تھے اور داہنے پیر کو کھڑا رکھتے تھے اور شیطان کی بیٹھک سے منع فرماتے تھے اور اس بات سے منع فرماتے تھے کہ آدمی اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھا دے جس طرح درندے جانور بچھاتے ہیں: ”وكان يفتersh رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى، وكان ينهى عن عقبة الشيطان، وينهى ان يفتersh الرجل ذراعيه افتراش السبع“ (۱)

﴿231﴾ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ: میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا، تو جب آپ ﷺ التحیات کیلئے بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور داہنے پاؤں کو کھڑا کیا: ”فلما جلس للتشهد افتersh رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى“۔ (۲)

﴿232﴾ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ”من سنة الصلوة أن تُنصب القدم اليمنى واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى، فقلتُ له: إنك تفعل ذلك، فقال: إن رجلا لا تحملاني“ داہنے قدم کو کھڑا رکھ کر اس کی انگلیوں کو قبلہ رو رکھنا، اور بائیں قدم پر بیٹھنا نماز کی سنت ہے، میں نے کہا: آپ تو اس طرح کرتے ہیں (چوڑی مارتے ہیں) آپ نے فرمایا: میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھاتے۔ (۳)

ابن عمرؓ اور ابو حمید ساعدیؓ کی روایات جن میں تورک (دایاں پاؤں کھڑا کر کے بایاں پاؤں سرین کے نیچے سے دائیں جانب نکالنے) کا ذکر ہے، یہ عذر پر محمول ہیں، یعنی جو شخص بڑھاپے، موٹاپے یا کسی اور عذر کی بناء پر افتراش نہ کر سکتا ہو تو وہ تورک کر لے۔

(۱) مسلم : باب ما يجمع صفة الصلوة ، وما يفتح به ونختم به ، حدیث : ۴۹۸

(۲) ترمذی : باب كيف الجلوس في التشهد ، حدیث : ۲۹۲ ، امام ترمذیؒ کہتے ہیں : یہ حدیث ”حسن صحیح“ ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے

(۳) نسائی : باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد ، حدیث : ۱۱۵۸ ، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

﴿233﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ”اقعاء“ اور ”تورک“ سے منع فرمایا ہے: ”نہی عن الاقعاء والتورک فی الصلاة“ (۱)

﴿234﴾ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ”اقعاء“ اور ”تورک“ سے منع فرمایا ہے۔ (۲)

﴿235﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بایاں پیر بچا کر اس پر بیٹھتے اور دایاں پیر اس طرح کھڑا کرتے کہ اس کی انگلیاں موڑ کر قبلہ رخ کرتے۔ (۳)

**تشہد** (قعدہ میں ہتھیلیوں کو گھٹنے سے متصل ران پر رکھ رہیں اور التحیات پڑھیں)

﴿236﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازوں میں بیٹھتے تو بائیں ہتھیلی کو بائیں ران پر اور دائیں ہتھیلی کو دائیں ران پر رکھتے: ”وضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری و وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی“ (۴)

جب التحیات پڑھیں تو پوری توجہ اور یکسوئی کے ساتھ پڑھیں، احادیث میں التحیات مختلف الفاظ میں منقول ہے، جن میں سب سے زیادہ مشہور اور بہتر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی تشہد ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿237﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس اہتمام سے التحیات سکھایا کہ جس اہتمام سے قرآن سکھاتے اور مزید اہتمام کی غرض سے مصافحہ کی طرح میرے ہاتھ کو اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان پکڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی جب نماز میں بیٹھے تو یہ پڑھے :

- (۱) مجمع الزوائد: باب الاقعاء والتورک فی الصلاة، حدیث: ۲۴۶۷، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو بزار نے اپنے شیخ ”ہارون بن سفیان“ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں، بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۰۲۳) محقق شعیب الارنؤط نے اس سند کے رجال کو صحیح کے رجال قرار دیا ہے (مسند احمد: مسند انس بن مالک، حدیث: ۱۳۴۶۲)
- (۲) مستدرک حاکم: باب التامین، حدیث نمبر: ۱۰۰۵، پھر فرماتے ہیں: یہ حدیث بخاری کی شرط پر صحیح ہے، علامہ ذہبی نے اسے دونوں کی شرط پر قرار دیا ہے۔
- (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب یفتش الیسری وینصب الیمنی، حدیث: ۲۹۴۶، بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اوپر مذکور روایات اس کی مؤید ہیں۔
- (۴) مسلم: باب صفة الجلوس فی الصلاة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین، حدیث: ۵۷۹

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ  
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ،  
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. (۱)

”ادب و تعظیم کے سارے کلمے اللہ ہی کیلئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کیلئے ہیں، سلام ہو تم پر اے نبی ﷺ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، سلام ہو تم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی قابل عبادت نہیں، سوائے اللہ کے اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔“

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی

ہے۔ (۲)

## تشہد میں انگلی اٹھانے کا طریقہ

التحیات پڑھتے وقت جب ”اشہد أن لا“ پر پہنچیں تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کریں جس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں اور چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر لیں اور شہادت (یعنی کلمہ) کی انگلی کو صرف اٹھائیں اور اسے حرکت نہ دیں۔

﴿238﴾ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ جب قعدہ میں تشہد پڑھتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو داہنے ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھتے اور لقمہ بناتے بائیں ہتھیلی کا (یعنی بائیں ہتھیلی کو گھٹنے سے اس قدر قریب رکھتے کہ گھٹنا ہتھیلیوں کے اندر آجاتا) ”ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى، ويده اليسرى على فخذه اليسرى وأشار باصبعه السبابة ووضع ابهامه على اصبعه الوسطى على الفخذين، ويلقم كفّه اليسرى ركبته“ (۳)

(۱) بخاری: باب التشهد فى الاخيرة، حدیث: ۳۹۷

(۲) ترمذی: باب ما جاء فى التشهد، حدیث: ۲۸۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: اس بارے میں حضور ﷺ کی یہ سب سے صحیح روایت ہے۔

(۳) مسلم: باب صفة الجلوس فى الصلاة، حدیث: ۵۷۹

﴿239﴾ عن عبد الله بن زبير رضي الله عنه انه ذكر "أن النبي ﷺ كان يشير بأصبعه اذا دعا ولا يحركها" عبد الله بن زبير رضي الله عنه نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ جب اللہ کو توحید کے ساتھ پکارتے تو انگلی مبارک سے اشارہ کرتے اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ (۱)

اس کے مقابل بیہتی نے وائل بن حجر کی روایت نقل کی ہے "فرأيت يحرر يدها" میں نے اسے حرکت دیتے ہوئے اور اس سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر ابن زبير رضي الله عنه اور وائل بن حجر رضي الله عنه کی روایت کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وائل کی روایت میں حرکت دینے سے مراد محض اشارہ کرنا ہونہ کہ اس کو بار بار حرکت دینا، کیونکہ اشارہ بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔ (۲)

(۱) ابو داؤد: باب الاشارة في التشهد، حديث: ۹۸۹، نسائی: باب بسط اليسرى على الركبة حديث: ۱۲۷، نووی کہتے ہیں: اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (المجموع: ۳/۴۷۷)

امام ابن ملقن نے "خلاصة البدر المنير: باب كيفية الصلاة: ۱۳۹/۱، مكتبة الرشد، الرياض" میں کہا ہے کہ اس کو ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نے "تمام المنة" میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ اس کے سند میں ایک راوی محمد بن عجلان پر کلام کیا گیا ہے اور ان سے چار ثقہ لوگوں نے اس حدیث کو "لا تحركها" کی زیادتی کے بغیر نقل کیا ہے، اسی طرح دو ثقہ حضرات نے ابن عجلان کے شیخ عامر بن عبد اللہ سے اس کو اس زیادتی کے بغیر روایت کیا ہے لہذا یہ زیادتی شاذ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ البانی کی یہ بات کئی وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لئے کہ محمد بن عجلان کو جمہور علماء نے ثقہ قرار دیا ہے، ابن حجر نے ان کو "احد العلماء العالمين" کہا ہے اور امام احمد سفیان بن عیینہ، ابن معین، ابو زرعہ، نسائی، ابو حاتم وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، یعقوب بن شیبہ نے ان کو صدوق کہا ہے، ابن سعد نے کہا ہے کہ: یہ عابد و فقیہ تھے اور مسجد میں ان کا ایک حلقہ تھا اور وہ فتویٰ دیا کرتے تھے اور عجمی نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب الکمال: ۱۰۲/۲۶، تہذیب التہذیب: ۳۰۳-۳۰۴) دوسرے یہ کہ جس طرح شیخ البانی نے اس زیادتی کو شاذ کہا ہے، اسی طرح بعض حضرات نے وائل بن حجر کی حدیث میں "تحرکها" کو شاذ کہا ہے، ابن خزیمہ نے اس روایت کو اپنی صحیح میں نقل کرنے کے بعد اس کے شاذ ہونے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں: "احادیث میں سوائے اس حدیث کے کسی میں "تحرکها" نہیں ہے، (صحیح ابن خزیمہ: باب صفة الیدین علی الرکتین فی التشهد، حدیث: ۷۱۳) اور خود شیخ البانی لکھتے ہیں: ایک یمنی طالب علم نے "البشارة فی شذوذ تحريك الاصبع فی التشهد والاشارة" نامی رسالہ میں اس زیادتی کو شاذ قرار دیا ہے، پھر شیخ البانی نے اس کے شذوذ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس زیادتی کو علماء نے قبول کیا ہے، تو کیا حضرت ابن زبیر کی حرکت نہ دینے کی روایت کو علماء نے رد کیا ہے؟ واضح رہے کہ امام نووی نے اس کی تصحیح کی ہے، جمہور علماء اسی پر عمل کرتے ہیں اور انگلی کو حرکت دینے سے منع کرتے ہیں۔

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب من روی انه اشار بها ولم يحركها، حدیث: ۲۱۵

ملا علی قاری نے ”مرقاۃ“ میں کہا ہے کہ: یہاں حرکت دینے سے مراد محض انگلی کا اٹھانا ہے، اور اٹھانا بغیر حرکت کے ہوتا ہی نہیں۔ (۱)

﴿240﴾ ایک روایت میں مذکورہ بالا مسلم کی روایت میں جو شہد کی انگلی اٹھانے کا طریقہ بیان کیا ہے اس کو بعض روایات میں ”عقد ثلاث و خمسين“ کہا گیا ہے، ”وعقد ثلاث و خمسين و اشار بالسبابة“ ترپن کا عقد کر کے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ (۲)

﴿241﴾ مالک بن نمیر خزامی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں بحالت قعود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے ہیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہیں کہ تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی، آپ شہد میں اشارہ کر رہے تھے: ”انہ رأى النبى قاعداً فى الصلاة ذراعه اليمنى على فخذہ اليمنى رافعاً اصبعه السبابة قد أحنأها شيئاً وهو يدعو“ (۳)

”أشهد أن لا إله“ کہتے ہوئے انگلی اٹھائے، اور ”إلا الله“ کہہ کر انگلی چھوڑ دے

عن عبد الله بن زبير رضی اللہ عنہ انه ذكر ”أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يشير باصبعه اذا دعا ولا يحركها“ عبد اللہ بن زبير رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کو توحید کے ساتھ پکارتے تو انگلی مبارک سے اشارہ کرتے اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ (۴)

اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تھے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے، یہاں

(۱) اعلاء السنن: ۱۱۲/۳

(۲) مسلم: باب صفة الجلوس فى الصلاة، وكيفية وضع اليمنى على الركبتين، حدیث: ۱۳۳۸

(۳) نسائی: باب احناء السبابة فى الاشارة، حدیث: ۱۹۷۴، ابوداؤد: باب الاشارة فى التشهد حدیث: ۹۹۱، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابن ماجہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۲۴۲، باب الاشارة بالسبابة)

(۴) ابوداؤد: باب الاشارة فى التشهد، حدیث: ۹۹۱، نسائی: باب بسط اليسرى على الركبة، حدیث: ۱۲۷، نووی کہتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (خلاصة الأحكام ك فصل فى ضعيفه، حدیث: ۱۳۹۰، مؤسسة الرسالة، بيروت) امام ابن ملقن نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے ”خلاصة البدر المنير: ۱۳۹/۱، مناوی نے بھی نووی کے حوالہ سے اس سند کا صحیح ہونا نقل کیا ہے۔ (فيض القدير: باب كان وهو الشمال الشريقة، حدیث: ۷۰۵۶: ۲۲۱/۵)

دعا سے تشہد مراد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا یہ اشارہ تشہد پڑھتے وقت ہوتا تھا؛ لہذا اس کے بعد اس اشارہ کا باقی نہ رہنا ہی ظاہر ہے؛ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”امداد الفتاویٰ“ میں فرمایا کہ ”دعا کی تفسیر تشہد کے ساتھ ”مسلم شریف“ میں ہے اور ظاہر ہے ”إذا“ توقیت کیلئے آتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل لا الہ الا اللہ کے وقت تھا، پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہو جائے گا۔ (۱)

آگے انگلی سے اشارے کی حقیقت کے تحت حضرت خفاف بن ایماء کی روایت آرہی ہے کہ آپ ﷺ اپنی انگلی اٹھانے سے توحید کا اشارہ کرتے تھے، ولکنہ التوحید، آپ ﷺ کا یہ اشارہ دراصل توحید کا اشارہ تھا اور توحید تشہد کا نام ہے؛ کیونکہ اس میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی گواہی دینا ہے اور توحید میں ایک تو غیر اللہ سے الوہیت کی نفی ہے اور دوسرے اللہ کی الوہیت کا اقرار اور اثبات ہے تو اشارہ میں نفی اور اثبات ہونا چاہئے، اس لئے علماء حنفیہ نے فرمایا کہ اثبات کیلئے انگلی اٹھانا اور نفی کیلئے انگلی کو رکھنا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”اشہد ان لا الہ الا اللہ“ پر انگلی اٹھانا اور ”الا اللہ“ پر گرانا صریح طور پر وارد نہیں ہوا تو ہم کہتے ہیں، سارے مسائل صریح دلیل ہی کی بنیاد پر اخذ نہیں کئے جاتے، بہت سے مسائل دلیل کے اشارات و دلالات سے بھی لئے جاتے، لہذا ان اشارات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ”أشہد أن لا الہ الا اللہ“ پر انگلی اٹھانا اور ”الا اللہ“ پر گرنا دینا چاہئے، دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات بھی تو کسی روایت میں صراحت کے ساتھ وارد نہیں ہوئی ہے کہ انگلی کا اشارہ اخیر تک اٹھائے رکھا جائے۔

**صرف ایک انگلی سے اشارہ کریں:**

﴿242﴾ عن سعدٍ رَضِيَ عَنْهُ قَالَ: ”مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا أَدْعُو بِأَصَابِعِي، فَقَالَ: أَحَدٌ، أَحَدٌ، وَإِشَارَ بِالسَّبَّابَةِ“ حضرت سعد رَضِيَ عَنْهُ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گزرے اور میں تشہد میں سارے انگلیوں سے اشارہ کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک انگلی سے، ایک انگلی سے، آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ (۲)

(۱) امداد الفتاویٰ: ۲۰۹/۱

(۲) نسائی: باب النهی عن الإشارة بأصبعین، وبأی اصبع یسیر، حدیث: ۱۲۴۴، حاکم نے مستدرک میں کہا ہے: اگر سعد نے ابوصالح سمان سے سنا ہے تو یہ حدیث یحییٰ بن شریح صحیح ہے۔ (مستدرک حاکم: کتاب الدعاء والتکبیر والتہلیل، حدیث: ۱۹۶۶)

## انگلی سے اشارہ کی حقیقت

﴿243﴾ حضرت خفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے اخیر میں یعنی قعدہ میں بیٹھتے تو اپنی انگلی مبارک سے اشارہ فرماتے، مشرکین کہتے تھے کہ (نعوذ باللہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس اشارہ سے جادو کرتے ہیں؛ حالانکہ مشرکین جھوٹ بولتے تھے؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اشارہ سے توحید کا اشارہ فرماتے تھے، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا اشارہ ہے۔ (۱)

﴿244﴾ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز (کے قعدہ) میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے، اور نگاہ انگلی پر رکھتے، پھر (نماز کے بعد) فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لہی اشد علی الشیطن من الحديد یعنی السبابة“ یہ شہادت کی انگلی شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے، یعنی تشہد کی حالت میں شہادت کی انگلی سے اللہ کی وحدانیت کا اشارہ کرنا شیطان پر کسی کو نیزے وغیرہ مارنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (۲)

امام بیہقیؒ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انگشت شہادت سے آگے نہیں جاتی۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور اشارہ کرتے ہوئے انگلی کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا۔ (۴)

ثناء، اعوذ باللہ، بسم اللہ کی طرح ”التحیات“ بھی آہستہ پڑھیں:

﴿245﴾ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ”من السنة ان یخفی التشہد“

(۱) مجمع الزوائد: باب التشہد والجلوس والاشارة بالاصبع فیہ، حدیث: ۲۸۳۳ علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) مسند احمد، حدیث: ۶۰۰۰، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو بزار اور احمد نے روایت کیا ہے، اس میں کثیر بن زید راوی ہیں، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد:

باب التشہد والجلوس والاشارة، حدیث: ۲۸۵۰)

(۳) سنن کبریٰ بیہقی، باب النسۃ فی أن لا یجاوز بصرہ اشارتہ، حدیث: ۲۶۱۸

(۴) سنن کبریٰ بیہقی، باب کیفیۃ الاشارة بالمبحة، حدیث: ۲۶۱۷



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ التحیات کا آہستہ پڑھنا سنت میں سے ہے۔ (۱)

## تیسری رکعت

فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نمازوں کے پہلے قعدہ میں التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کیلئے اٹھ جائے، التحیات پر کچھ اضافہ نہ کرے۔

﴿246﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد پڑھنا سکھایا، درمیان نماز میں اور آخر نماز میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب درمیان نماز اور آخر نماز میں اپنے کو لمبے پر بیٹھتے تو ”التحیات للہ والصلوات والطیبات“ پڑھتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان نماز میں ہوتے تو ”التحیات“ سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے اور اگر آخری نماز میں ہوتے تو التحیات کے بعد دعا پڑھتے جو دعا بھی اللہ چاہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں، اس کے بعد سلام پھیرتے ”ثم ان کان فی وسط الصلاة نهض حين یفرغ من تشهده وان کان فی اخرها دعا بعد تشهده بما شاء اللہ ان یدعو ثم یسلم“ (۲)

﴿247﴾ عن ابی عبیدہ عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الركعتین کأنه علی الرضف، قلت: یقوم، قال: ذالک“ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت (یعنی قعدہ اولیٰ) میں اس قدر جلدی کرتے گویا جلتے تو بے پر بیٹھتے تھے، راوی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے کیلئے جلدی کرتے تھے، تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، یہی ارادہ فرماتے تھے۔ (۳)

- (۱) ابوداؤد: باب اخفاء التشهد، حدیث: ۹۸۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد، ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ (اثر السنن: باب ما جاء فی التشهد: ۲۴۱)، یہی بات علامہ عینی نے بھی کہا ہے۔ (عمدة القاری: باب الدعاء قبل السلام: ۳۷۸/۹)
- (۲) مسند ابن خزيمة: حدیث: ۷۰۸، مع تحقیق: محمد مصطفیٰ الاعظمی، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کو احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب التشهد والجلوس والاشارة بالاصبع فیہ، حدیث: ۲۸۶۰) محقق شیعہ الارنوط نے اس روایت کو صحیح اور اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (مسند احمد: مسند عبد اللہ بن مسعود، حدیث: ۴۳۸۲)
- (۳) ابوداؤد: باب فی تخفیف القعود، حدیث: ۹۹۷، ترمذی: مقدار فی الركعتین الأولیین، حدیث: ۳۶۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث ”حسن“ ہے، البتہ مرسل ہے کیوں کہ ابو عبیدہؓ نے اپنے والد سے نہیں سنا ہے (لیکن مؤید بالعمل ہے) اور اسی پر عمل ہے اہل علم کا، یہ حضرات اسی کو پسند کرتے ہیں، کہ آدمی دوسری رکعت میں قعدہ کو لمبائے کرے، اور اس میں ”التحیات“ کے علاوہ کچھ نہ پڑھے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر پہلے قعدہ میں تشهد کے ساتھ کچھ اور پڑھ لے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا، یہی امام شعیؒ وغیرہ سے مروی ہے۔

﴿248﴾ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں میں تشهد پر زیادتی نہیں کرتے تھے: ”کان لا یزید فی الرکعتین علی التشہد“ (۱)

﴿249﴾ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی تیسری رکعت کیلئے تشهد سے کھڑے ہوتے تھے۔ (۲)

﴿250﴾ حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ دو رکعتوں میں تشهد پر زیادتی نہ کرے: ”کان

یقول لا یزید فی الرکعتین الأولیین علی التشہد“ (۳)

﴿251﴾ امام شعیؒ پہلی دو رکعتوں میں تشهد پر زیادتی کرنے والے پر سجدہ سہو لازم قرار دیتے تھے۔ (۴)

تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھیں، ان دونوں کے احکام (فرائض نماز) میں (قرأت) کے تحت ملاحظہ ہوں۔

## قعدہ اخیرہ

قعدہ اخیرہ میں تشهد پڑھنے کے بعد یہ خیال کر کے رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے کہ اس دربارِ خداوندی تک ہم کو رسائی اللہ کی رہنمائی سے حاصل ہوتی ہے، ہمارا ایمان، اسلام اور اللہ سے

(۱) مسند ابی یعلیٰ: مسند عائشہؓ، ۴۳۷۳، محقق حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں: اس کو ابو یعلیٰ حویرث عن عائشہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور ظاہر ہے یہ خالد ابن الحویرث ہیں اور وہ ثقہ ہیں اور اس کے باقی رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب التشہد والجلوس والاشارة بالاصبع فیہ، حدیث، ۲۸۵۹)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: قدر کم یقعد فی الرکعتین الاولیین، ۳۰۳۴، ”التلخیص الحبیر“ میں ہے: اس کی سند صحیح ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: قدر کم یقعد فی الرکعتین الاولیین، ۳۰۳۸

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: قدر کم یقعد فی الرکعتین الاولیین، ۳۰۳۹

تعلق حضور ﷺ کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اللہ ہی حضور ﷺ کی ان کوششوں اور احسانات کا بدلہ دے سکتا ہے؛ لہذا درود کی شکل میں دعائے رحمت کے ذریعے آپ کے احسان کے اعتراف کے ساتھ نماز کو ختم کر دے۔

﴿252﴾ مشہور تابعی امام عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات مجھ سے ہوئی تھی، تو انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ایک تحفہ نہ دوں، جسے میں اللہ کے نبی ﷺ سے سنا ہے، میں نے عرض کیا: ضرور وہ تحفہ مجھے عطا فرمائیں، تو انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے اہل پر درود کس طرح بھیجا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں (التحيات میں سلام بھیجنے کا طریقہ بتا دیا ہے، کہ ہم ”السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته“ کہا کریں) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ان الفاظ میں درود بھیجو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (۱)

”اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد (ﷺ) اور حضرت محمد (ﷺ) کے گھر والوں پر جیسا کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے، اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما! حضرت محمد (ﷺ) اور حضرت محمد (ﷺ) کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور اُن کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔“

دُرود شریف پر گویا نماز ہو چکی؛ مگر اس نماز کو اللہ عز و جل کی شانِ عالی کے سامنے نہایت ناقص اور کمتر سمجھتے ہوئے اپنے اندر خوف و دل شکستگی کی کیفیت پیدا کرے اور نہایت الحاح و زاری کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور ”دُعائے ماثورہ“ عرض کرے۔

﴿253﴾ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی دعا سکھا دیجئے کہ میں اپنی نماز میں کیا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (یہ دعا) کیا کرو:

”اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“  
اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے (یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو، پس میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے، اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے۔ (۱)

سلام

دعا سے فارغ ہو کر دائیں بائیں جانب سلام پھیریں، سلام پھیرتے وقت گردن اتنی موڑیں کہ پیچھے بیٹھے آدمی کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

﴿254﴾ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں جانب سلام پھیرتے؛ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتا: ”كُنْتُ أَرَى رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَسْلَمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ؛ حَتَّى أَرَى بَيَاضَ خَدِّهِ“ (۲)  
دائیں جانب سلام پھیرنے میں داہنے جانب کے رفقاء نماز اور فرشتوں کی نیت کرے اور بائیں جانب اس جانب والوں کی، امام جس جانب ہو اس کی نیت اسی جانب کے سلام میں کرے، اس سلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم پوری نماز میں اس قدر یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ اور اس سے مناجات اور عرض و معروض میں مصروف تھے کہ آس پاس کی دنیا سے حتیٰ کہ اپنے فرشتوں سے بھی منقطع اور غائب ہو کر گویا کسی دوسرے ہی عالم میں ہیں، نماز کے ختم پر گویا اس عالم سے پلٹ کر تازہ ملاقات کرتے ہیں اور دائیں اور بائیں کے رفیقوں اور فرشتوں کو سلام کرتے ہیں۔

(۱) بخاری: باب الدعاء قبل السلام، حدیث: ۷۹۹

(۲) مسلم: باب السلام للتحلیل من الصلاة عند الفراغ، حدیث: ۵۸۲

## نماز کے بعد دعا

نماز کے بعد دعا مسنون اور مستحب ہے، بہت مقبول ہوتی ہے، شرط یہ ہے کہ حضور قلب کے ساتھ خوب اہتمام کے ساتھ کی جائے، عربی میں ہو یا اپنی زبان میں، مگر اخلاص کے ساتھ اور رب ذوالجلال کی جانب لو لگا کر ہو، نماز کے بعد دعا کے مقبول اور مسنون ہونے پر درج ذیل روایتیں دلالت کرتی ہیں (نماز کے بعد اس طرح دعا کرنا مستحب ہے، اگر کوئی نہ کرے تو ملامت کا مستحق نہیں)۔

﴿255﴾ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کونسی دعا بارگاہِ خداوندی میں زیادہ سنی جاتی ہے، اور قبول کی جاتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دعا جو رات کے آخری حصہ میں کی جائے اور وہ دعا جو فرض نمازوں کے بعد کی جائے: ”جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات المكتوبة“ (۱)

﴿256﴾ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے بعد دعا کرتے تھے: ”کان یدعوفی دبر صلاتہ“ (۲)

﴿257﴾ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز (نفل) دو رکعت ہے، تشهد پڑھو، ہر رکعت میں اور اظہار خشوع، عجز وانکساری اور مسکنت کرو اور اٹھاؤ اپنے ہاتھوں کو یعنی تھیلی کے باطنی حصہ کو چہرے کے سامنے کرو اور ”یا رب، یا رب“ کہو، یعنی دعا مانگو اور جو شخص یہ نہ کرے، اس کی نماز ایسی ویسی ہے، یعنی ناقص ہے: ”وتفتح یدیک، یقول: ترفعہما الی ربک مستقبلاً ببطونہما وجہک وتقول: یا رب، یا رب، ومن لم یفعل ذلک فہو کذا کذا“ (۳)

امام ابن خزیمہ اس حدیث کی تخریج کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث پاک میں ہاتھوں کو

(۱) ترمذی: باب ینزل ربنا کل لیلۃ، حدیث: ۳۵۷۹، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن، صحیح، غریب کہا ہے۔

(۲) التاریخ الکبیر للبخاری: حدیث: ۱۷۷۲، باب عبد ربہ، مع تحقیق ہاشم الندوی

(۳) ترمذی: باب التخشع فی الصلاۃ، حدیث: ۸۸۵، اس کو ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: باب ما یقرأ اذ فرغ من

اٹھا کر اللہ سے دعا و سوال کرنے کا حکم ہے، اور سلام سے پہلے بحالت تشهد دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا سنت نہیں ہے؛ نیز یہ حدیث بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ نے نمازی کو حکم دیا کہ وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کے بعد ہاتھوں کو اٹھائے اور اللہ سے دعا اور سوال کرے۔ (۱)

﴿258﴾ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو نماز سے پہلے ہاتھوں کو اٹھائے دیکھا تو جب نماز پڑھ چکے تو اس شخص سے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھوں کو اٹھاتے تھے: ”ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتیٰ یفرغ من صلاته“ (۲)

دُعا کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کے اندرونی حصہ کو چہرے کے سامنے کرتے ہوئے اتنا اٹھائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں اور دُعا سے فراغت کے بعد انہیں چہرے پر پھیر لیں:

﴿259﴾ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا رب حیاء والا اور خفی ہے، جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اُسے خالی واپس کرنے سے حیاء کرتا ہے: ”یستحی من عبده اذا رفع یدیه ان یردھما صفرًا“ (۳)

﴿260﴾ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ کے پہلو نظر آرہے تھے اور آپ ﷺ دعا فرما رہے تھے: ”رأیت رسول اللہ ﷺ رافعًا یدیه حتیٰ بدا ضبعاه وهو یدعو“ (۴)

- (۱) صحیح ابن خزیمہ: باب ذکر الأخبار المنصوصۃ الدالۃ علی خلاف قول من زعم ان تطوُّع النہار اربعًا لا مثنیٰ، حدیث: ۱۲۱۳
- (۲) معجم الکبیر للطبرانی: حدیث: ۹۰، مجمع الزوائد: باب التَّشَهُّد، حدیث: ۱۷۳۵، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند بیان کی ہے ”محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی عن عبد اللہ بن زبیر“ اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔
- (۳) ابوداؤد: باب الدعاء، حدیث: ۱۴۸۸، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، حافظ نے ”فتح“ میں اسے ”سند جید“ کے ساتھ کہا ہے، حاکم نے اسے ”متدرک“ میں شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (اثر السنن: باب رفع الیدین فی الدعاء: ۲۳۸) علامہ حجر نے فتح الباری: باب رفع الیدی فی الدعاء: ۱۱۳۶/۱۸ میں کہا ہے: اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔
- (۴) جزء رفع الیدین للبخاری: علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابن حجر نے صحیح قرار دیا ہے۔ (اثر السنن: ۲۳۸، باب رفع الیدین فی الدعاء)

﴿261﴾ حضرت اسود عامریؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی: ”صَلِّتْ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الْفَجْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ انصَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا“ (۱)

﴿262﴾ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اللہ سے دُعا کرو تو باطنی ہتھیلی سے دُعا کرو، ہتھیلی کے ظاہر سے دُعا نہ کرو، اور جب دُعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لیا کرو: ”فَادْعُ بِسَاطِنِ كَفِّكَ، وَلَا تَدْعُو بِظُهُورِهِمَا، فَإِذَا فَرَغْتَ، فَامْسَحْ بِهِمَا وَجْهَهُ“ (۲)

﴿263﴾ حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اندرونی ہتھیلیوں سے دعا مانگا کرو، ہتھیلیوں کے باہری حصہ سے نہ مانگا کرو: ”سَلُوا اللَّهَ بِيْطُونِ أَكْفَكُمْ وَلَا تَسْأَلُوهُ بِظُهُورِهِمَا“ (۳)

﴿264﴾ حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ دعاء کیلئے جب ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اپنے چہرے پر پھیر لینے سے پہلے نیچا نہیں کرتے: ”إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحْطِّهْمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ“ (۴)

﴿265﴾ امام بخاریؒ نے اس حوالہ سے باب قائم کیا ہے: ”بَابُ رَفْعِ الْإِيْدِي فِي الدُّعَاءِ، كِتَابُ الدَّعَوَاتِ“

(۱) سنن رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبۃ مع جزء الرفع الیدین للبخاری: ۲۳  
(۲) ابن ماجہ: باب رفع الیدین فی الدعاء، حدیث نمبر: ۱۱۸۱، علامہ سیوطی نے ”فض الوعاء: حدیث: ۳۱، ۳۲، ۳۳، مکتبۃ المینار، الزرقاء“ میں کہا ہے: شیخ الاسلام ابوالفضل بن حجر اپنی ”امالی“ میں کہتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے، یہ اس کے شواہد کی وجہ سے ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الإشارة فی الدعاء ورفع الیدین، حدیث: ۱۷۳۲۶، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے عمار خالد الواسطی کے، یہ ثقہ ہیں، یہی بات علامہ سیوطی نے ”فض الوعاء: حدیث: ۳۳، ۳۴، ۳۵“ میں کہی ہے۔

(۴) ترمذی: باب رفع الیْدی فی الدعاء، حدیث: ۳۳۸۶، ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح اور غریب ہے، حافظ ابن حجر نے ”بلوغ المرام: باب ذکر الدعاء والصلوة“ میں کہا ہے: اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کے شواہد میں عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مجموعی طور پر یہ حدیث حسن درج کی ہے۔

نماز کے بعد اور دیگر احوال میں اجتماعی دعا کی جاسکتی ہے اور اجتماعی دُعا قبولیت کیلئے زیادہ مؤثر ہوتی ہے:

﴿266﴾ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس قوم نے اپنی ہتھیلیوں کو اللہ کی جانب اٹھایا کسی چیز کو مانگتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں ان کی مانگی ہوئی چیز رکھ دیں گے: ”ما رفع أكفهم الى الله تعالى يسألونه شيئاً الا على الله ان يضع في أيديهم الذي سألوا“ (۱)

﴿267﴾ حضرت حبیب بن مسلم فہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قوم مسلم جب جمع ہوتی ہے اور ان میں بعض دعا کرتے ہیں اور سب آمین کہتے ہیں تو اللہ ان کی دعا قبول کر لیتے ہیں: ”لا يجمع ملاً يدعو بعضهم ويؤمن سائرهم الا اجابهم الله“ (۲)

ان دونوں حدیثوں سے اجتماعی دعا اور اس کی قبولیت کا ثبوت ہوتا ہے۔

نوٹ: فی زمانہ نمازوں کے بعد دعاؤں کا جو اس قدر اہتمام و التزام ہونے لگا ہے کہ خود دعا نماز کا حصہ معلوم ہونے لگی ہے، اگر کوئی امام دعا نہ کرے تو وہ لعنت و ملامت کا مستحق بنتا ہے، یہ طریقہ درست نہیں، چونکہ یہ اصول اہل علم کے نزدیک مسلم ہے کہ غیر واجب کو واجب کا درجہ دے دینا اور اس کا واجب کے مانند اہتمام کرنا یہ اس کے بدعت ہونے کیلئے کافی ہے، اگر کبھی کبھی بغیر اہتمام کے اور التزام کے لوگوں کو سکھلانے کیلئے بعد نماز اس طرح دعا کی جائے تو ٹھیک ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی مواقع سے نماز کے بعد دعا کی ہے، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوا؛ لیکن یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی سنت نہیں تھی، اگر ایسا ہوتا تو یہ چیز تو اتر کے ساتھ ثابت ہوتی۔

معارف السنن میں ہے: ”قد راج فی كثيرٍ من البلاد الدعاء بهيئة

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الاشارة في الدعاء، ورفع اليدين، حدیث: ۹۰۱، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۲) مجمع الزوائد: باب التامين على الدعاء، حدیث: ۱۷۳۷۷، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو بطرانی نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ابن لہیعہ کے، یہ حسن الحدیث ہیں۔



اجتماعیہ رافعین ایدیہم بعد الصلوات المكتوبة ،لم یثبت ذالک فی عہد النبی ﷺ وبالأخص بالمواظبة ،نعم تثبت الأدعية الكثيرة بعد المكتوبة ؛ ولكنها من غیر رفع الأیدی (۱)

بہت سے شہروں میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کا رواج ہو گیا ہے، عہد نبوی میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، خاص کر مواظبت اور پابندی کے ساتھ، ہاں فرض کے بعد بہت سی دعائیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں؛ لیکن بغیر ہاتھ اٹھانے اور انفرادی طریقے پر نہ کہ اجتماعی۔

## نماز کے بعد اذکار

نماز کے بعد ذکر اللہ بھی مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے:

﴿268﴾ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے بعد کے اذکار ہیں، جن کا کرنے والا نامراد نہیں ہوگا: ”مَعْقَبَات لَا يَخِيبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبْرُ صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ“ ۳۳ بار سُبْحَنَ اللّٰہِ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، ۳۳ بار اَللّٰہُ اَكْبَرُ (۲)

﴿269﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سُبْحَنَ اللّٰہِ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، ۳۳ بار اَللّٰہُ اَكْبَرُ پس یہ ننانوے ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ۱۰۰ کی تعداد پوری کرنے کیلئے کہے: ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَہُ ، لَہُ الْمَلٰئِکَةُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر“ تو اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں ”مَنْ سَبَّحَ لِلّٰہِ فِی دُبْرِ کُلِّ صَلَاةٍ (ذکر العدد مثله) غفرت خطایاہ وان کانت مثل زبد البحر“ (۳)

﴿279﴾ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص فرض نمازوں کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے وہ دوسری نماز تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا: ”مَنْ قَرَأَ اٰیَةَ الْکُرْسٰی

(۱) معارف السنن: ۳/۴۰۹

(۲) مسلم: باب استحباب الذکر دبر صلاۃ مکتوبۃ، حدیث: ۵۹۶

(۳) مسلم: باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث: ۵۹۷

فی دبر الصلاة المكتوبة كان في ذمة الله الى الصلاة الأخرى“ (۱)  
 ﴿ 271 ﴾ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی: ”لم يمنعه من دخول الجنة الا الموت“ (۲)  
 اس کے علاوہ بہت سے اذکار فرض نمازوں کے بعد احادیث میں مذکور ہیں، اختصار کی غرض سے اتنا ہی لکھا گیا۔

### جس کا وضو نہ رہتا ہو

شریعت کی نظر میں معذور وہ شخص ہے جسے نماز کے پورے وقت میں اتنا وقفہ نہ ملے (پیشاب کے قطرے، ریح، خون کا نکلنا نہ رُکے) جس میں وضو کر کے طہارت کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور معذور بن جانے کے بعد آئندہ ہر نماز کے پورے وقت میں کم از کم ایک دفعہ وہ عذر پایا جائے، ایسا شخص ہر فرض نماز کیلئے وضو کرے گا اور اُسی وضو سے فرض، واجب، نفل جو چاہے اُس وقت کے اندر پڑھ سکتا ہے۔  
 کپڑے کی پاکی کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا یقین ہو کہ کپڑا دھونے کے بعد نماز سے فارغ ہونے سے پہلے دوبارہ ناپاک نہیں ہوگا تو بالاجماع دھونا ضروری ہے اور اگر دوبارہ ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو تو دھونا ضروری نہیں ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷۴/۲)

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر: باب حسن بن علی بن ابی طالب، حدیث: ۲۷۳۳ علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (مجمع الزوائد: باب ما یقول من الذکر والدعاء عقب الصلاة، حدیث نمبر: ۲۸۹۲)

(۲) مجمع الزوائد: باب ما جاء فی الاذکار عقب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۶۹۲۲، عز الدین ابن سلام نے کہا ہے: اس کو نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان اس کو صحیح کہا ہے۔ (سبل السلام، ماورد من آثار فی الدعاء: ۱/۳۹۷)



عورتوں کے

طریقہ نماز کا فرق

## عورتوں کے طریقہ نماز کا کچھ فرق

خواتین کے بارے میں شریعت کا عمومی مزاج یہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں حتی الامکان ستر پوشی اور پردہ کا اہتمام کرے؛ لہذا جن احکام و اعمال میں بے حجابی، بے پردگی، عورت کے نسوانیت کے ظاہر ہونے کا خدشہ تھا، ان مواقع سے شریعت نے عورت کیلئے علیحدہ احکام دئے ہیں، عورت کو گھر کے اندر کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، جبکہ شوہر کو باہر کے کاموں کے انجام دہی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، مردوں پر جہاد فرض ہے، جبکہ عورت پر فرض نہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے حج کو ہی ان کا جہاد قرار دیا ہے، ایسے ہی جمعہ، عیدین اور جماعت ان پر واجب نہیں ہے، نہ وہ مردوں کیلئے امام ہو سکتی ہیں اور نہ کسی کیلئے مؤذن، ان کا گھر میں نماز پڑھنا ان کے مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر قرار دیا گیا ہے، مسجد میں آنے کی صورت میں ان کی صف سب سے آخری رکھی گئی ہے، پہلے مرد، پھر بچے، اس کے بعد عورتیں کھڑی ہوں گی، دوران نماز عورتیں امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے ”تصفیق“ کا سہارا لیں گی، (یعنی داہنی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ماریں گی) جبکہ مرد ”تسبیح“ وغیرہ کے ذریعہ امام کو غلطی سے آگاہ کریں گے، دوران حج صفا مروہ کی سعی کے وقت مرد ”میلین اخضرین“ (دوہرے نشان) کے درمیان دوڑیں گے اور عورتیں آہستہ چال چلیں گی، دوران طواف مرد حضرات اکڑ کر کاندھوں کو اُچکاتے ہوئے طواف کریں گے اور عورتیں اپنی عام حالت پر اس فریضے کو انجام دیں گی، اس کے علاوہ احرام کے کپڑوں میں مرد کیلئے سلعے ہوئے کپڑے کا استعمال درست نہیں، جبکہ عورتیں بطور احرام کے سلعے ہوئے کپڑے استعمال کریں گی، شریعت نے جس طرح ان احکام و اعمال میں مرد و عورت کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت کیلئے زیادہ سے زیادہ ستر و حجاب ہو، اسی طرح دوران نماز بھی مرد و عورت کے درمیان کیفیت و ہیئت کے اسی فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

خواتین کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اکیلے گھر میں نماز پڑھیں:

﴿272﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی نماز اپنے گھر میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کی چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے: ”وَصَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حَجَرَتِهَا وَصَلَاتِهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهَا فِي بَيْتِهَا“ (۱) مطلب یہ ہے کہ عورت جس قدر پوشیدہ ہو کر نماز پڑھے گی اسی قدر زیادہ ثواب کی مستحق ہوگی۔

﴿273﴾ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کی نماز اپنی کوٹھری میں گھر کے بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے، اس کی نماز اپنے گھر کے بڑے کمرے میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کے صحن میں محلے کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے ”صَلَاةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي حَجَرَتِهَا، وَصَلَاتِهَا فِي حَجَرَتِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي دَارِهَا وَصَلَاتِهَا فِي دَارِهَا خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهَا فِي مَسْجِدِ قَوْمِهَا“ (۲)

﴿274﴾ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری خواہش ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو، لیکن تمہارا اپنے کمرے میں نماز ادا کرنا صحن میں ادا کرنے سے بہتر ہے، اور اپنے صحن میں نماز پڑھنا گھر کے احاطہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا اپنے احاطہ میں نماز ادا کرنا اپنے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے: ”اِنَّكَ تَحْبِبِينَ الصَّلَاةَ مَعِيَ، وَصَلَاتِكَ فِي بَيْتِكَ خَيْرٌ

(۱) ابوداؤد: باب التشديد في ذلك (في خروج النساء إلى المسجد) حديث: ۵۷۰، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (خلاصة الأحكام: باب استحباب الجماعة للنساء، حديث: ۲۳۲۸، مؤسسة الرسالة، بيروت)

(۲) المعجم الأوسط: من اسمه مسعدة، حديث: ۹۱۰۱، علامہ منذری فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے سید جید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (الترغيب: كتاب الصلاة، حديث: ۵۱۲) علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ”غلاب بن مہاجر“ کے، چونکہ ابن ابی حاتم نے ان کے بیٹے کے علاوہ ان سے روایت کرنے والے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء إلى المساجد، حديث: ۲۱۰۸)

من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك، وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجدی“ عبد اللہ بن سوید انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ام حمیدؓ نے اپنے کمرے کے اندرونی حصہ میں نماز کیلئے ایک جگہ بنالی اور اسی جگہ نماز پڑھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

خواتین چہرے، ہاتھ پاؤں کے علاوہ جسم کے سارے اعضاء کو ڈھانک کر نماز ادا کریں:

﴿275﴾ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عورت سراپا پردہ ہے: ”المرأة عورة“ (۲)

﴿276﴾ حضرت ام المؤمنین عائشہؓ بیان کرتی ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتے: ”لا تقبل صلاة الحائض الا بخمار“ (۳)  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کیلئے سر کے بالوں کا چھپانا بھی ضروری ہے۔

﴿277﴾ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا“ (اور عورتیں نمایاں نہ کریں اپنی زینت کو، مگر وہ جو ان کے بدن سے ظاہر ہے) سے مراد وہ زینت ہے جو ہاتھ اور چہرہ کی ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہیں: ”قال: ما في الوجه والكف“ (۴)

(۱) صحیح ابن حبان: باب فرض متابعة الإمام، حدیث: ۲۲۱۷، محقق شعب الارنوط نے اس روایت کو قوی کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء الى المساجد وغیرہا، حدیث نمبر: ۲۱۰۶)، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو احمد نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے عبد اللہ بن اسود انصاری کے، ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ثمان ماجاء في كراهية الدخول على المغيبات، حدیث: ۱۱۷۳، امام ترمذی نے اسے ”حسن غریب“ کہا ہے، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء الى المساجد..... حدیث: ۲۱۱۶)

(۳) ترمذی: باب ماجاء لا تقبل صلاة المرأة الا بخمار، حدیث: ۳۷۷۷، امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے ابن حجر عسقلانیؒ نے ”بلوغ المرام“ میں کہا ہے، ابن خزیمہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (بلوغ المرام: ۴۲۱) ابن خزیمہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۴) السنن الصغری للبیہقی: باب ستر العورة، حدیث: ۳۰۲، صاحب ”عون المعبود“ فرماتے ہیں اس کو ابو حاتم، بیہقی اور اسماعیل قاضی نے مرفوعاً ابن عباس سے سند جید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (باب فی العبد ينظر الى شعر مولاته: ۱۰۹/۱۱)

عورتیں تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کا ندھوں تک اٹھائیں، اسی میں ان کیلئے ستر پوشی ہے:

﴿278﴾ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھاؤ، اور عورت اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر کرے۔ ”إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلْ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيِهَا“ (۱)

﴿279﴾ عبد ربہ بن سلیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ام الدرداء ؓ کو دیکھا کہ وہ نماز میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں ”ام الدرداء ترفع ידיهما في الصلاة حذو منكبيها“ (۲)

﴿280﴾ ابن جریج ؒ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ عورت تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کی طرح ہاتھ اٹھائے گی (یعنی کانوں کے قریب تک) تو انہوں نے فرمایا: عورت اپنے ہاتھوں کو مرد کی طرح نہ اٹھائے۔ ”وَقَالَ لَا تَرْفَعُ يَدَيْهَا كَالرَّجُلِ“ (اور پھر عملی تعلیم کی غرض سے) رفع یدین کیا اور ہاتھوں کو نہایت پست اور اپنی جانب سمیٹے رکھا اور فرمایا کہ (نماز میں) عورت کی خاص ہیئت ہے جو مرد کی نہیں اور اگر وہ اس ہیئت کو اختیار نہ کرے تو کوئی حرج نہیں، (یعنی عورت کیلئے اولیٰ اور بہتر یہ ہیئت ہے، لازمی و ضروری نہیں)۔ (۳)

عورتیں ہاتھ سینے پر باندھیں، مردوں کی طرح ناف سے نیچے نہیں:

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو نہیں ملی؛ البتہ فقہاء و محدثین کی تصریحات سے مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

(۱) مجمع الزوائد: باب رفع الیدین فی الصلاة، حدیث: ۲۵۹۴، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے وائل بن حجر کے مناقب میں ایک طویل حدیث کے تحت ”میمونہ بنت حجر عن عمتھا ام یحییٰ بنت عبد الجبار“ کی سند سے روایت کیا ہے، میں اس عورت کو نہیں جانتا، اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں، نیچے ذکر کردہ روایت اس روایت کی مؤید ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی المرأة اذا افتتحت الصلاة الى اين ترفع ידיهما، اس روایت کو امام بخاری نے ”جزء رفع الیدین“ میں ایسی سند کے نقل کے ہے جس کے رجال صحیح ہیں، امام زیلعی نے امام نووی کے حوالہ سے ”نصب الراية“ ۳/۴۱۲ میں نقل کیا ہے کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی المرأة اذا افتتحت الصلوة الى اين ترفع ידיهما؟ ۲۴۸۹، یہ اثر محمد بن بکر کی وجہ سے حسن ہے۔



حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ لکھتے ہیں: ”امّا فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهنّ وضع الیدین علی الصدور“ (۱) رہا عورتوں کے حق میں تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورتوں کیلئے سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں عورتوں کیلئے وہ طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے جس میں اس کیلئے پردہ پوشی زیادہ ہو، چنانچہ محدث بیہقیؒ فرماتے ہیں: ”جماع ما یفارق المرأة فیہ للرجل من أحكام الصلوة راجع الی الستر وہی انما مأمورة بكل ما هو أستر لها“ اصل بات یہ ہے کہ نماز کے ان احکام کی بنیاد جن میں مرد و عورت میں فرق ہے، پردہ پوشی اور ستر ہے، عورت کو ہر اس کام کا حکم دیا گیا ہے جو اس کیلئے پردہ کا باعث ہو۔ (۲) گویا یہ بات اجماع سے ثابت ہے۔

حالت قیام میں عورتیں دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں ہاتھ پر حلقہ نہیں بنائیں گی؛ بلکہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھیں گی؛ اس لئے کہ اس میں ستر زیادہ ہے:

﴿281﴾ حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ عورتیں حالت قیام میں حتی المقدور ہاتھوں کو سمیٹ کر رکھیں: ”تجمع المرأة یديها فی قیامها ما استطاعت“ (۳)

رکوع کی حالت میں عورتوں کو محض اس قدر جھکنا چاہیے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، پھر رکوع میں انگلیوں کو کشادہ کر کے رکھیں، ملا کر نہ رکھیں اور کہنیاں بھی پہلوؤں سے ملی ہوئی نہ ہوں اس لئے کہ رکوع کی اس حالت میں ستر زیادہ ہے :

﴿282﴾ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں: ”اذا رکعت ترفع یديها الی بطنها“ عورت رکوع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف اٹھائے گی۔ (۴)

(۱) السعاية: ۱۵۶/۲

(۲) سنن الکبریٰ للبیہقی: باب من ذکر صلاة وهو فی اخری، تحت حدیث: ۳۰۱۳

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب تکبیرة المرأة یديها وقيام المرأة وقعودها، ۵۰۶۹ یہ اسحیح سند سے مروی ہے۔

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب تکبیر المرأة یديها وقيام المرأة وركوعها وسجودها، ۵۰۶۹ یہ سند صحیح سے منقول ہے۔

عورتیں سجدہ میں پیٹ کو رانوں سے اور بازو کو پہلوؤں سے ملا کر رکھیں اور خوب سمٹ کر سجدہ کریں:

﴿283﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت جب نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے (یعنی پیروں کو بائیں جانب نکال کر بچھا دے اس طرح دونوں رانیں باہم مل جائیں گی) اور جب سجدہ کرے تو پیٹ کو رانوں سے چپکالے: ”والمراة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الأخری، فاذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کأ ستر ما یکون لها“ اس طرح کہ اس کیلئے خوب پردہ پوشی ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب رحمت کی نظر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے اُسے بخش دیا۔ (۱)

﴿284﴾ یزید بن حبیب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو خواتین پر ہوا جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم دونوں سجدہ کرو تو اپنے گوشت کے کچھ حصہ کو زمین سے ملا کر رکھو کہ عورت اس معاملہ میں مرد کی طرح نہیں ہے: ”إذا سجدت فضمما بعض اللحم الی الأرض، فإن المرأة لیست فی ذلك کالرجل“ (۲)

﴿285﴾ حارث سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت جب سجدہ کرے تو اچھی طرح سمٹ جائے اور اپنی رانوں کو ملائے: ”إذا سجدت المرأة فلتحتفز وتضم فخذیها“ (۳)

(۱) سنن الکبریٰ للبیہقی باب ما یستحب للمرأة من ترک التجافی فی الرکوع والسجود: حدیث: ۳۰۱۴، بیہقی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے، علامہ عثمانی ”اعلاء السنن: ۳/۳۳۳“ میں فرماتے ہیں: اس کے شواہد موجود ہیں اور محدثین کے اصول کے مطابق شواہد کی وجہ سے ضعیف حدیث کبھی حسن درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

(۲) سنن کبریٰ للبیہقی: باب ما یستحب للمرأة من ترک التجافی، حدیث: ۳۰۱۲، اس روایت کو ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں روایت کیا ہے، بیہقی نے اسے دو سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک میں ایک متروک شخص ہے، پھر بیہقی فرماتے ہیں: اس بارے میں ایک مراسل روایت ہے جو ان دونوں متصل السند روایات سے بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۳/۲۶۲) لہذا جب مراسل کی تائید متصل روایت سے ہو جائے خواہ وہ کمزور ہو تو یہ مراسل تمام ائمہ کے یہاں حجت ہوگی۔ (تدریب الراوی ۱۰۵)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب المرأة کیف تکن فی سجودھا، حدیث: ۲۷۹۳، علامہ عثمانی فرماتے ہیں اس روایت کے رجال جماعت کے رجال ہیں سوائے حارث کے یہ سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے، ابن شہین نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے، احمد بن صالح مصری کہتے ہیں: حارث اور ثقہ ہیں، اور انہوں نے حضرت علی سے کیا ہی خوب روایت نقل کیا ہے، شععی کہتے ہیں یہ جھوٹے تھے پر اپنی رائے میں نہ کہ احادیث کے بارے میں: اعلاء السنن: ۳/۳۰۰، گویا یہ حدیث حسن ہے۔

286 ﴿ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: وہ سمٹ سمٹ کر نماز پڑھے: ”تجتمع وتحتفز“ (۱)

287 ﴿ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عورت کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکالے؛ تاکہ ان کی سرین اوپر نہ اٹھے اور عورت اپنے اعضاء کو مرد کی طرح ایک دوسرے سے الگ نہ رکھے (بلکہ انھیں ایک دوسرے سے ملا رکھے): ”كانت المرأة تؤمر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذيه كيلا ترتفع عجزتها ولا تجافي كما يجافي الرجل“ (۲)

288 ﴿ حضرت لیث مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی کا سجدہ میں اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھنے کو ناپسند کرتے تھے، جیسے عورتیں کرتی ہیں: ”أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تصنع المرأة“ (۳)

289 ﴿ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں: ”المرأة تضطم في سجودها“ عورت سجدہ میں سمٹی رہے گی۔ (۴)

عورتیں دونوں سجدوں کے درمیان اور التحیات پڑھنے کیلئے جب بیٹھیں تو بائیں کو ہلے پر زمین سے چپک کر بیٹھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف نکال دیں۔

290 ﴿ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ میں اعضاء کو الگ الگ رکھیں، اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ پست ہو کر سجدہ کریں نیز مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ وہ تشہد میں بایاں پاؤں بچھائیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: المرأة كيف تكون في سجودها، ۲۷۹۴، یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) سنن الکبریٰ: باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود، ۳۰۱۵  
یہ اثر ابراہیم نخعی کا ہے اور یہ بڑے معتبر آدمی ہیں۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: المرأة كيف تكون في سجودها، ۲۷۹۶، یہ سند صحیح ہے۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: المرأة كيف تكون في سجودها، ۲۷۹۷ اس روایت کے تمام رواۃ اعلیٰ درجہ کے ہیں، البتہ حسن کے واسطے سے ہشام کی روایتوں میں قدرے کلام ہے، اور یہ روایت حسن ہی کے واسطے سے ہے، تاہم یہاں کلام اس لئے بے اثر ہے کہ روایت کا مضمون دیگر احادیث سے مؤید ہے۔

اور عورتوں کو فرماتے تھے کہ وہ چارزانوں ہو کر بیٹھیں: ”وكان يأمر النساء ان ينخفضن في سجودهن وكان يأمر الرجال ان يفرشوا اليسرى وينصبوا اليمنى في التشهد، ويأمر النساء ان يتربعن“ (۱)

﴿291﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی سجدہ اور تشہد میں مرد و عورت کے درمیان اس فرق کے ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (۲)

﴿292﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عورتیں کس طرح نماز پڑھتی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا: چارزانو بیٹھ کر، پھر انھیں حکم ہوا کہ خوب سمٹ سمٹ کر بیٹھیں یعنی اپنے (بائیں) کولہ پر جم کر بیٹھیں ”کنّ يتربعن ثمّ أمرن أن يحتفزن یعنی يستوين جالسات علی أوراكنھن“ (۳)

خواتین اگر اپنی علیحدہ جماعت قائم کر لیں، تو ان کی امام درمیان صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائے، مردوں کے امام کی طرح صف سے آگے نہ کھڑی ہو:

﴿293﴾ ربطہ حنفیہ کہتی ہیں: کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عورتوں کی فرض نماز میں امامت کی اور ان کے درمیان کھڑی ہوئیں ”أن عائشة أمّتهنّ وقامت بينهنّ في صلاة مكتوبة“ (۴)

﴿294﴾ حمیرہ بنت حصینؓ کہتی ہیں: حضرت ام سلمہؓ نے عورتوں کی نماز عصر کی امامت کی تو ان کے بیچ میں کھڑی ہوئیں ”أمّتنا ام سلمة في صلاة العصر فقامت بينها“ (۵)

(۱) سنن کبریٰ للبیہقی: باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود، حدیث: ۳۰۱۴۰، یہ حدیث عطاء کی وجہ سے بہت ضعیف ہے۔

(۲) مصنف عبد الرزاق: حدیث: ۵۰۶۸۴، تمام روایات ثقہ ہیں۔

(۳) جامع المسانید: ۴۰۰/۱، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ سند صحیح ہے، پھر انہوں نے اس کے صحیح ہونے پر لمبا کلام کیا ہے۔ (اعلاء السنن: ۲۷/۳)

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب المرأة تؤم النساء، حدیث: ۵۰۸۶، اس کو دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، نووی نے ”خلاصہ“ میں اسے صحیح کہا ہے۔ (نصب الراية: باب الامامة، ۲۱/۲، دارالحدیث، مصر)

(۵) مصنف عبد الرزاق: باب المرأة تؤم النساء، حدیث: ۵۰۸۴، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کو دارقطنی اور بیہقی نے صحیح سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (خلاصة الأحكام، فصل في ضعيفه، حدیث: ۳۵۸)

اس کو ابن شیبہ اور امام شافعی نے روایت کیا ہے، نووی نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے، علامہ زیلعی نے یہ بات ”نصب الراية“ میں کہی ہے۔ (نصب الراية: باب الامامة، ۲۱/۲)

عورت مردوں کی امامت نہیں کر سکتی:

﴿295﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت امامت نہ کرے: ”لا تؤم المرأة“ (۱)

عورتوں پر اذان و اقامت نہیں ہے :

﴿296﴾ نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: عورتوں پر اذان ہے اور نہ اقامت ”لیس علی النساء اذان ولا اقامة“ (۲)

ایسے ہی یہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (۳)  
اپنے امام کے سہو اور غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے خواتین آواز سے تسبیح نہ پڑھیں؛ بلکہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر تھپ تھپا دیں۔

﴿297﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی پاک ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز میں (سہو کے موقع پر) تسبیح مردوں کیلئے اور تصفیق عورتوں کیلئے ہے۔ (۴)

نوٹ: بعض لوگ عورتوں اور مردوں کے نماز کے درمیان فرق کے نہ ہونے کو اس روایت کے عموم سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں: ”صلوا کما رأیتمونی اصلی“ تم نے مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اس طرح نماز پڑھو (۵) اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جس طرح نماز پڑھی ہے اسی طریقہ پر نماز پڑھنا چاہیئے، کیوں کہ آپ ﷺ کا یہ خطاب اور حکم پوری امت کو ہے، جس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی داخل ہیں اور مرد و عورت کی نماز میں تفریق کی صورت میں آپ ﷺ کے اس ارشاد کے خلاف لازم آتا ہے؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جیسے میں نے تم کو تعلیم دی ہے، ویسے

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرہ أن تؤم المرأة، علامہ مظفر احمد عثمانی نے فرمایا: اس کے تمام رجال (راوی) ثقہ قابل اعتماد ہیں اور اس کی سند صحیح ہے: اعلاء السنن ۲۱۵/۴

(۲) مصنف ابن عبد الرزاق: باب هل علی المرأ اذان واقامة، حدیث: ۵۰۲۲، علامہ حجر نے فرمایا ہے: اس حدیث کو بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ موقوفاروایت کیا ہے۔ (التلخیص الحبییر: باب الأذان، حدیث: ۳۱۲)

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب هل علی المرأة اذان واقامة ۵۰۲۲

(۴) مسلم: باب تسبیح الرجل وتصفیق المرأة اذا نابهما شیئ فی الصلاة، حدیث: ۲۲۲

(۵) بخاری: کتاب الأذان: ۸۸

نماز پڑھو، مردوں کو جیسے تعلیم دی ہے، وہ اسی طریقہ پر نماز پڑھیں اور عورتوں کو جس طرح تعلیم دی ہے، وہ اسی کے مطابق نماز ادا کریں؛ ورنہ اس حدیث کا کیا جواب ہوگا، جس میں آپ ﷺ نے خود فرمایا ”عورت اس بارے میں مرد کی طرح نہیں ہے“ نیز ان احادیث کا کیا جواب ہوگا جو اپردہ کر کی گئی ہیں؟

اگر اس کا ظاہری مطلب ہی مراد لیتے ہیں تو ایسے ہونا چاہیے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے سارے لوگ اس روایت پر عمل کرتے ہوئے تکبیر بلند آواز سے کہیں، اور جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ بھی زور سے پڑھیں، اور اس کے بعد کی سورت بھی پڑھیں اور بلند آواز سے پڑھیں؛ کیونکہ آپ نے بھی ایسے ہی نماز پڑھی ہے، اس کا یہ مطلب کسی نے نہیں لیا۔

جس طرح یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو تکبیر بلند آواز سے اور قرأت زور سے اس وقت کرتے تھے، جبکہ آپ ﷺ امام ہوتے اور اسی کے مطابق امام کو کرنا چاہیے اور مقتدی ہونے کی حالت میں آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، اس لئے مقتدی کو اس کی اجازت نہیں ہوگی، خود اس تاویل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تعلیم دی گئی ویسے نماز پڑھو، نہ یہ کہ جیسا مجھ کو دیکھتے ہو ویسا کرو۔

مرد و عورت کے نماز کے فرق کا انکار کرتے ہوئے یہ اثر بھی پیش کیا جاتا ہے، جسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت مکحول سے نقل کیا ہے کہ ”ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور وہ بڑی فقیہ تھیں۔“ (۱)

اس کا جواب یہاں تو یہ ہے کہ یہ ام درداء صحابیہ نہیں ہیں، یہ ایک تابعیہ بزرگ خاتون ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں کہا ہے۔

لہذا ان کا یہ عمل دیگر مجتہدینؒ اور صحابہؓ کے مقابلہ میں قابلِ حجت و دلیل نہیں ہو سکتا، ان کا یہ قول نہ صرف مجتہدینؒ اور صحابہؓ کے عمل کے خلاف ہی نہیں، حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف بھی ہے جیسا کہ فرق کے بارے میں روایات گزریں، البتہ یہ حضرت ام درداء بڑی فقیہ اور نیک خاتون تھیں اس لئے ان کے اس عمل کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے اس طرح کسی عذر کی بناء پر کیا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مکحول کا یہ کہنا کہ وہ مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں تو ممکن ہے کہ

اس سے ان کی مراد بعض کیفیتوں میں مرد کی طرح بیٹھنا ہو جیسا کہ بعض ائمہ کا مسلک ہے، جیسے امام شافعیؒ کے نزدیک آخری قعدہ میں مرد و عورت دونوں اس طرح بیٹھیں کہ دونوں پیر داہنی طرف نکال دیں گے، سرین کے بل زمین پر بیٹھیں گے، اس کے باوجود بعض کیفیتوں میں دونوں کے درمیان فرق کو انہوں نے کہا ہے، رکوع و سجدے کے فرق کو انہوں نے تسلیم کیا ہے، تو جس طرح امام شافعیؒ کے یہاں مرد و عورت کے بیٹھنے کا طریقہ ایک ہونے کے باوجود بعض کیفیتوں میں ان کے یہاں بھی فرق ہے تو ممکن ہے حضرت ام درداء کا مسلک بھی یہی ہو۔

مرد و عورت کی نماز کے اس فرق کو چاروں ائمہؒ نے تسلیم کیا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے ”کتاب الائم“ میں عورت کیلئے نماز میں رکوع سجدہ اور جلسہ وغیرہ میں فرق کے ملحوظ ہونے کو بتلایا ہے۔ (۱)

ایسے ہی امام مالکؒ کے یہاں بھی اس فرق کو پیش نظر رکھنے کی بات کہی ہے؛ چنانچہ اس کیلئے ملاحظہ ہو۔ (۲)

امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس فرق کو ملحوظ رکھنے کی بات کہی ہے، مذکورہ بالا امور میں اس فرق کی بات (۳) میں دیکھ لیا جائے۔



(۱) کتاب الائم للامام الشافعی: ۱۱۵/۱

(۲) شرح الرسالة علی هامش کفایة الطالب الربانی: ۲۱۷/۱

(۳) الروض المربع: ۱۸۳

## محلہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ ہے

محلہ کی مسجد میں دوسری جماعت (جماعتِ ثانیہ) کروانا مکروہ ہے؛ کیونکہ اگر جماعت کی جائے گی تو جماعت کا اہتمام ہی فوت ہو جائے گا؛ چونکہ مقصود یہ ہے کہ جماعت میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور تکرار جماعت سے جماعت کے مختصر ہونے کا اندیشہ ہے، حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول تھا وہ جماعت کے چھوٹ جانے پر تنہا نماز ادا کرتے۔

298 ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو نماز میں شریک نہ پایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرا ارادہ ہے کہ کسی سے کہہ دوں کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر لگا کر ان کے گھروں کو جلا دیں، ان میں سے کوئی شخص یہ جان لے کہ اسے موٹی تازہ ہڈی ملے گی تو وہ ضرور آئے گا۔  
ثم اخالف الى رجال يتخلفون عنها فامر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم، ولو علم أحد هم أنه يجد عظمًا سمينًا يشهد بها يعني صلاة العشاء (۱)  
اس روایت سے پتہ چلا کہ اگر جماعتِ ثانیہ (دوسری جماعت) میں کراہت نہ ہوتی آپ ﷺ جماعتِ اولیٰ میں شریک نہ ہونے والوں پر اس قدر غم و غصہ کا اظہار نہ فرماتے؛ چونکہ ان کیلئے جماعتِ ثانیہ کا ملنا ممکن ہوتا اس کے علاوہ خود آپ ﷺ سے کسی ضرورت کے موقع سے محلہ کی مسجد میں جماعت کروانے کا ذکر نہیں ملتا؛ بلکہ ایک موقع سے کسی وجہ آپ ﷺ کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ ﷺ نے اس موقع سے جماعتِ ثانیہ نہیں کروائی، آپ ﷺ اپنے گھر چلے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز پڑھی۔

299 ﴿﴾ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے اطراف سے تشریف لائے، آپ ﷺ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا؛ لیکن آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں؛ لہذا آپ ﷺ اپنے گھر چلے گئے، اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز پڑھائی ”فوجد



الناس قد صلّوا، فمال الی منزله، فجمع أهله فصلی بهم“ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت ثانیہ میں شرکت کو مکروہ و ناپسندیدہ سمجھا۔

﴿300﴾ حضرت میمونہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سلیمانؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ میں موضع بلاط میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، آپؓ نے فرمایا: میں نماز پڑھ چکا ہوں، اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ تم ایک نماز دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو ”انسی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا تصلوا صلاة فی یوم مرتین“ (۲)

﴿301﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ حضرت علقمہؒ اور اسودؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں آئے، لوگوں نے ان کا استقبال کیا، اس حال میں کہ لوگ نماز پڑھ چکے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کو لے کر ایک گھر چلے گئے، ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی ”فاستقبلہم الناس قد صلّوا، فرفع بہما الی البیت، فجعل احدهما عن یمینہ و الآخر عن شمالہ ثم صلی بہما“ (۳)

﴿302﴾ حضرت عبدالرحمن بن محمرؒ فرماتے ہیں کہ میں سالم بن عبداللہ کے ساتھ (نماز پڑھنے کیلئے) مسجد جھ گیا، لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے، لوگ کہنے لگے: آپ جماعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ حضرت سالمؒ نے فرمایا: ایک مسجد میں ایک نماز کی دو دفعہ جماعت نہیں کروائی جاسکتی ”لا تجمع صلاة واحدة فی مسجد مرتین“ ابن القاسمؒ کہتے ہیں: مجھے ابن وہبؒ نے بہت سے اہل علم کی طرف سے خبر دی ہے، حضرت ابن شہاب زہریؒ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ، حضرت ربیعہ بن علیؒ اور حضرت لیثؒ کے متعلق اسی عمل کی ”اخبرنی رجال من اهل العلم عن ابن شہاب ویحییٰ بن سعید و ربیعہ مثله“ (۴)

(۱) مجمع الزوائد: باب فیمن جاء الی المسجد فوجد الناس قد صلّوا، حدیث: ۲۱۷۷، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۲) ابوداؤد: باب اذا صلی فی جماعة، ثم ادرک جماعة عید، حدیث: ۵۷۹، حافظ ابن حجر ”تلخیص الحبیر“ ۲۵۶/۱، کتاب التیمم“ میں فرماتے ہیں: اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن السکن نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) مصنف عبد الرزاق: باب الرجل یؤم الرجلین والمرأة، حدیث: ۳۸۸۳، یہ سند صحیح ہے۔

(۴) المدونة الكبرى لمالك: ۹۰/۱، اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں، ہمیں یاد ہے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز حضور ﷺ کے ساتھ فوت ہو گئی تھی تو انہوں نے حضور ﷺ کو اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود اکیلے نماز پڑھی تھی؛ حالانکہ وہ جماعت ثانیہ کروانے پر قادر تھے، ایسے ہی کچھ لوگوں کی جماعت سے نماز رہ گئی تو وہ مسجد میں آئے، اور ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی تھی؛ حالانکہ وہ بھی قادر تھے کہ مسجد میں جماعت ثانیہ کروالیں؛ لیکن پھر بھی ہر ایک نے الگ الگ نماز پڑھی اور انہوں نے جماعت کروانے کو اس وجہ سے مکروہ سمجھا کہ وہ مسجد میں دو مرتبہ جماعت کروانے کے مرتکب نہ ہوں: ”فصلی کل واحد منهم منفرداً، وانما کرھوا للثلا یجمعوا فی مسجد مرتین“ نیز امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اہل محلہ کیلئے تکرار جماعت کو اس وجہ سے ناپسند کرتا ہوں کہ یہ ایسا کام ہے جو ہمارے اسلاف (صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، وتبع تابعین) نے نہیں کیا؛ بلکہ بعض نے تو اسے معیوب سمجھا ہے۔ (۱)

پھر ایک جگہ امام شافعیؒ نے جماعت ثانیہ کی کراہت کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ اس میں اجتماعیت اور مسلمانوں کا اتحاد مفقود ہو جاتا ہے، جو جماعت کے ساتھ نماز کا اصلی مقصود ہے، جان بوجھ کر لوگ امام مسجد کے ساتھ باجماعت نماز کی ادائیگی کو چھوڑ کر بعد میں آ کر دوسری جماعت سے نماز پڑھنے لگیں گے۔

جماعت ثانیہ کے جواز پر یہ جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کے نماز پڑھنے کے بعد (جماعت ہونے کے بعد) آیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کون شخص اس کے ساتھ نماز پڑھ کرنے کی تجارت کرے گا، تو ایک شخص کھڑے ہوئے، اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ (۲)

یہ حدیث اگرچہ سند کے اعتبار سے قوی ضرور ہے، مگر اس سے جماعت ثانیہ کے جواز پر استدلال اس واسطے درست نہیں ہے کہ یہاں پر نفل پڑھنے والے نے فرض پڑھنے والے کی اقتداء کی ہے، اس کے جواز سے کسی کو انکار نہیں، بات یہ ہے کہ کوئی فرض پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کر سکتا ہے یا نہیں؟

ایک دوسری روایت بھی پیش کی جاتی ہے جسے امام بخاریؒ نے تعلیقا ذکر کیا ہے کہ حضرت

(۱) کتاب الاثم: ۱۸۱/۱، دار الفکر للطباعة والنشر

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلی فیہ، حدیث: ۲۲۰،

انس رضی اللہ عنہ اس مسجد میں تشریف لائے، جہاں جماعت کے ساتھ نماز ہو چکی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ (۱)

جماعت ثانیہ کے جواز پر اس روایت سے استدلال اس طرح درست نہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ باجماعت نماز کسی راستے کی مسجد میں پڑھی ہو جس میں کوئی امام یا مؤذن مقرر نہ ہو، مسند ابویعلیٰ میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد ثعلبہ تھی اور اس نام سے معروف کوئی مسجد مدینہ میں نہیں تھی (۲) یہ اس وجہ سے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نہ صرف جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے، بلکہ نماز سے پہلے اذان و اقامت بھی کہی ہے، جس کی اجازت جماعت ثانیہ کے جواز کے قائلین بھی نہیں دیتے۔ اوپر کے روایات کو ملحوظ رکھ کر جماعت ثانیہ کے حوالے سے فقہاء کی ذکر کردہ تفصیل ملاحظہ کی جائے:

(الف) ایسی مسجد جس میں کوئی امام یا مؤذن مقرر نہ ہو، جیسا کہ ویران، غیر آباد مقامات میں ہوا کرتا ہے، تو وہاں اذان و اقامت کے ساتھ بھی مکرر جماعت کی جاسکتی ہے۔ (۳)  
اگر مقررہ امام یا مؤذن ہو تو اذان و اقامت کے ساتھ دوسری نماز مکروہ ہے۔  
(ب) اگر دوسری جماعت میں تین سے زیادہ افراد نہ ہوں، تب بھی مکروہ نہیں، یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (۴)

(ج) امام ابوحنیفہ کے ممتاز شاگرد قاضی ابو یوسف سے مروی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی ہیئت پہلی جماعت سے مختلف ہو تو اس صورت میں بھی بغیر اذان و اقامت کے دوسری جماعت کی جاسکتی ہے، ہیئت کے مختلف ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ پہلی جماعت مسجد کے جس حصے میں ہوئی ہے اس حصہ سے ہٹ کر دوسری جماعت کی جائے، اسی پر فقہاء نے فتویٰ دیا ہے۔ (۵)  
بہر حال اہل محلہ کو مذکورہ بالا روایات کے پیش نظر بار بار جماعت سے بچنا چاہئے، ورنہ جماعت کی اہمیت لوگوں کے دل سے رخصت ہو جائے گی، اور لوگ سستی اور کسل مندی میں مبتلا ہو جائیں گے اور گمراہ فرقوں کے لوگ مسجد کے متعینہ امام کو چھوڑ کر اہل حق کی مساجد میں الگ جماعتوں کا رواج شروع کر دیں گے۔ اتفاقاً دوسری جماعت کرنے میں مضائقہ نہیں، اسی طرح مسافروں کیلئے بھی جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

(۱) بخاری: باب فضل صلاة الجماعة، فوق الحديث: ۶۳۵

(۲) فتح الباری: ۱۰۹/۲

(۳) رد المحتار: ۶۴/۲

(۴-۵) کبیری: ۵۷۰

## نماز وتر

نماز وتر واجب ہے، آنحضرت ﷺ نے مختلف روایات میں حق اور واجب کے جوا الفاظ استعمال فرمائے ہیں، اور اس کے قضاء کی جوتا کیدی کی ہے، اور بغیر کسی عذر کے اس کو بیٹھ کر اور سواری پر اس کو پڑھنے کی ممانعت اور دیگر طریقے سے اس کے اہتمام و فضیلت کو جو بیان کیا گیا ہے، یہ اس کے واجب ہونے کو بتاتا ہے؛ لہذا اس کا چھوڑنے والا گنہگار ہوگا۔

﴿303﴾ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں امداد پہنچائی ہے یا تمہارے لئے ایک نماز ازائد عطا کی ہے، جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے اور وہ نماز وتر ہے، ”انّ اللہ امدکم بصلاة ہی خیر لکم من حمر النعم وھی الوتر“ (۱)

﴿304﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سو گیا، یا بھول گیا، تو جب صبح ہو جائے یا جب اُسے یاد آئے تو اس کو پڑھے ”من نام عن وتره أو نسیه فليصله اذا أصبح أو ذكره“ (۲)

﴿305﴾ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: وتر (حق) واجب ہے ”الوتر حق واجب“ (۳)

(۱) ابوداؤد: باب استحباب الوتر، حدیث: ۱۴۲۰، مستدرک حاکم: کتاب الوتر، حدیث: ۱۱۴۸، حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح السند ہے، یحییٰ نے اس حدیث کی تخریج نہیں کی ہے، ذہبی نے تلخیص میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، حاکم نے اسے صحیح علی شرط یحییٰ قرار دیا ہے۔

(۲) ابوداؤد: باب فی الدعاء بعد الوتر، حدیث: ۱۴۳۳، مستدرک حاکم: کتاب الوتر، حدیث: ۱۱۴۷، حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یحییٰ نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے اسے ”تلخیص“ میں یحییٰ کی شرط پر قرار دیا ہے۔

(۳) سنن دارقطنی: باب الوتر بخمس أو بثلاث أو باکثر من خمس، احمد اور ابن حبان نے اس حدیث کی تخریج کی ہے، لفظ ”واجب“ یا اصحاب ”سنن“ کے پاس نہیں ہے ”تعلیق المغنی“ میں ہے: اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ علامہ حجر فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں اور یہ روایت ابوداؤد کے یہاں بھی ہے۔ (التلخیص الحبیبر، باب صلاة التطوع، حدیث: ۵۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

﴿306﴾ رواہ ابو داؤد هذه الرواية بألفاظ تزيد: ”فليس منا“ عن عبد الله بن بريدة عن ابيه عن النبي ﷺ (۱) ابو داؤد نے اس روایت کو ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے، ”فليس منا“ وہ ہم میں سے نہیں۔

﴿307﴾ حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا کہ وتر واجب ہے؟ تو عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھی اور مسلمان بھی پڑھتے رہے، ”فقال عبد الله بن عمر: قد أوتر رسول الله ﷺ وأوتر المسلمون“ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ شخص آپ ﷺ سے بار بار یہی پوچھتا رہا اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ یہی فرماتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھی اور مسلمان بھی پڑھتے رہے ”قال فجعل الرجل يُرَدِّد عليه وعبد الله بن عمر رضى الله عنهما يقول: أوتر رسول الله ﷺ وأوتر المسلمون“ (۲)

### رکعات وتر

نمازوں میں کوئی بھی نماز دو رکعتوں سے کم نہیں، بلکہ اس سے زائد ہے، اسی طرح وتر بھی کم از کم تین ہیں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

﴿308﴾ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے گھر میں یعنی اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر میں رات گزاری، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے، مسواک کیا، وضو فرمایا، اور سورہ ال عمران کے آخری رکوع کی آیات تلاوت فرمائیں، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت نماز ادا

(۱) ابو داؤد: باب فيمن لم يوتر، حدیث: ۱۴۱۹، علامہ نیوی نے کہا ہے: اس کو دارقطنی اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے، یہ روایت ”ابوداؤد“ میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، یہ بات عراقی نے بھی ہے۔ (التعليق الحسن مع اثار السنن: ۳۰۳، باب ما استدلل به على وجوب الوتر)

(۲) مؤطا مالک: باب الأمر بالوتر، حدیث: ۴۰۳، حاکم نے اسے ”مستدرک“ میں صحیح کہا ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے: اثار السنن: ۳۰۱، باب ما استدلل به على وجوب الوتر حافظ نے ”بلوغ المرام“ میں کہا ہے: اس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور اس کی سند میں لین ہے حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، احمد کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ سے اس کا ایک ضعیف ”شہاد“ بھی موجود ہے مندرجہ کرتے ہیں: اس کی سند میں عبد اللہ بن عبد المنیب العنقی ہیں، انہیں ابن معین نے ”ثقة“ اور ابو حاتم نے ”صالح الحديث“ کہا ہے، کما فی العون المعبود۔

فرمائی، بہت طویل قیام کیا، اسی طرح رکوع اور سجود بھی طویل فرمایا، بعدہ آپ ﷺ سو گئے، یہاں تک آپ ﷺ گہری نیند آ گئی، پھر آپ ﷺ نے یہ عمل تین مرتبہ کیا اور پھر مسواک اور وضو کر کے دو رکعت ادا فرماتے اور ہر مرتبہ ”سورہ ال عمران“ کی آیات تلاوت فرماتے، یہ چھ رکعات ہوئیں، (پہلی دو لمبی رکعت بھی اس کے ساتھ ملائی جائیں تو یہ جملہ آٹھ رکعات ہوئیں) ”ثم اوتر بثلاث“ پھر آپ ﷺ نے تین رکعات وتر ادا فرمائی۔ (۱)

﴿309﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھتیجے ابوسلمہؓ نے آنحضرت ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز کے متعلق دریافت کیا تو ام المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے، پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، ان کے حسن اور لمبائی کی بارے میں کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تھے، ان کے حسن اور لمبائی کے بابت کچھ نہ پوچھو، پھر تین رکعات (وتر) پڑھتے تھے ”ثم یصلی ثلاثاً“ (۲)

﴿310﴾ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو پہلے آٹھ رکعت پڑھتے تھے، پھر تین رکعات وتر پڑھتے، پھر دو رکعت (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے تھے: ”کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ثمان رکعات ویوتر بثلاث و یصلی رکعتین قبل صلاة الفجر“ (۳)

﴿311﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے، پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکفرون“ تیسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ اور کبھی معوذتین پڑھتے تھے ”کان النبی ﷺ یوتر بثلاث یشتر فی اول رکعة“ (۴)

(۱) مسلم: باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامہ، حدیث: ۷۲۳

(۲) مسلم: باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی، حدیث: ۷۳۸

(۳) نسائی: باب ذکر الاختلاف علی حبیب بن ثابت فی حدیث ابن عباس فی الوتر، حدیث: ۷۰۸، حافظ نے ”تلخیص“ میں کہا ہے: عقیلی نے اس کی سند کو صالح کہا ہے، ”نصب الرایہ“ میں ہے: نوویؒ نے ”خلاصہ“ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے، عراقی اور علامہ نیوی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۶/۲۵۸)

(۴) ترمذی: باب ماجاء فیما یقرأ بہ فی الوتر، حدیث: ۴۶۳، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (اثر السنن: ۳۱۸، باب الوتر بثلاث)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: ”والذی اختارہ اکثر اہل العلم من اصحاب النبی ﷺ ومن بعدهم أن یقرأ بسبّح اسم ربك الأعلى، وقل یا ایہا الکفرون، قل هو اللہ احد، یقرأ فی کل رکعة من ذلك بسورة“ کہ جمہور صحابہؓ کو بھی تین رکعت وتر پسند تھے، آنحضرت ﷺ کے اکثر صحابہؓ اور بعد میں آنے والے جمہور اہل علم کا پسندیدہ عمل یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں ”سبّح اسم ربك الأعلى“ دوسری رکعت میں ”سورة الکفرون“ اور تیسری میں ”سورة اخلاص“ پڑھی جائے۔

﴿312﴾ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی رکعت میں ”سبّح اسم ربك الاعلی“ پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکفرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ اور آپ ﷺ وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے، سلام اخیر میں پھیرتے تھے، اور سلام کے بعد تین دفعہ ”سبحن الملك القدوس“ پڑھتے تھے۔ (۱)

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ وتر تین رکعات ہیں، نیز تین رکعات کے جواز پر تمام علماء امت کا اجماع ہے، جبکہ ایک رکعت وتر پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، جن روایات میں ایک رکعت کا ذکر ہے، وہ مؤول ہیں یعنی ایک رکعت جو دو کے ساتھ ملائی جائیں۔

## وتر میں ایک سلام

وتر کی تینوں رکعات میں صرف ایک ہی سلام آخر میں ہے :

﴿313﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے ”کان لا یسلّم فی رکعتی الوتر“ (۲)

﴿314﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے، اور سلام اخیر میں پھیرتے تھے، ”یوتر بثلاث لا یسلّم الا فی اخرهن“

(۱) نسائی: باب نوع اخر من القرأۃ فی الوتر، حدیث: ۱۷۳۰، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (اثر السنن: ۳۱۵، باب الوتر بثلاث رکعات)

(۲) نسائی: باب کیف الوتر بثلاث، حدیث: ۱۶۹۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں اس کو نسائی اور دیگر لوگوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۱۶، باب الوتر بثلاث رکعات) ”مختصر کتاب الوتر للمقریزی“ میں ہے: اس کی سند صحیح ہے، حاکم نے اسے تیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (کتاب الوتر، حدیث: ۱۱۳۹)

اور یہی طریقہ وتر کا امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تھا، ”و هذا وتر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب“ (۱)

﴿315﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کی نماز دو رکعت ہوتی ہے، پھر جب تمہارا فارغ ہو جانے کا ارادہ ہو تو ایک رکعت اور پڑھ لو یہ تمہاری پڑھی ہوئی نماز کو وتر بنادے گی، ”صلاة الليل مشني مشني فاذا أردت أن تنصرف فاركع ركعة توتر لك ما صليت“ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو دیکھا جب سے ہم نے ہوش سنبالا کہ وہ وتر تین ہی پڑھتے تھے ”قال القاسم: رأينا أناسا منذ أدر كنا يوترون بثلاث“ (۲)

﴿316﴾ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”الصلاة مشني مشني تشهد في كل ركعة“ ہر نماز دو دو رکعت ہوتی ہے، ہر دو رکعت پر تشہد ہے۔ (۳) مطلب یہ ہے کہ ہر نماز کی دوسری رکعت میں التحیات اور تشہد ہے؛ لہذا وتر میں اس عمومی قاعدہ کے تحت تشہد اور التحیات ضروری ہوگا، مزید اس عمومی قاعدہ کے تحت ایک رکعت وتر علیحدہ پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

﴿317﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کی نماز دن کی وتر ہیں، تم رات کی نماز کو وتر بناؤ، ”صلاة المغرب وتر النهار، فأوتروا صلاة الليل“ (۴) ﴿318﴾ اس حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں: الوتر ثلاث كوتر النهار صلاة المغرب“ وتر کی تین رکعات ہیں، دن کی وتر مغرب کی طرح۔ (۵)

(۱) مستدرک حاکم: کتاب الوتر، حدیث: ۱۱۴۰، حاکم نے اس روایت کے بارے میں خاموشی اختیار کیا ہے، زیلعی نے ”نصب الراية“ میں کہا ہے: علامہ ذہبی نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے اور یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔

(۲) بخاری: باب ما جاء في الوتر، حدیث: ۹۴۸

(۳) ترمذی: باب التخشع في الصلاة، حدیث: ۳۸۵

(۴) معجم اوسط: حدیث: ۸۴۱۴، مع تحقیق طارق بن عوض اللہ، ”زرقانی علی المؤطا“ میں عراقی نے کہا ہے: اس کو ابن ابی شیبہ اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ شیبہ الارنوط کہتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مسند احمد: مسند عبد اللہ بن عمر، حدیث: ۴۸۴۷)

(۵) شرح معانی الآثار: حدیث: ۱۲۱۳، مع تحقیق زہری النجار، علامہ یثقی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۱۹، باب الوتر بثلاث) علامہ یثقی فرماتے ہیں کہ: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب عدد الوتر، حدیث: ۳۴۵۵)



ان روایات سے پتہ چلا کہ وتر تین رکعت ہے ایک سلام کے ساتھ، جس میں دو رکعت پر تعدہ ضروری ہے، تین رکعت ہونے کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔

﴿319﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد اپنے اس دن کی رہ گئی وتر پڑھنے لگے تو اصحاب رسول ﷺ کے جم غفیر نے آپ رضی اللہ عنہ کی اقتداء کی، راوی کا بیان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر پڑھائی، صرف اخیر میں سلام پھیرا: ”فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی اخرهن“ (۱)

﴿320﴾ ہمیں حدیث بیان کی ابن وہب نے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے خبر دی ابن الزناد نے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے مدینہ طیبہ میں فقہاء کے قول کے مطابق وتر تین رکعت مقرر کر دئے تھے، جن میں صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا تھا، ”اثبت عمر بن عبد العزیز الوتر لقول الفقهاء ثلاثاً لم یسلم الا فی اخرهن“ (۲)

﴿321﴾ ہم سے حدیث بیان کی عبد الرحمن بن ابی الزناد نے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے روایت کی فقہاء تابعین یعنی سعید بن مسیبؓ، عمرو بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؓ، ابو بکر بن عبد الرحمنؓ خارجہ بن زیدؓ، عبید اللہ بن عبد اللہؓ اور سلیمان بن یسارؓ رحمہم اللہ سے اور ان کے علاوہ دوسرے فقیہ اہل صلاح اور صاحب فضل بزرگوں کی موجودگی میں یہ روایت کی کہ یہ بزرگ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو اس شخص کے قول پر عمل کرتے جو زیادہ ذی رائے اور صاحب فضل ہوتا، میں نے جو باتیں ان سے یاد کی ہیں اس طریقہ پر ان میں سے ایک یہ ہے کہ وتر تین رکعات ہیں، سلام فقط آخر میں پھیرا جائے گا۔ (۳)

**نوٹ:** حنفی کیلئے تین رکعت نماز وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم ہے، لیکن یہ مسئلہ اس وقت دشوار ہو جاتا ہے، جب رمضان میں نماز وتر حرمین میں پڑھی جا رہی ہو؛ چونکہ دیگر ائمہ کے مسلک کے مطابق وہاں وتر دو سلام سے پڑھی جاتی ہے، ایسی صورت میں حنفی کیلئے نہ وہاں سے باہر جانے کی کوئی شکل ہوتی ہے اور نہ الگ سے وتر پڑھنے کی کوئی گنجائش ہوتی ہے کہ

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کان یوتر بثلاث أو اکثر، ۶۸۹ علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۱۸، باب الوتر بثلاث)

(۲) شرح معانی الآثار: باب الوتر، ۱۶۲۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۲۰، باب الوتر بثلاث)

(۳) شرح معانی الآثار: حدیث: ۱۶۲۷، باب الوتر، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ (اثر السنن: ۳۲۰، باب الوتر بثلاث)

اس کی وجہ سے ایک بڑے مجمع سے مخالفت ہو جاتی ہے، اس لئے ایسی صورت میں خفی کیلئے دو سلام سے وتر کی گنجائش ہے۔ (۱)

## دعائے قنوت

وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

﴿322﴾ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ، وَنَسْتَغْفِرُكَ، وَنُؤْمِنُ بِكَ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ، وَنَشْكُرُكَ، وَلَا نَكْفُرُكَ، وَنَخْلَعُ، وَنَتْرُكُ مَنْ یُّفْجِرُكَ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ، وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ، وَالِیْكَ نَسْعٰی، وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ، وَنَخْشٰی عَذَابَكَ، اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ مُلْحِقٌ (۲) اے اللہ! ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں، اور تجھ ہی سے بخشش چاہتے ہیں، تجھ پر ایمان لاتے اور تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں، اور تیری ہی بہترین ثناء بیان کرتے ہیں، اور تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور ناشکری نہیں کرتے اور ہم الگ ہوتے ہیں، اور چھوڑتے ہیں، اس کو جو تیری نافرمانی کرتا ہے، اے اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، اور تیری (رحمت ہی کی) طرف دوڑتے ہیں، ہم تیری بندگی کیلئے حاضر ہوتے ہیں، ہم تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرا عذاب کافروں کو پہنچنے والا ہے۔

﴿323﴾ عاصمؓ کہتے ہیں: میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا رکوع کے بعد؟ تو حضرت انسؓ نے کہا: رکوع سے پہلے پڑھنی چاہئے، ”قال: قبل الرکوع“ تو میں نے کہا: کچھ لوگ کہتے ہیں، آپؐ نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ رکوع کے بعد پڑھتے تھے، تو حضرت انسؓ نے فرمایا، اُس نے غلط کہا ہے، پھر حضرت انسؓ نے آنحضرتؐ سے حدیث بیان کی کہ آپؐ نے صرف ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی: ”اَنَّهُ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ“ (۳)

یعنی رکوع کے بعد قنوت پڑھنا نوازل میں ہوتا ہے، یعنی جب کوئی حادثہ یا مصیبت مسلمانوں پر آئے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھے، جیسا کہ آپؐ کا معمول تھا۔

(۱) انوار المناسک، مؤلف: مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی قنوت الوتر من الدعاء، حدیث: ۲۹۶۵

(۳) بخاری: باب القنوت قبل الرکوع وبعد الرکوع، حدیث: ۱۰۰۲

﴿324﴾ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے، ”کان یوتر فیقنت قبل الرکوع“ (۱)

## قنوت سے پہلے رفع یدین

قنوت وتر سے پہلے رفع یدین ثابت ہے:

﴿325﴾ قنوت وتر میں رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) کے سلسلے میں امام بخاریؒ اپنے رسالہ ”جزء رفع الیدین“ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ نقل کرتے ہیں: ”انہ کان یقرأ فی اخر رکعة من الوتر ”قل هو اللہ احد“ ثم یرفع یدیه، فیقنت قبل الرکوع“ کہ وہ وتر کی آخری رکعت میں ”قل هو اللہ احد“ پڑھتے تھے، پھر ہاتھ اٹھاتے تھے، اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (۲)

﴿326﴾ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے: ”رفع یدیه فی القنوت“ کہ وہ قنوت پڑھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ (۳)

﴿327﴾ حضرت جعفر بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو عثمان نے حدیث نقل کی، فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کی امامت کرتے تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیں قنوت پڑھاتے تھے، آپؓ (قنوت کیلئے) رکوع سے پہلے رفع یدین کرتے، اپنے ہتھیلیوں کو کھولتے اور بازو نکالتے ”ثم یقنت بنا عند الرکوع، یرفع یدیه؛ حتی یدلو کفاه ویخرج ضبعیه“ (۴)

## قنوت رکوع سے پہلے

دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا چاہئے:

﴿328﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ رکوع کے بعد پڑھا جائے یا قرأت سے فارغ ہو کر، آپؓ نے فرمایا

- (۱) ابن ماجہ: باب ما جاء فی القنوت قبل الرکوع وبعده، حدیث: ۱۱۸۲، علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (آثار السنن: ۳۲۵، باب قنوت الوتر قبل الرکوع)
- (۲) جزء رفع الیدین: ۲۸، اس کی سند صحیح ہے۔ (بدائع الفوائد لابن قیم: ۱۱۴/۴)، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۳۲۸، باب رفع الیدین عند قنوت الوتر)
- (۳) قرة العینین برفع الیدین فی الصلوة، حدیث: ۹۵، ناشر دار ارقم کویت، اسے امام بخاریؒ نے صحیح کہا ہے۔
- (۴) جزء رفع الیدین للامام البخاری: ۱۸

قرأت سے فارغ ہو کر ”سأل رجل انساً رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عن القنوت: أبعد الركوع أو عند الفراغ من القراءة، قال: لا؛ بل عند الفراغ من القراءة“ (۱)

﴿329﴾ نسائی کی روایت حضرت ابی بن کعب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے اس بارے میں منقول ہے: ”ویقنت قبل الركوع“ کہ آپ دعائے قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے۔ (۲)

﴿330﴾ حضرت ابی بن کعب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر پڑھتے تو دعائے قنوت رکوع میں جانے سے پہلے پڑھتے تھے ”ان رسول اللہ یوتر، فیقنت قبل الركوع“ (۳)

﴿331﴾ حضرت عاصم احوّل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے قنوت (وتر) کے متعلق پوچھا، تو آپؓ نے فرمایا: قنوت تو تھی، میں نے عرض کیا رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد، آپؓ نے فرمایا: پہلے، ”قلت قبل الركوع أو بعده، قال: قبله“ حضرت عاصم احوّل کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے مجھے آپؓ کی جانب سے یہ خبر دی ہے کہ آپؓ نے فرمایا ہے کہ رکوع کے بعد ہے، آپؓ نے فرمایا: اس نے غلط کہا ہے، یقیناً رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینے قنوت پڑھی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ آپؓ نے ستر کے قریب افراد کی ایک جماعت کو جنھیں ”قراء“ کہا جاتا تھا، مشرکین کی طرف بھیجا تھا۔ جنھیں شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ مشرکین ان کے علاوہ تھے (جن کیلئے آپؓ نے بددعاء کی تھی) ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے تک (رکوع کے بعد) قنوت پڑھی، آپؓ ان کیلئے بددعاء فرماتے تھے۔ (۴)

﴿332﴾ حضرت علقمہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اور آنحضرت ﷺ کے دوسرے صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْہُمْ وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے ”کانوا یقنتون فی الوتر قبل الركوع“۔ (۵)

(۱) بخاری: باب غزوة الرجیع ورعل و ذکوان، حدیث: ۳۸۶۰

(۲) نسائی: ذکر اختلاف الناقلین بخبر ابی بن کعب، حدیث: ۱۶۹۹، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ترمذی کے علاوہ پانچوں نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۱۳، باب الوتر بثلاث رکعات)

(۳) ابن ماجہ: باب ما جاء فی القنوت قبل الركوع، حدیث: ۱۱۸۲، علامہ یعنی ”عمدة القاری، باب القنوت قبل الركوع“ میں فرماتے ہیں: نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ابی بن کعب سے یہ روایت نقل کی ہے۔

(۴) بخاری: باب القنوت قبل الركوع وبعده، حدیث: ۱۰۰۱

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی القنوت قبل الركوع أو بعده، ۶۹۸۳، حافظ نے ”درایہ“ میں اس کی سند کو حسن کہا ہے، ابن الترمکانی نے ”الجوهر النقی“ میں اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(تحفة الاحوذی: باب ما جاء فی القنوت فی الوتر: ۴/۲۶۲)

## سنتیں اور نوافل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض ہیں، گویا وہ اسلام کے رکن اور لازمہ ایمان ہیں، ان کے علاوہ بھی ان نمازوں سے پہلے اور بعد میں دوسرے اوقات میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم نبی کریم ﷺ نے دی ہے، پھر ان میں سے جن کیلئے آپ ﷺ نے تاکید کی الفاظ فرمائے ہیں، یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ عملاً جن کا آپ ﷺ نے بہت زیادہ اہتمام فرمایا ان کو ”عرف عام“ میں ”سنت“ کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ کو نوافل۔

پھر جن سنتوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ کے دربارِ عالی کی خاص الخاص حضوری ہے، اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کر دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور ملأً اعلیٰ سے قرب اور مناسب پیدا کر لی جائے۔

اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ان کی حکمت اور مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو، اس کی تلافی ان کے بعد والے سنتوں اور نفلوں سے ہو جائے۔

فرض نمازوں کے آگے پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے، دن میں ”چاشت“ اور رات میں ”تہجد“ یہ دراصل اللہ سے قریب ہونے کا ارادہ کرنے والوں کی ترقی دینی ابھار کا ایک خاص ذریعہ اور مخصوص نصاب ہے۔

### دن و رات کی بارہ سنتِ مؤکدہ اور ان کی فضیلت

سنتِ مؤکدہ کی تعداد بارہ ہے، جو دوسرے نوافل سے زیادہ اہتمام کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں، ان کی تعداد و فضیلت کا ذکر احادیث میں آیا ہے:

﴿333﴾ اُمّ المؤمنین ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن اور رات میں (علاوہ فرض نمازوں کے) بارہ رکعتیں پڑھے، اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا، وہ یہ ہیں چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو نماز فجر سے پہلے ”من صلی فی یوم وليلة ثنتی عشر رکعة، بُنی له بیت فی الجنة، اربعاً قبل الظهر، و رکعتین بعدها و رکعتین بعد المغرب، و رکعتین بعد العشاء، و رکعتین قبل صلوة الفجر“ (۱)

﴿334﴾ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ”من ثابر علی ثنتی رکعة من السنّة“ (جس نے بارہ سنتوں کی پابندی کی) کے الفاظ ہیں، پھر بقیہ تفصیل اسی روایت کے مثل ہے۔ (۲)

﴿335﴾ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں سنت مؤکدہ نمازوں کی تعداد دس رکعت مذکور ہے، کہ آپ ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھا کرتے تھے (اس کا مطلب ظہر کی سنتوں کے تحت بیان کیا جائے گا)۔ (۳)

## سنت فجر

فجر سے پہلے دو رکعت نماز سنت ہے، اور تمام سنتوں سے فضیلت و اہمیت کی حامل ہے:

﴿336﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے ”رکعتا الفجر خیر من الدنيا وما فیها“ (۴)

﴿337﴾ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں کسی نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے، جتنا کہ فجر کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے ”لم یکن النبی ﷺ علی

(۱) نسائی: باب ثواب من صلی فی الیوم، حدیث: ۱۷۹۴، منذری کہتے ہیں کہ: اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے عشاء کے بعد دو رکعتوں کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ (الترغیب: کتاب النوافل: ۸۳۹)

(۲) ترمذی: باب ماجاء فیمن صلی فی یوم وليلة اثنتی عشرة رکعة من السنّة، حدیث: ۴۱۴ علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابو داؤد کے علاوہ چاروں نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔ (اشار

السنن: ۳۴۱، باب التطوع للصوات الخمس)

(۳) بخاری: باب التطوع بعد المكتوبة، حدیث: ۱۱۷۲

(۴) مسلم: باب استحباب سنة رکعتی الفجر، حدیث: ۷۲۵

شیء من النوافل اشدّ تعاهدًا علی رکعتی الفجر“ (۱)

﴿338﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لا تدعوہما وان طردتکم الخیل“ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، اگرچہ یہ حالت ہو کہ دشمن کے گھوڑے تم روندھ رہے ہوں، یعنی کیسی ہی حالت ہو۔ (۲)

اگر فجر کی سننیں رہ جائیں تو طلوع آفتاب کے بعد قضا کیا جائے:

﴿339﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے فجر کی سننیں نہ پڑھی ہوں، اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے ”من لم یصلی رکعتی الفجر فلیصلہما بعد ما تطلع الشمس“ (۳)

﴿340﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک اور فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے ”ونہی عن الصلوۃ بعد العصر، حتی تغرب الشمس، وعن الصلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس“ (۴)

﴿341﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہ جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں، سنا کہ

(۱) بخاری: باب تعاهد الفجر ومن سمّاها تطوعا، حدیث: ۱۱۱۶

(۲) ابوداؤد: حدیث: ۱۲۵۸، باب فی تخفیفہما، علامہ نیوی فرماتے ہیں اس کو ابوداؤد اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۵۲، باب فی تاکید رکعتی الفجر)، احمد اور ابوداؤد نے الفاظ کے اس اختلاف کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے ”لا تدعو رکعتی الفجر ولو طردتکم الخیل“ عراقی نے کہا ہے: یہ حدیث صالح ہے، اور علقمی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن درج کی ہے: اعلاء السنن: ۵/۷۷ علامہ نووی نے ”خلاصۃ الأحکام“ باب تخفیفہما، حدیث: ۱۷۹۱ میں فرمایا ہے کہ: ابوداؤد نے اس روایت کی تضعیف نہیں کی ہے اور اس کی سند میں ایک شخص توثیق کے سلسلے میں مختلف فیہ ہیں۔

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی اعادتہما بعد طلوع الشمس، حدیث: ۲۴۳، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۶۹، باب کراہۃ قضاء رکعتی الفجر قبل طلوع الشمس) مناوی کہتے ہیں کہ: حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فیض القدير: حرف الميم: ۲۲۵/۶، المكتبة التجارية، مصر)

(۴) بخاری: باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، حدیث: ۵۵۶

رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے ”سمعتُ غیر واحد من أصحاب رسول اللہ ﷺ، منهم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وکان أحبهم الیّ ان رسول اللہ ﷺ نہی عن الصلوة بعد الفجر“ (۱)

﴿342﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل منقول ہے۔ (۲)

﴿343﴾ حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز سے منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جب سورج نکلتا ہے تو شیطان کے دو سیٹلوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اس وقت کفار اُسے سجدہ کرتے ہیں ”فانہا تطلع حین تطلع حین تطلع بین قرنی شیطن وحينئذ یسجد لها الکفار“ (۳)

﴿344﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص فجر کی دو رکعت نہ پڑھے تو وہ ان کو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے ”فیصلہما بعد ما تطلع الشمس“ (۴)

﴿345﴾ حضرت امام مالک فرماتے ہیں: انھیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سننیں رہ جاتیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھتے۔ (۵)

﴿346﴾ حضرت یحییٰ بن سعید سے مروی فرماتے ہے کہ میں نے قاسم کو یہ کہتے سنا: جب میں ان دونوں کو نہیں پڑھتا ہوں تو اور فجر کی نماز پڑھ لیتا ہوں تو سورج نکلنے کے بعد میں ان کی قضاء کرتا ہوں: ”صلّیتہما بعد طلوع الشمس“ (۶)

(۱) مسلم: باب الاوقات التي نهى عن الصلوة، حدیث: ۸۲۶

(۲) بخاری: باب لا تؤدئ الصلوة قبل غروب الشمس، حدیث: ۵۸۶

(۳) مسلم: باب الأوقات التي نهى عن الصلوة، حدیث: ۸۳۲

(۴) ترمذی: باب اعادةتهما بعد طلوع الشمس، حدیث: ۴۲۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۶۹، باب کراهة قضاء رکعتی الفجر قبل طلوع الشمس).

(۵) مؤطا مالک: باب ما جاء فی رکعتی الفجر، حدیث: ۴۲۳

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی رکعتی الفجر اذا فاتته، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۷۰، باب کراهة قضاء رکعتی الفجر بعد ان.....)



فجر کی نماز شروع ہونے کے بعد اگر قعدہ ملنے کی امید ہو تو پہلے سنت پڑھے، اور پھر جماعت میں شامل ہو جائے، چونکہ آپ ﷺ نے اسے نہایت ہی موکدہ قرار دیا ہے:

﴿347﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تدعوہما وإن طردتکم الخیل“ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، اگرچہ یہ حالت ہو کہ گھوڑے تم کو روندھ چکے ہوں۔ (۱)

مذکورہ بالا روایت میں یہ الفاظ کہ (فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو، اگرچہ یہ حالت ہو کہ دشمن کے گھوڑے تمہیں روندھ چکے ہوں) فجر کی سنت کے نہایت ہی موکدہ اور اس کی بے انتہا اہمیت پر دلالت کرتے ہیں کہ اگر کوئی دشمن کے زرعے میں ہو، تب بھی حضور اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ وہ فجر کی سنت نہ چھوڑے، حالانکہ یہ حالت ایسی ہوتی ہے کہ اس میں بہت سے واجبات کو موقوف کرنے کی اجازت ہے، اس کے مقابل جماعت سنت موکدہ ہے، معمولی اعذار مثلاً، بارش، تاریکی وغیرہ کی وجہ سے اس کی اہمیت میں فرق پڑ جاتا ہے، دشمن جس وقت چڑھائی کر رہا ہو تو بدرجہ اولیٰ اسے چھوڑا جاسکتا ہے اور فجر کی دو رکعات کے حوالے سے حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ اس سخت حالت میں بھی اسے نہ چھوڑا جائے، جماعت جو کہ معمولی اعذار کی وجہ سے بھی اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اس کے حاصل کرنے کیلئے فجر کی اس قدر موکدہ سنت کیسے چھوڑی جاسکتی ہے؟

﴿348﴾ حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ”إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة“

جب نماز کی اقامت (تکبیر) کہی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں ہوتی۔ (۲)

اگرچہ یہ روایت سند کے اعتبار سے قوی ہے؛ لیکن چونکہ اس کے مرفوع یا موقوف ہونے کے بارے میں اس روایت میں اختلاف ہوا ہے؛ چنانچہ اس حدیث کو جس طرح عمرو بن دینار کے شاگرد زکریا بن اسحاق نے مرفوعاً نقل کیا ہے، اسی طرح ایوب وغیرہ دوسرے پانچ تلامذہ نے بھی مرفوعاً نقل کیا ہے، مگر حماد بن زید اور سفیان بن عیینہ نے اس کو عمرو بن دینار سے موقوف روایت کیا یعنی اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کو اپنی صحیح میں ذکر ہی نہیں کیا ہے، جبکہ امام ترمذی نے صرف اس پر ”حدیث حسن“ کا فیصلہ کیا ہے، اس

(۱) ابو داؤد: باب فی تخفیفہما، حدیث: ۱۲۵۸، اس سند پر حدیث: ۲۳۸ پر بحث گزر چکی ہے۔

(۲) مسلم: باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن فی اقامة الصلاة، حدیث: ۷۱۰۔

کے مقابل اوپر کی مذکورہ روایت مرفوع اور قابل استدلال ہیں؛ اس لئے دونوں روایتیں قوت میں برابر ہوں، ان دونوں کے درمیان عمل کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ فرض نماز شروع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ دیگر سنن میں اگر فرض کی ایک رکعت چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو مشغول رہنا مکروہ ہوگا، اس طرح سے فجر کی سنت کی فضیلت حاصل ہو جائے گی، اس روایت پر عمل ہو جائے گا، گویا یہ روایت فجر کی سنت کے علاوہ نمازوں کے بارے میں ہے۔

﴿349﴾ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے: ”عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا اقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة الا ركعتي الفجر“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اقامت ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے اور کوئی نماز جائز نہیں، ماسوا فجر کی دو رکعات سنت کے (کہ وہ جائز ہیں)۔ (۱)

﴿350﴾ حضرت حارث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يصلي الركعتين عند الاقامة“ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت دو رکعات پڑھتے تھے۔ (۲)

اس بارے میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہ کا عمل یہ تھا کہ وہ بھی فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں بالکل علیحدہ حصہ میں فجر کی سنتوں کی ادائیگی کے بعد جماعت میں شرکت کرتے تھے:

﴿351﴾ عبد اللہ بن ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک ستون کے اوٹ میں فجر کی دو رکعت سنیں ادا کیں، جو آپ پہلے ادا نہیں کر سکے تھے، ”جاء ابن مسعود والامام یصلي الصبح فصلى ركعتين الى سارية، ولم يكن صلى ركعتي الفجر“ (۳)

﴿352﴾ حضرت مالک بن مغول فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: باب كراهة الاشتغال بهما بعد ما اقيمت، حديث: ۳۳۲۶، علامہ عثمانی اس حدیث پر طویل بحث کے فرماتے ہیں: یہ سند بھی حسن درجہ کی ہے۔ (فہذ السنن ایضاً حسن اعلاء السنن: ۱۰۹/۷)

(۲) ابن ماجہ: باب ما جاء في الركعتين قبل الفجر، حديث: ۱۱۴۷، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کے ایک راوی حارث ہیں، بعض لوگوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، دیگر لوگوں نے ان کو ثقہ کہا ہے، یہ حسن الحدیث ہیں اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مجمع الزوائد: باب اذا اقيمت الصلاة هل يصلي غيرها، حديث: ۲۳۹۲، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فجر کی نماز کیلئے جگایا، جبکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی، آپؓ اٹھے اور پہلے دو رکعتیں پڑھیں ”قد أقيمت الصلاة فقام فصلی الرکعتین“ (۱)

﴿353﴾ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ وہ مسجد میں ایسے وقت میں آتے کہ لوگ فجر کی نماز میں صف باندھے کھڑے ہوتے، وہ مسجد کے کنارے دو رکعت ادا کرتے، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے، ”انہ کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلاة الفجر، فیصلی الرکعتین فی ناحية المسجد، ثم یدخل مع القوم فی الصلاة“ (۲)

﴿354﴾ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی امام کے فجر کی نماز پڑھانے کے وقت دو رکعت سنت ادا فرماتے، پھر شریک جماعت ہوتے۔ (۳)

﴿355﴾ ابو عثمان نہدیؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم فجر کی دو سنت پڑھنے سے پہلے حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آتے، وہ فجر کی نماز میں ہوتے، ہم مسجد کے ایک کنارے دو رکعات سنت پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے، ”کنّا نأتی عمر بن الخطابؓ قبل أن نصلی الرکعتین قبل الصبح وهو فی الصلاة فنصلی فی اخر المسجد، ثم ندخل مع القوم فی صلاتهم“ (۴)

﴿356﴾ حضرت مسروقؓ کا بھی یہ عمل نقل کیا گیا ہے کہ وہ فجر کی نماز کیلئے جماعت کھڑی ہونے کے بعد آتے اور فجر کی دو سنت انہوں نے نہ پڑھی ہوتی تو وہ فجر کی سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے۔ (۵)

(۱) شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر ۲۰۴۲، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۵۸، باب من قال یصلی سنة الفجر عند اشتغال الامام بالفريضة)

(۲) شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلاة الفجر: ۲۰۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ: حدیث: ۶۳۸۲، باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (اثر السنن: ۳۵۹)

(۳) شرح معانی الآثار: باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر، حدیث: ۶۳۸۰، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، علامہ بیہقی نے اس کے رجال کو ثقہ کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۰۰/۷)

(۴) شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد، والامام فی صلاة الفجر، ۲۰۴۶، مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر، ۶۳۷۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (اثر السنن: ۳۶۱)

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۳۷۲، شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد: ۲۰۴۸، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو لحاظی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۶۲)

357 ﴿ حضرت سعید بن جبیرؓ امام کے فجر کی نماز پڑھانے کی حالت میں مسجد تشریف لاتے اور مسجد کے دروازے پر دو رکعت سنت فجر ادا کرتے ”فصلی الر کعتین قبل ان یلج المسجد عند باب المسجد“ (۱)

358 ﴿ حضرت حسن بصریؓ (۲) حضرت مجاہد دونوں بھی اسی طرح فتویٰ دیتے تھے۔ (۳) یہ حدیث: ”اذا أقيمت الصلاة فلا صلاة الا المكتوبة“، مخصوص منہ البعض ہے، اس حدیث سے فرض اور واجب کی تخصیص کی گئی ہے، یعنی اگر کوئی صاحب ترتیب ہے، اس نے عشاء کی نماز یا وتر نہیں پڑھی، اور فجر کی جماعت شروع ہو جائے تو پہلے فرض اور واجب نماز پڑھنی ضروری ہے، اور جب عام میں ایک مرتبہ تخصیص ہو جاتی ہے تو وہ ظنی ہو جاتا ہے (یقینی نہیں رہتا) اور ظنی ہونے کے بعد معمولی دلیل سے بھی حتیٰ کہ قیاس سے بھی مزید تخصیص ہو سکتی ہے؛ چونکہ حضور ﷺ فجر کی سنتوں کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، کبھی آپ ﷺ نے اسے ترک نہیں کیا، بہت تاکید فرمائی؛ اس لئے اس حدیث کے عموم سے فجر کی سنتوں کو بھی خاص کیا گیا، جیسا کہ مذکورہ بالا حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ”الا رکعتی الفجر“ کہہ کر فجر کی تخصیص کی گئی۔ مذکورہ بالا روایت میں جماعت کھڑی ہونے کے بعد فجر کی سنت ادا کرنا اس وقت منع ہے جبکہ یہ جماعت خانہ یعنی جس جگہ جماعت ہو رہی ہے وہاں پڑھی جائے؛ چونکہ یہاں صورتہ جماعت کی مخالفت ہے، اگر سنتیں گھر پر یا مسجد کے دروازے پر (صحیح مسجد) میں یا مسجد کے باہر پڑھے تو اجازت ہے (اگر کوئی علیحدہ جگہ نہ ہو تو پھر سنت نہ پڑھے، جماعت میں شریک ہو جائے)۔ فجر کے علاوہ دیگر نمازوں کی سنتوں کو جماعت کھڑی ہونے کے بعد نہ صحن میں ادا کیا جاسکتا ہے اور نہ اصل مسجد میں، وہ اس وجہ سے کہ وہ فجر کی نماز کی طرح مؤکد نہیں ہیں؛ اس لئے جماعت کی نماز چھوڑ کر اس میں مشغول ہونے کی اجازت نہیں۔

## سنتِ ظہر

ظہر سے پہلے چار رکعات ایک سلام سے سنت مؤکدہ ہیں اور ظہر کے بعد دو رکعت

359 ﴿ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ ظہر سے پہلے

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی الرجل یدخل المسجد فی الفجر: ۶۲۴

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۲۴۳، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۶۲)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۲۴۹

چار رکعات اور صبح کی نماز سے پہلے دو رکعت کبھی نہیں ترک کرتے تھے ”کان لا یدع اربعاً قبل الظهر، ورکعتین بعد الغداة“ (۱)

﴿360﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، ”یُصلّی قبل الظهر اربعاً، و بعدھا رکعتین“ (۲)

ظہر سے پہلے یہ چار رکعات آخر میں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں گی:

﴿361﴾ حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر سے پہلے چار رکعتیں، جن کے درمیان سلام نہ پھیرا جائے (چار مسلسل پڑھی جائیں) ان کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، ”وأربع قبل الظهر لیس فیہنّ تسلیم، تفتح لهنّ أبواب السماء“ (۳)

بعض روایات میں ظہر سے پہلے دو رکعت کا ذکر ہے، ”رکعتین قبل الظهر“ (۴)

وقت اگر تنگ ہو تو ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھے، ورنہ چار رکعت پڑھے۔

اگر ظہر کی سنتیں رہ جائیں تو فرض کی بعد والی دو رکعات سنت ادا کرنے کے بعد فرض سے پہلے والی سنت پڑھ سکتا ہے:

﴿362﴾ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ ﷺ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ ﷺ ان کو ظہر کی نماز ہونے کے بعد پڑھتے تھے ”کان اذا لم یُصلّی اربعاً قبل الظهر صلاهن بعدھا“ (۵)

﴿363﴾ حضرت ام حبیبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ظہر سے پہلے

(۱) بخاری: ۱۱۸۲، باب الرکعتین قبل الظهر.

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الاربع قبل الظهر، حدیث: ۴۲۴، امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت علی کی حدیث حسن درجے کی ہے۔

(۳) ابوداؤد: باب الأربع قبل الظهر و بعدھا، حدیث: ۱۲۷۰، ألبانی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۴) بخاری عن ابن عمر: باب الرکعتین قبل الظهر؟ حدیث: ۱۱۸۰

(۵) ترمذی: باب اخر من ابواب ما جاء فی الرکعتین بعد الظهر، حدیث: ۴۲۶، امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۴۲، باب بالتطوع للصلوات الخمس)

چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھے ”من حافظ علی أربع قبل الظهر وأربع بعدها“ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔ (۱)

ظہر کے بعد چار رکعات پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہ دو رکعات مؤکدہ کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

### سنت عصر

عصر سے پہلے چار رکعات نفل ہیں:

﴿364﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر أربعاً“ اللہ عز وجل اس شخص پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعات پڑھے۔ (۲)

### سنت مغرب

مغرب کے بعد دو رکعات سنت مؤکدہ ہیں، پھر دو رکعات غیر مؤکدہ

﴿365﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے تھے، پھر گھر میں تشریف لا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے، ”وكان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین“ (۳)

﴿366﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس شخص نے مغرب کی نماز کے بعد چار رکعات پڑھیں، وہ ایسا ہے جیسا ایک مضبوط کڑے کے بعد دوسرے مضبوط کڑے کو لانے والا ہو (یعنی ایک کام کے بعد دوسرا اچھا کام کرنے والا)، ”من صلی أربعاً بعد المغرب كان كالمتعقب عروة بعد عروة“ (۴)

(۱) ترمذی: باب آخر من باب ما جاء فی الرکعتین بعد الظهر، حدیث: ۴۲۷ امام ترمذی نے صحیح غریب کہا ہے۔

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی الأربع قبل العصر، و امام ترمذی نے اسے غریب حسن کہا ہے، ”بلوغ المرام“ میں ہے: اس کو ابن خزمیہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ”تلخیص“ میں ہے: اس کو ابن حبان سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) رواہ مسلم: باب جواز النافلة قائماً وقاعداً، حدیث: ۷۳۰

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب صلاة التطوع و الامامة وابواب متفرقة یہ حدیث موسیٰ بن عبیدہ اور ابوبکی وجہ سے ضعیف ہے۔

مغرب کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مسنون نہیں ہے:

﴿367﴾ حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مغرب کے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کے بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، ”ما رأیت احداً علی عہد رسول اللہ ﷺ یُصلّیہما“ اور یہ نہ دیکھا کہ کسی نے عصر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ (۱)

﴿368﴾ حضرت ابراہیمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں نہیں پڑھیں ”لم یصل ابو بکر ولا عمر ولا عثمان الرکعتین قبل المغرب“ (۲)

﴿369﴾ حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے، سوائے مغرب کے ”قال بین کلّ اذانین صلاة الا المغرب“ (۳)

﴿370﴾ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ازواجؓ سے پوچھا کہ کیا آپؓ نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: نہیں، سوائے اس کے کہ ام سلمہؓ نے فرمایا: ایک مرتبہ آپؓ نے دو رکعتیں میرے پاس پڑھیں تو میں نے آپؓ سے سوال کیا کہ یہ کون سی نماز ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھول گیا تھا، وہ میں نے اب پڑھی ہیں: ”هل رأیت رسول اللہ ﷺ یُصلّی الرکعتین قبل المغرب، فقلن: لا، غیر أنّ امّ سلمةؓ قالت: صلاہما عندی

(۱) ابوداؤد: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث: ۱۲۸۴، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو حمید الکاشی نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۷۷، باب التنفل قبل المغرب)

(۲) مصنف عبدالرزاق: باب الرکعتین قبل المغرب، حدیث: ۳۹۸۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو محمد بن الحسن نے کتاب الاثار میں روایت کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (اثر السنن: ۳۷۷، باب من انکر التنفل قبل المغرب)

(۳) کشف الاستار عن زوائد البزار: ۳۳۳/۱، علامہ شوکانی نے ”الفوائد المجموعة: ۱۹/۱، دار الکتب العلمیة“ میں کہا ہے: حیان بن عبداللہ نے اسے تنہا روایت کیا ہے، یہ مشہور بصری شخص ہیں، علامہ سیوطی نے کہا ہے: فلاس نے جن کی تکذیب کی ہے وہ دوسرے شخص ہیں، انہیں کے بارے میں ابو حاتم نے کہا ہے: سچے ہیں، ابن حبان نے انہیں ثقافت میں شمار کیا ہے، علامہ کشمیری فرماتے ہیں: یہ حیان بن عبداللہ مصغر ہیں، جو ثقہ ہیں، حیان الکمر کی فلاس نے تکذیب کی ہے۔ (العرف الشذی للکشمیری: ۲۱۵/۱)

مرّة، فسألته ما هذه الصلاة؟ فقال: نسيئت الركعتين قبل العصر، فصليتها الآن“ (۱)  
وضاحت: ان روایات سے پتہ چلا کہ حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مغرب سے پہلے دو رکعت نماز کا معمول نہیں تھا، جس روایت میں ہر دو اذانوں کے درمیان میں نماز کا ذکر ہے، مذکورہ بالا عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مغرب کی نماز کا استثناء کیا گیا ہے، مغرب سے پہلے دو رکعت کو مسنون تو نہیں قرار دیا سکتا؛ البتہ نقل کہہ سکتے ہیں، مغرب سے پہلے دو رکعت مسنون نہ ہونے پر بخاری کی یہ روایتیں صریح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

﴿371﴾ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے یہ حدیث نقل کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھو، تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو چاہے“ اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اسے لوگ سنت بنالیں: ”صلّوا قبل المغرب، قال فی الثالثة: ”مَنْ شَاءَ“ کراہیة أن یتخذھا الناس سنة“ (۲)

﴿372﴾ حضرت عبداللہ مزیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، میں نے عرض کیا، میں آپ کو ابونعیم کی تعجب انگیز بات سناؤں؟ وہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو رسالت میں ہم بھی پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا تو اب کیا رکاوٹ پیش آئی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: مصروفیت۔ (۳)  
اس روایت سے معلوم ہوا کہ دو صحابہؓ و تابعینؓ میں یہ نقل عموماً نہیں پڑھی جاتی تھیں، ورنہ ان کے پڑھے جانے پر کسی کو تعجب نہ ہوتا۔

(۱) مسند الشامیین: حدیث: ۲۱۰، مع تحقیق: حمیدی بن عبد الحمید السلفی، اس روایت کے ایک راوی ”یحییٰ بن ابی الحجاج“ ہیں، ابن معین اور نسائی نے کہا ہے: یہ کچھ نہیں ہے، ابو حاتم نے کہا ہے: یہ قوی نہیں ہیں ابن حبان نے انہیں ثقہ کہا ہے، ابن عدی نے کہا ہے: ان کی حدیث میں کوئی نقصان نہیں ہے، اس روایت کے ایک دوسرے راوی ”عیسیٰ بن سنان القسملی“ ہیں، انہیں احمد، نسائی، ابوزرعہ اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے، غلبی کہتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن خراش کہتے ہیں: یہ ”صدوق“ ہیں ابن حبان نے انہیں ثقہ میں شمار کیا ہے..... بہر حال ائمہ جرح و تعدیل کے اس اختلاف کی وجہ سے یہ روایت ”حسن“ درجہ سے کم نہیں..... خود علامہ مبارک پوریؒ نے ”علی تقدیر صحتہ هذا الحدیث“ کہا ہے (کہ اگر اس روایت کو صحیح مان لیتے ہیں)۔ (تحفة الأحوذی: باب ما جاء فی الصلاة، ۱/۴۶۸)

(۲) بخاری: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث: ۱۱۲۸

(۳) بخاری: باب الصلاة قبل المغرب، حدیث: ۱۱۲۹



## سنتِ عشاء

عشاء سے پہلے چار رکعت نفل ہیں، اگر موقع ہو تو پڑھے؛ ورنہ دو پڑھے:

﴿373﴾ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو

اذانوں (ہر اذان و اقامت) کے درمیان نماز ہے، تیسری مرتبہ فرمایا: جو چاہے پڑھے (ضروری نہیں): ”بین کلّ اذانین صلاة، ثمّ قال فی الثالثہ: لمن شاء“ (۱)

اس روایت سے عشاء سے پہلے دو رکعت کا مستحب ہونا ثابت ہوا۔

﴿374﴾ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلے بزرگ یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین

عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات پڑھنے کو مستحب خیال کرتے تھے: ”کانوا یستحبّون اربع رکعات قبل العشاء“ (۲)

نمازِ عشاء کے بعد دو رکعات سنت مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں:

﴿375﴾ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر (آرام فرمانے کیلئے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار یا چھ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔ (۳)

وتر کے بعد نفل حدیث سے ثابت ہے:

﴿376﴾ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بابت پوچھا تو حضرت عائشہ نے فرمایا: ”کان یصلی ثلاث عشرة رکعة، یصلی ثمان رکعات، ثمّ یوتر، ثمّ یصلی رکعتین وهو جالس“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعات نماز پڑھتے، (پہلے) آٹھ رکعات پڑھتے، پھر وتر پڑھتے، اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت اور پڑھتے۔ (۴)

(۱) بخاری: باب بین کلّ اذانین صلاة لمن شاء، حدیث: ۶۰۱

(۲) مختصر قیام اللیل: ۵۷، محمد بن نصر المزوری

(۳) ابوداؤد: باب الصلاة بعد العشاء، حدیث: ۱۳۰۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن: ۳۴۱، باب التطوع للصلوات الخمس) ”نیل الاوطار“ میں ہے: اس سند کے رجال ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن: ۱۹/۷)، علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ: اس پر ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے، یہ ان دونوں کے یہاں صحیح ہے، امام نووی نے خلاصہ میں اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (نصب الرایۃ: باب النوافل: ۸۷/۲)

(۴) مسلم: باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۷۳۸

# نماز تراویح



## نماز تراویح

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، یہ رمضان میں عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

377 ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان (تراویح) کی ترغیب دلاتے تھے، بغیر پختہ طریقے سے حکم دیتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: جس شخص نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس سے ثواب طلب کرتے ہوئے رمضان میں قیام (تراویح) کرے، اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے، ”من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ“ (۱)

378 ﴿ حضرت ابوسلمہ اپنے والد عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینے کا ذکر فرمایا: یہ مہینہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اس کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے اس میں قیام کو تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے، ”وسننت لکم قیامہ“ پس جس نے اس کے روزے رکھے، اور قیام کیا اور ثواب کو طلب کرتے ہوئے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جائے گا، جس طرح کہ وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (۲)

## نماز تراویح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

379 ﴿ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں مصلیٰ زیادہ ہو گئے تیسری یا چوتھی رات کیلئے مسجد تشریف نہیں لائے اور صبح کو فرمایا: میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا

(۱) مسلم: باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، حدیث: ۷۵۹

(۲) نسائی: ذکر اختلاف یحییٰ بن ابی کثیر والنضر بن شیبان فیہ، حدیث: ۲۲۱۰، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: نسائی نے سند حسن کے ساتھ اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ (اعلاء السنن: ۶۷/۷)

اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر (تمہارے شوق کی وجہ سے) رمضان میں فرض نہ کر دی جائے ”فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت أن تفرض علیکم، قال: ذلك فی رمضان“ (۱)

جن روایات سے بیس رکعات تراویح معلوم ہوتی ہیں، وہ اس طرح ہیں:

﴿380﴾ ان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان عشرين رکعةً آپ ﷺ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ (۲)

یہ روایت تراویح کے بیس رکعت ہونے پر بصراحت دلالت کرتی ہے اور حضور ﷺ کا معمول بھی یہی بتاتا ہے۔

﴿381﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے مہینے میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے: ”کان النبی یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرين رکعة والوتر“ (۳)

امام بیہقیؒ نے ابوبکر ابن ابی شیبہ کے دادا کی تضعیف کی ہے، اس حوالہ سے ہم نے بات اوپر کی روایت کے تحت کر دی ہے۔

﴿382﴾ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: خرج النبی ذات لیلۃ فی رمضان فصلی الناس أربعة وعشرين رکعة و أوتر بثلاثة حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک میں ایک رات نبی ﷺ باہر تشریف لائے صحابہ کو چوبیس رکعتیں (۴) عشاء کی اور ۲۰ تراویح کی (۵) پڑھائی اور تین رکعت وتر۔ (۴)

(۱) مسلم: باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، حدیث: ۷۶۱

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یصلی فی رمضان من رکعة؟ حدیث: ۷۷۷، مع تحقیق: محمد عوامہ الحلی، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں: سوائے ابوبکر ابن ابی شیبہ کے دادا کے جمہور نے انھیں ضعیف کہا ہے، ابن عدی کہتے ہیں: ان کی احادیث صالح ہیں، اور یہ ابراہیم بن ابی حنیہ سے بہتر ہیں، یزید بن ہارون کہتے ہیں: یہ اپنے دور کے انصاف پسند قاضی تھے ”التهذیب“ علامہ عثمانی فرماتے ہیں: ابراہیم بن ابی حنیہ یہ مختلف فیہ ہیں اور یہ حسن الحدیث ہیں، یحییٰ بن معین نے انہیں بڑے ثقہ شخص کہا ہے ”اللسان“ جو شخص ان سے بھی بہتر ہو وہ کم از کم حسن الحدیث ہونا چاہئے اور خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کا معمول بھی بیس رکعات کا تھا، اس طرح صحابہ کے عمل سے بھی یہ روایت مؤید ہے: اس لئے یہ حدیث صحیح نہیں تو کم از کم حسن تو ضرور ہونا چاہیے۔ (اعلاء السنن: ۸۲/۷)

(۳) بیہقی: باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، حدیث: ۳۳۹۱

(۴) تاریخ جرجانی لابن قاسم حمزہ بن یوسف جرجانی: ۲۷۵

## تراویح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں

عہدِ صدیقی میں تراویح کا معمول حسبِ سابق رہا، لوگ اپنے طور پر تراویح ادا کرتے رہے، پھر دورِ فاروقی میں رمضان کی تمام رکعتوں میں عشاء کے فرض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت نمازِ تراویح میں مکمل قرآن سننے سنانے کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور یہی معمول حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین اور فقہاء و محدثین رحمہم اللہ کا رہا اور آج تک حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

﴿383﴾ حضرت عبدالرحمن بن عبدالقاریؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں رمضان کی ایک رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں متفرق ہیں، کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہے، کوئی ایسا تھا کہ ایک گروہ اس کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں ان کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو زیادہ بہتر ہوگا، پھر آپؓ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت پر اکٹھا کر دیا، ”فقال عمر رضی اللہ عنہ انی اری لو جمعْتُ هؤلاء علی قاریٍّ واحدٍ لکان أمثل، ثم عزم فجمعهم علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ“ (۱)

﴿384﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ رمضان المبارک میں تیس رکعت (۲۰/ تراویح، ۳/ روتر) کا اہتمام کرتے تھے، ”کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة“ (۲)

﴿485﴾ یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں: انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلاً یصلی بہم عشرین رکعة “ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کسی سے کہہ رکھا تھا کہ وہ انہیں بیس رکعات پڑھائے۔ (۳)

﴿386﴾ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن

(۱) بخاری: باب فضل من قام رمضان، حدیث: ۱۹۰۶

(۲) مؤطا مالک: ما جاء فی قیام رمضان، حدیث: ۳۸۰، بیہقی: باب ما روى فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، حدیث: ۴۳۹۴

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یصلی فی رمضان من رکعة؟ حدیث: ۷۷۶۷، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند مرسل، قوی ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۶، باب فی التراویح عشرین رکعة)

کعب رضی اللہ عنہ پراکھٹا کر دیا، آپ آئیں بیس رکعت پڑھاتے تھے، ”ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

جمع الناس علی ابن کعب رضی اللہ عنہ فكان یصلی لهم عشرين رکعة“ (۱)

﴿387﴾ حضرت عبدالعزیز بن رفیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک

میں مدینہ طیبہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کرتے تھے اور تین رکعت۔ (۲)

﴿388﴾ حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں

رمضان میں تیس رکعات پڑھا کرتے تھے (۲۰ تراویح، ۳ وتر) ”کان الناس یقومون فی

زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرين رکعة“ (۳)

﴿389﴾ ”کنّا ننصرف من القیام علی عهد عمر وقد دنا فروع الفجر

کان القیام علی عهد عمر ثلاث وعشرين رکعة“ کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے زمانے میں تراویح سے فارغ ہوتے تو فجر کا وقت قریب ہوتا اور قیام لیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

زمانے میں تیس رکعت ہوتا تھا (یعنی ۲۰ رکعت تراویح اور ۳ رکعت وتر)۔ (۴)

﴿390﴾ حضرت اسد بن عمرو حضرت قاضی ابویوسف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تراویح اور اس سلسلہ میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ہے، اس کے متعلق سوال کیا

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تراویح سنت موکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت خود اپنی طرف سے مقرر

و متعین نہیں کیں اور نہ وہ کسی بدعت کے ایجاد کرنے والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیس رکعات کا حکم دیا

ہے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضرور کوئی اصل تھی اور ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم تھا: و لم یکن

مبتدعاً و لم یأمر به الا عن اصل لدیہ و عهد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (۵)

(۱) ابوداؤد: باب القنوت فی الوتر، حدیث: ۱۲۲۹ ”سیر اعلام النبلاء“ اور ”مجلة البحوث

الاسلامیة“ میں ہے: اس کی ابوداؤد نے تخریج کی ہے اور ابن قدامہ نے اسے صیغہ جزم کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یصلی فی رمضان من رکعة، ۷۷۶۷ علامہ نیوی فرماتے

ہیں: اس کی سند مرسل، قوی ہے: اثار السنن: ۳۹۷، باب التراویح بعشرين رکعة

(۳) موطا مالک: باب ما جاء فی قیام رمضان، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند مرسل قوی ہے۔

(اثر السنن: ۳۹۶)

(۴) مصنف عبدالرزاق: باب قیام ورمضان: ۷۷۳۳

(۵) مراقی الفلاح مع ہوامشہ: ۲۳۲

خلاصہ گفتگوی یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۰ رکعت نہیں بنائے؛ بلکہ وہ تو دو رکعت سے چلے آ رہے تھے؛ البتہ اس وقت موجود سارے مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے ایک امام کے پیچھے نماز تراویح ادا کرنے کی سنت کو انہوں نے جاری کی ہے۔

## تراویح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز تراویح کے بیس رکعات ہی کا معمول تھا:

- ﴿391﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور ایک سو سے زائد آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض لوگ شدت قیام سے لڑھکیوں کا سہارا لیا کرتے تھے ”وكانوا يتوَكِّثون على عصيهم في عهد عثمان رضی اللہ عنہ من شدة القيام“ (۱)
- ﴿392﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کریں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ان کو وتر پڑھاتے تھے ”ودعا القراء في رمضان فأمر منهم رجلاً يصلي بالناس عشرين ركعة، وكان على يوتر بهم“ (۲)
- ﴿393﴾ حضرت ابوالحنا سے روایت ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھائے ”أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رجلاً يُصَلِّي بهم في رمضان عشرين ركعة“ (۳)

- (۱) بیہقی: باب ما روى في عدد ركعات القيام في رمضان، ۴۳۹۳، علامہ نیوی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی نے ”الخلاصۃ“ ابن عراقی نے ”شرح التقریب“ میں اور سیوطی نے ”المصابیح“ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (التعليق الحسن: ۳۹۴)
- (۲) سنن کبریٰ بیہقی: باب ما روى في عدد ركعات القيام في رمضان، ۴۳۹۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کے راوی حماد بن شعیب ضعیف ہیں، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: یہ اثر حسن درجہ کا ہے؛ چونکہ یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں حضرت علی کے بیس رکعت کے حکم کرنے کا ذکر ہے۔ (اعلاء السنن: ۸۸۰/۷)

- (۳) مصنف ابن ابی شیبہ: کم یصلی فی رمضان من ركعة، ۷۷۲۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس سند میں ضعف ہے، چونکہ ”السعد بن المرزبان البقال“ یہ متکلم فیہ ہیں، یہ بیہقی کی روایت ہے ابن ابی شیبہ کی روایت میں البقال کی جگہ عمرو بن قیس ہیں، میرا خیال ہے یہ ”الملائی“ ہیں احمد یحییٰ ابو حاتم اور ابو زرعہ نے ان کو ثقہ کہا ہے، مسلم نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ (التعليق الحسن: ۳۹۹)

﴿394﴾ شَتِیر بن شَکَل حضرت علیؓ کے اصحاب میں سے تھے وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ (۱)

﴿395﴾ امام اعمشؒ فرماتے ہیں کہ آپ (عبداللہ بن مسعودؓ) بیس رکعات پڑھتے تھے اور تین رکعت وتر ”کان یُصلیٰ عشرين رکعة و یوتر بثلاث“ (۲)

﴿396﴾ حضرت محمد بن قدامہ جبلیؒ نے حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کا بیس رکعات کے معمول کا امام مالک کے حوالے سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”و هذا کما جماع“ اور یہ جماع کی مانند ہے۔ (۳)

### تراویح تابعین، تبع تابعین و ائمہ کرام رحمہم اللہ کے زمانے میں

﴿397﴾ عن عطاء: أدر کث الناس وهم یُصلّون ثلاثاً وعشرين رکعة حضرت عطاءؒ کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو اس طرح پایا ہے کہ وہ تیس رکعت تراویح وتر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ (۴)

﴿398﴾ حضرت سعید بن جبیرؒ رمضان کے مہینہ میں ہماری امامت کرتے تھے اور دو طرح کی قرأت کرتے تھے، رات میں ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق قرأت کرتے، اور پانچ تراویح کی نماز (یعنی ۲۰ رکعت پڑھاتے) فکان یُصلیٰ خمس ترویحات (۵)

﴿399﴾ عن نافع بن عمرؓ قال: ”کان ابن ملیکہؓ فی رمضان عشرين رکعة“ حضرت نافع بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن ابی ملیکہؓ ہمیں رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (۶)

(۱) سنن الکبریٰ للبیہقی: باب ماروی عدد رکعات القيام فی رمضان، ۴۳۹۵، بیہقی نے کہا ہے: اس روایت میں قوت ہے۔ (۲) مختصر قیام اللیل للمروزی: ۱۷۵

(۳) المغنی لابن قدامة: حکم صلاة التراويح، ۱۸۳۳/۱ اور یہی بات علامہ قسطلانی شافعی شارح بخاری، ارشاد الساری میں فرماتے ہیں۔ (ارشاد الساری لشرح صحيح البخاری: ۵۱۵/۳۰۱)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: کم یُصلیٰ فی رمضان من رکعة، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن درجہ کی ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۷، باب التراويح بعشرين رکعة)

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یُصلیٰ فی رمضان من رکعة: ۷۷۷۳ یہ حدیث محمد اور قواء کی وجہ سے حسن ہے۔

(۶) مصنف ابن ابی شیبہ: کم یُصلیٰ فی رمضان من رکعة؟ ۷۷۶۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثار السنن: ۳۹۸)



400 ﴿عن ابی الخصب قال: "كان يؤمنا سويد بن غفلة في رمضان فيُصلي خمس ترويحاً عشرين ركعة"﴾ ابو الخصبؒ کہتے ہیں: کہ سويد بن غفلة ہمیں رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (۱)

401 ﴿حضرت ابراہیمؒ سے روایت ہے کہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعینؒ) رمضان المبارک میں پانچ تروتکے (۲۰ رکعات) پڑھتے تھے "أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يُصَلُّونَ خَمْسَ ترويحاً في رمضان" (۲)

402 ﴿حضرت سعید بن ابی عبیدہؒ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ربیعہؒ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور حضرت سلمانؒ کے شاگرد) رمضان میں لوگوں کو پانچ تراویح (بیس رکعت) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے "ان علی بن ربیعہ کان یُصلي بهم في رمضان خمس ترويحاً و یوتر بثلاث" (۳)

403 ﴿حضرت ابواسحاقؒ سے مروی ہے کہ حضرت حارث اعورؒ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد) رمضان المبارک میں رات کو لوگوں کو ۲۰ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے، اور دعاء ثنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے "انہ کان يؤم الناس في رمضان باللیل بعشرين ركعة، و یوتر بثلاث ویقنت قبل الركوع" (۴)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم ۲۰ رکعات کے قائل ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی کریم ﷺ کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، یہی سفیان ثوریؒ اور حضرت ابن مبارکؒ کا قول ہے، حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ میں ایسے ہی پایا ہے کہ وہاں (سب) بیس رکعتیں پڑھتے ہیں: "وقال الشافعی: وهكذا ادركت ببلاذنا بمكة یصلون عشرين ركعة" (۵)

(۱) سنن کبریٰ للبیہقی، باب ما جاء في عدد ركعات القيام في رمضان، ۴۳۹۵، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔ (اثر السنن: ۳۹۷)

(۲) کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایۃ ابی یوسف: ۴۱

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: کم یُصلي في رمضان من ركعة، ۷۷۷۲، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۳۹۸، باب في التراويح بعشرين ركعة)

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: کم یُصلي في رمضان من ركعة، ۷۷۷۸

(۵) ترمذی: تحت باب ما جاء في قيام شهر رمضان، حدیث: ۸۰۲

خیر القرون کے دور میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک تمام مسلمان عالم کم از کم بیس رکعتوں کے قائل تھے، اور مشرق و مغرب ہر جگہ تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی رہیں، مراکز اسلام میں سے مدینہ طیبہ میں خلفائے راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی رہیں، دور خلافت کے بعد کم از کم بیس پر عمل رہا، اس سے زیادہ تو پڑھی گئیں؛ لیکن اس سے کم نہیں، آج بھی مدینہ منورہ میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں حضرت عطاء بن رباحؓ کے زمانہ تک تراویح بیس رکعات پڑھائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرت عطاءؓ کا اثر گذر چکا، حضرت عطاءؓ کی وفات ۱۲ھ میں ہوئی، حضرت ابن ملکہؓ جن کی وفات ۱۷ھ میں ہوئی وہ یہاں بیس رکعات تراویح ہی پڑھاتے تھے جیسا کہ ان کے حوالے سے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اور حضرت امام شافعیؒ جن کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے پایا ہے، خود امام شافعیؒ چونکہ بیس کے قائل تھے؛ اس لئے ان کے متبعین ہر جگہ بیس پر عمل کرتے ہیں، آج بھی مکہ مکرمہ میں بیس رکعات تراویح پر ہی عمل جاری و ساری ہے۔

کوفہ و بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے بیس رکعات تراویح پڑھائی جاتی تھیں، خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تراویح بیس رکعات پڑھتے تھے، جیسا کہ روایات میں گذرا۔ کوفہ میں حضرت حارث اعور کی وفات ۶۵ھ میں ہوئی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، وہ بھی بیس رکعات پڑھاتے تھے، نیز حضرت علی بن ربیعہؒ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، وہ بھی بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر کے پڑھایا کرتے تھے، حضرت امام سفیان ثوریؒ م ۱۶۱ھ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ م ۱۵۰ھ بھی بیس رکعات کے قائل تھے، ان کے بعد ان کے متبعین کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ غرض یہ کہ تمام ائمہ حدیث اور ائمہ فقہاء اور کبار مصنفین اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء بیس رکعت ہی کے قائل رہے ہیں، بغداد میں امام احمد بن حنبل (۱) چھٹی صدی ہجری کے فقیہ و بزرگ عبدالقادر جیلانیؒ (۲) امام غزالیؒ (۳)

آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ (۱) دسویں صدی میں علامہ ابن نجیم مصریؒ (۲) گیارہویں صدی میں علامہ علاء الدین حصکفیؒ (۳) اور ہندوستان میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ (۴) بارہویں صدی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ (۵) تیرہویں صدی ہجری میں علامہ ابن عابدین شامیؒ (۶) یہ سب نماز تراویح میں بیس رکعات کے قائل ہیں۔

### حضرت عائشہؓ کی روایت کی توضیح

جو لوگ آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہیں، اس بارے میں ان کی اصل دلیل حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے کہ آپا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے: ”ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة یصل اربعاً فلا تسئل عن حسنہنّ وطولہنّ ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنہنّ وطولہنّ ثم یصلی ثلاثاً۔“ (۷)

اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے ایسی نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جائے اور وہ نماز تہجد ہے، نماز تراویح اس سے مراد نہیں، تراویح ابتدائے شب میں پڑھی جاتی ہے اور تہجد اخیر میں..... اس روایت میں تہجد و ترماد لینا اس لئے بھی ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی مجموعی تعداد گیارہ سے زیادہ نہیں کرتے تھے، اگر اس روایت سے یہ مراد لیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا رمضان میں بھی گیارہ رکعات سے زیادہ نوافل کا معمول نہیں تھا تو پھر ان روایات کا مطلب کیا لیا جائے گا جو کہ بالکل صحیح اور صریح ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عبادت ماہ رمضان المبارک میں عام مہینوں کے مقابلہ میں بڑھ جاتی تھی۔

﴿404﴾ ”عن عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل شہر رمضان شد مئزرہ ثم لم یأت فراشہ حتی ینسلخ“ حضور ﷺ جب رمضان

(۲) البحر الرائق: ۲۶/۲

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱۲/۲۳

(۴) ما ثبت باللسنة مترجم: ۳۲۴/۲

(۳) الدر المختار: ۲۳/۲

(۶) الدر المختار مع حاشیہ رد المختار: ۲۵/۲

(۵) حجة اللہ البالغہ: ۱۸/۲

(۷) بخاری: باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ، حدیث: ۱۰۹۶

شروع ہوتا تو کمر بستہ ہو جاتے پھر مہینے کے اختتام تک اپنے بستر پر تشریف نہ لاتے۔ (۱)

﴿405﴾ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”وعنها أيضًا “اذا دخل العشر الأخير شدّ منظره، وأحییٰ لیلته وأیقظ أهله“ جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو آپ ﷺ بالکل کمر کس لیتے، ساری رات عبادت میں جاگ لیتے، اور اپنے اہل و عیال کو بیدار کرتے۔ (۲)  
ان روایات کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ گیارہ رکعات کو محض لمبی قرأت کے ساتھ پڑھتے، بلکہ آپ ﷺ کی نماز زیادہ ہو جاتی، ایک روایت میں ہے:

﴿406﴾ ”عنہا مرفوعًا: “کان اذا دخل رمضان، تغیر لونہ و کثرت صلوتہ و ابتہل فی الدعاء، و أشفق لونہ“ رمضان المبارک آتا تو حضور ﷺ کا رنگ بدل جاتا، نمازوں میں اضافہ ہو جاتا، دعائیں آہ و زاری فرماتے اور کثرت عبادت سے رنگ زرد ہو جاتا۔ (۳)  
لہذا حضرت عائشہؓ کی روایت سے صرف اس قدر بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ تہجد میں غیر رمضان کے مقابل کچھ اضافہ نہ فرماتے، رہی تراویح کی بیس رکعات تو وہ دیگر مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اگر کسی کو حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے تراویح ہی مراد ہونے پر اصرار ہے تو اس روایت کے مطابق تراویح کو سال بھر پڑھنا چاہئے، کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں ”فی رمضان و فی غیرہ“ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے صرف تین دن یا دو دن رمضان میں جماعت سے نماز پڑھی؛ اس لئے اس پر عمل کرتے ہیں تو پھر تراویح جماعت کے ساتھ صرف دو یا تین رات پڑھنا چاہئے، نیز اس روایت میں چار چار رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور تراویح تو بالاتفاق دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے، اور یہ بھی کہ اس روایت میں ایک سلام سے تین رکعت پڑھنے کا ذکر ہے اور جو لوگ تراویح ۸ رکعات ہونے کے قائل ہیں وہ اس روایت کے برخلاف ایک سلام سے وتر کی تین رکعات کے منکر ہیں؛ اس لئے جب وتر میں یہ روایت ان کے نزدیک حجت نہیں تو تراویح کی رکعات میں کیسے حجت مانی جاسکتی ہے؟ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ

(۱) صحیح ابن خزيمة: باب استحباب الاجتهاد فی رمضان، حدیث: ۲۲۱۶، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) مسلم: باب الاجتهاد فی العشر الاواخر من شهر رمضان، حدیث: ۱۱۷۴

(۳) شعب الایمان: باب فضائل شهر رمضان، حدیث: ۳۹۲۵، اس روایت کے ایک راوی عبدالباقی بن قانع ہیں، ذہبی کہتے ہیں: یہ بہت زیادہ غلطی کرتے ہیں۔ (فیض القدیر: ۱۳۲/۵)

اس روایت کی راویہ اور رسول اللہ ﷺ کے معمولات کی واقف کار ہیں، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کو خوب پایا اور بیس رکعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کو دیکھا مگر آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ نکیر نہیں فرمائی، خلاصہ یہ ہے کہ وہ خود اس روایت سے نماز تہجد سمجھ رہی ہیں، نماز تراویح نہیں۔

اس بارے میں ایک دوسری دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعت یعنی آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھانے کا حکم دیا تھا، اس روایت کو امام مالکؒ نے موطا میں نقل کیا ہے (۱) لیکن حافظ ابن عبد البرؒ کی رائے یہ ہے کہ اس روایت میں وہم ہو گیا ہے، اس روایت کے ایک راوی محمد بن یوسفؒ ہیں یہ کبھی گیارہ رکعت کا، کبھی تیرہ کا، کبھی اکیس رکعات پڑھانے کا ذکر کرتے ہیں، اور بیس رکعات والی روایت ہی زیادہ صحیح ہے (۲)، چونکہ عہد فاروقی میں بیس رکعات تراویح پر دلالت کرنے والی دیگر روایات میں اس کے مثل اضطراب نہیں ہے۔ جن روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا ذکر ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول وھلہ میں حکم فرمایا تھا، جبکہ تہجد اور تراویح ایک ہی ہونے کا ان کو خیال تھا، چنانچہ شروع میں امام تراویح آٹھ رکعت پڑھاتا تھا، اور سحری کے وقت تک پڑھاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دو یا تین دن جماعت کے ساتھ پڑھائی ہے، وہ بیس رکعات پڑھائی ہے، اور آنحضرت ﷺ تنہا سونے سے پہلے بیس رکعتیں پڑھتے تھے، لہذا ابتدائی زمانے کی روایات سے دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔ (۳)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیس رکعات پڑھائیں اور مختصر پڑھائیں، لوگوں کو سونے کا موقع دیں، پھر آخری پہر میں آٹھ رکعت تہجد ادا کریں، جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے، اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیتے ہیں تو مجموعی روایات کی روشنی میں یوں سمجھ میں آتا ہے، رات کے اوّل حصے میں تراویح میں بیس رکعات ادا کی جاتی تھیں، پھر رات کے آخری حصے میں گیارہ رکعت پڑھی جاتی تھی۔ اگر آٹھ رکعات والی روایات کو تہجد پر محمول نہ کریں تو بیس رکعات ادا کرنے میں آٹھ پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔

(۱) مؤطا مالک: باب ما جاء فی قیام رمضان، حدیث: ۳۷۹

(۲) اوجز المسالك: ۵۲۹/۲

(۳) بیہقی عن ابن عباس: باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان، حدیث: ۴۳۹۱، اس حدیث کی سند پر اسی کتاب میں حدیث نمبر: ۳۸۱ کے تحت میں بحث گذر چکی ہے۔

اس لئے صحیح یہی ہے کہ بیس رکعت تراویح مسنون ہے، آٹھ رکعت کے حوالے سے کوئی صریح روایت موجود نہیں ہے، اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہ سے فقہاء و محدثین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے دور تک بیس رکعات ہی کا معمول رہا ہے اور حرین شریف میں اب تک اسی کا معمول ہے، (گویا عہد عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک امت کے بڑے اور معتبر طبقہ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع رہا ہے)۔

**نماز میں قرآن مجید دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے:**

﴿407﴾ حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث (دیہاتی کی نماز والی) بیان کی، اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: کہ جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ویسے کر، پھر اذان کہہ، پھر اقامت کہہ، پھر تکبیر (تحریم) کہہ، پھر آگے اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو وہ پڑھ ورنہ پھر اللہ عز و جل کی حمد کر اور اس کی تکبیر و تہلیل کر، (یعنی ”الْحَمْدُ لِلَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، کہہ) ”ثُمَّ كَبَّرْ فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ بِهِ وَلَا فَاحْمَدُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ“ (۱)

﴿408﴾ حضرت عبداللہ بن اونی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے کہ میں قرآن پاک سے کچھ حاصل کرنے (زبانی یاد کرنے) کی سکت نہیں رکھتا؛ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ سکھادیں، جو میرے لئے کافی ہو ”اِنِّی لَا اُسْتَطِیْعُ اَنْ اِخْذَ شَیْئًا مِنْ الْقُرْآنِ فَعَلِمْنِی مَا یُجْزِئْنِی“، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ کہہ لو: قَالَ: سُبْحَنَ اللَّهُ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ. (۲)

(۱) ابوداؤد: باب صلاة من لا یقیم صلبه فی الركوع والسجود، حدیث: ۸۶۱، اس روایت کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے، ”بلوغ المرام“ میں ہے: اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے اور اسے ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۲۴۴/۲)

(۲) ابوداؤد: باب ما یُجزئ الامی والاعجمی من القراءة، حدیث: ۸۳۲، اس روایت کو احمد، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، جارود، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ”ابراہیم السکسکی“ ہیں یہ بخاری کے رجال میں سے ہیں، ابن قطان نے کہا ہے: چند لوگوں نے انہیں ضعیف کہا ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ہوگی: اعلاء السنن: ۶۰/۵، عز الدین ابن السلام کہتے ہیں کہ: اس روایت کو احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے، ابن حبان، دارقطنی اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (سبل السلام، الأذکار قائمة مقام القراءة: ۱۱۱/۲)

**وضاحت:** ان دونوں روایتوں میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ پہلی روایت میں آنحضرت ﷺ نماز کی تعلیم کے موقع سے قرآن یاد نہ ہونے پر مذکورہ اذکار کہہ لینے کو فرما رہے ہیں..... دوسری روایت میں اس شخص کو قرآن یاد کرنے کی استطاعت نہ ہونے کا عذر کرنے پر ان اذکار کے کہہ لینے کو فرما رہے ہیں، اگر قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہوتا تو اولاً آپ ﷺ فرماتے کہ: قرآن دیکھ کر پڑھ لیا کرو، پھر اس کے بعد عذر پر آپ ﷺ ان اذکار کی تلقین کرتے؛ حالانکہ آپ نے قرآن کے یاد نہ ہونے کی صورت میں ان اذکار کے پڑھ لینے کو کہا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، یہ بھی اس عمل کے مفسدِ صلاۃ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿409﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم قرآن دیکھ کر لوگوں کی امامت کریں، اور اس سے منع فرمایا کہ ہماری امامت بالغ کے علاوہ کوئی اور کرے ”نہانا أمیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ان نؤم الناس فی المصحف، ونہانا أن یؤمنا إلا المحتلم“ (۱)

﴿410﴾ حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں دیکھ کر امامت نہ کروائی جائے ”قال: لا یؤم فی المصحف“ (۲)

﴿411﴾ حضرت عطاءؓ سے مروی ہے کہ وہ ابو عبدالرحمنؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں دیکھ کر امامت کو ناپسند کرتے تھے ”أنہ کرہ أن یؤم فی المصحف“ (۳)

﴿412﴾ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے: اس طرح نصاریٰ کرتے ہیں ”وقال: ہکذا یفعل النصارى“ (۴)

(۱) کنز العمال: فصل فی ادب الامام، ۲۲۸۳۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرہ، ۷۳۰۹

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: فی الرجل یؤم القوم وهو یقرأ فی المصحف باب من کرہ، ۷۳۰۲

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرہ، ۷۳۰۷

﴿413﴾ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) قرآن میں دیکھ کر امامت کو ناپسند کرتے تھے ”کانوا یکرہون أن یؤم الرجل وهو یقرأ فی المصحف“ (۱) اس کے علاوہ قرآن میں دیکھ کر قرأت کرنا سیکھنے سکھانے کا طریقہ ہے، جو نماز کے منافی ہے، پھر قرآن کو ہاتھ میں پکڑنا، پھر اس میں دیکھنا، پھر اوراق کو پلٹنا، یہ سب عمل کثیر ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

جو لوگ قرآن میں دیکھ کر قرأت کے جواز کو اس روایت سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے غلام ”ذکوان“ رمضان میں قرآن میں دیکھ کر ان کی امامت کرتے تھے ”وكانت عائشة یؤمہا عبدہا“ ذکوان ”من المصحف“ (۲) یہاں تعلیم و تعلم کی شکل نہیں پائی جاتی تھی؛ چونکہ ذکوان حافظ قرآن تھے؛ بلکہ یہ تو محض استعانت کی شکل ہوتی تھی، جو درست ہے، رمضان میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کو لقمہ دینے والا کوئی نہیں تھا؛ اس لئے وہ ہر چار رکعات پر قرآن کریم سے مراجعت کرتے، پھر اسے تراویح میں پڑھاتے۔

نماز میں قرآن دیکھ کر قرأت کرنا، اس وجہ سے بھی درست نہیں کہ اس میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔



(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من کرہہ، ۷۳۰۴

(۲) بخاری: باب امامۃ العبد والمولیٰ



## نماز جمعہ کی اہمیت

﴿414﴾ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ منبر کی سیڑھیوں پر تشریف فرما تھے، خبردار! لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں، یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر یہ لوگ غافلین میں ہو جائیں گے لیستہین اقوام عن ودعہم الجمعۃ اولیٰ یتختمن اللہ علی قلوبہم، ثم لیکونن من الغافلین (۱)

### گاؤں اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں

گاؤں اور دیہات والوں پر جمعہ فرض نہیں، اس لئے کہ گاؤں اور دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔

﴿415﴾ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ باہر کے لوگ مدینہ طیبہ میں نماز جمعہ پڑھنے کیلئے اپنی اپنی منازل اور عوالی سے باری باری آتے تھے ”کان الناس ینتابون الجمعة من منازلہم والعوالی“ (۲)

﴿416﴾ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جمعہ قائم ہونے کے بعد سب سے پہلے بحرین کے ایک شہر ”جواثی“ میں عبد القیس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھائی گئی ”انّ اولّ الجمعة جمعت بعد الجمعة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبد القیس بـ ”جواثی“ من البحرین“ (۳)

ان روایات سے پتہ چلا کہ اہل عوالی (یعنی اطراف کے گاؤں دیہات والے) جمعہ میں شرکت کیلئے مدینہ طیبہ باری باری آتے تھے، جس سے پتہ چلا کہ ان پر جمعہ فرض نہیں تھا، اگر وہاں

(۱) مسلم: التغلیظ فی ترک الجمعة، حدیث: ۸۶۵

(۲) بخاری: باب من این یوتی الجمعة وعلی من یجب، حدیث: ۸۶۰

(۳) بخاری: باب الجمعة فی القری والمدن، حدیث: ۸۵۴

جمعہ کی اجازت ہوتی تو ان کو اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں ہوتی، دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کے بعد ”جوائی“ میں جمعہ قائم ہوئی، اہل جوائی حضور ﷺ کے پاس ۸ ہجری میں آئے تھے، ظاہر ہے کہ اس سے پہلے ہزاروں دیہات داخل اسلام ہو چکے تھے؛ لیکن وہاں نماز نہیں ہوتی تھی۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حوائی بڑا شہر تھا، انہوں نے متعدد اہل سیر کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت ہی سے تجارت کا بڑا مرکز تھا، شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اس کا اسی حیثیت کے ساتھ ذکر کیا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں علاء بن الحضرمی یہاں کے گورنر تھے۔ (۱)

﴿417﴾ حضرت انسؓ اپنے قصر میں ”زاویہ“ جو بصرہ شہر سے چھ میل دور تھا رہتے تھے کبھی وہ نماز جمعہ پڑھتے تھے اور کبھی نہیں پڑھتے تھے ”کان انس رضی اللہ عنہ فی قصرہ أحياناً يجمع أحياناً ولا يجمع وهو بالزاوية على فرسخين“ (۲)

﴿418﴾ حضرت ابو عبیدہؓ فرماتے ہیں کہ میں عید کی نماز پڑھنے کیلئے حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ حاضر ہوا، آپؓ تشریف لائے، نماز پڑھائی، پھر لوگوں کو خطبہ دیا، اور فرمایا: اس دن تمہاری دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو یہ چاہے کہ وہ جمعہ کی نماز کا انتظار کرے تو وہ کرے اور جو یہ چاہے کہ واپس چلا جائے تو میری طرف سے اسے اجازت ہے ”فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة فلينتظرها ومن أحب أن يرجع فقد أذن له“ (۳) ان روایات میں بھی اہل عوالی کیلئے جمعہ کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کا اختیار دینے سے پتہ چلتا ہے کہ دیہاتیوں پر جمعہ نہیں۔

﴿419﴾ حضرت ابو عبد الرحمنؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ اور تشریق (عید) جائز نہیں مگر مصر جامع (بڑے شہر) میں ”لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع“ (۴)

(۱) التعلیق الحسن علی آثار السنن: ۲۳۱ (۲) بخاری: باب من این یوتی الجمعة، وعلى من تجب؟ تعلیقاً (۳) موطا امام مالک: باب الأمر بالصلاة قبل الخطبة فی العیدین، حدیث: ۶۱۳، تحقیق: محمد مصطفى الأعظمی

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من قال: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، حدیث: ۵۰۹۸، علامہ نیویؒ فرماتے ہیں: اس کو عبد الرزاق، ابو بکر ابن ابی شیبہ، اور بیہقی نے ”المعرفة“ میں روایت کیا ہے اور یہ واضح ہے، ابن حزم نے ”المحلی“ میں اور ابن حجر نے ”الدراية“ میں یعنی نے ”عمدة القاری“ میں اس سند کو صحیح کہا ہے۔ (التعلیق الحسن: مع آثار السنن: ۲۵۷)

ایسے ہی سورہ جمعہ میں جو ارشاد باری عزوجل ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ“ (۱) ان آیتوں میں شہر والوں پر جمعہ فرض ہونے کا بیان ہے اذان سن کر اللہ تعالیٰ کی یاد کی طرف چل پڑنا اور خرید و فروخت موقوف کر دینا شہروں میں ہوتا ہے، اسی طرح نماز جمعہ پوری ہونے کے بعد زمین میں پھیل جانا اور اللہ کا رزق تلاش کرنا بھی شہر کی طرف اشارہ کرتا ہے؛ لیکن جہاں اسلامی حکومت نہیں اگر وہاں دیہاتوں میں جمعہ پڑھا جاتا ہے تو ان کو باقی رکھا جائے؛ کیونکہ اس کے موقوف کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اور دیہاتی لوگ جو کچھ جمعہ کے نام پر مسجد و دین سے جڑے ہوئے اسلامی شناخت پر ہیں وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

﴿420﴾ حضرت ابراہیمؑ حضرت حذیفہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: گاؤں والوں پر جمعہ نہیں ہے، جمعہ تو شہر والوں پر ہے جیسے مدائن ”لیس علی اهل القرى جمعة، انما الجمعة على اهل الأمصار مثل المدائن“ (۲)

﴿421﴾ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں: جمعہ اور تشریق (عید) جائز نہیں، مگر بڑے شہر میں۔ (۳)  
 ﴿422﴾ حسن بصریؒ اور محمدؒ (ابن سیرین) سے مروی ہے وہ دونوں کہتے تھے کہ جمعہ شہر میں ہوتا ہے ”الجمعة في الأمصار“ (۴)

## جمعہ کی دواذائیں

جمعہ کی دواذائیں مسنون ہیں: پہلی اذان خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت پہلے دی جائے؛ تاکہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں، اور دوسری اذان مسنون عربی خطبہ سے پہلے دی جائے۔

﴿423﴾ حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ

(۱) الجمعة: ۹

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں، ابراہیم کے مراسل ان کے نزدیک صحیح ہیں، پھر اس کی تائید حضرت علیؓ کے اثر سے ہو رہی ہے۔ (اعلاء السنن: ۸/۳۰)

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من قال: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، ۵۱۰۶  
 (۴) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من قال: لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اشار السنن: ۲۵۹: باب لا جمعة الا فی مصر جامع)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان (جمعہ کی پہلی اذان) کا حکم دیا؛ چنانچہ مقام ”زوراء“ پر وہ اذان کہی گئی، اور پھر یہ ایک سنت بن گئی ”فلما كان في خلافة عثمان، وكثروا امر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به على الزوراء، فثبت الأمر على ذلك“ (۱)

اس کو تیسری اذان سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہ منبر کے قریب دی جانے والی اذان اور اقامت کے علاوہ ہے۔

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ عہد رسالت، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی جو امام کے سامنے منبر کے پاس دی جاتی تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ کے حکم سے ایک اور اذان دی جانے لگی، ظاہر ہے کہ یہ تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دی جاتی تھی، ان میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا؛ چنانچہ یہ اذان باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم رائج ہو گئی۔

بلکہ یہ اذان کو مسنون قرار دیا جائے تو بھی گنجائش ہے؛ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر سکوت کے ذریعہ اس کی موافقت کی ہے، اگر یہ امر منکر (غیر درست) چیز ہوتی تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور اس کا انکار فرماتے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ”عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين“ اپنے اوپر لازم پکڑو میری سنت اور خلفاء کی سنت کو جو ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں۔ (۲)

گویا بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت پر عمل ضروری ہے، اور ہر زمانے میں اس اذان پر عمل ہوتا رہا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، پہلے یہ اذان ”زوراء“ پر دی جاتی تھی، بعد میں مسجد میں دی جانے لگی، آج بھی تمام اسلامی ممالک میں یہ اذان مسجد میں دی جاتی ہے، خود مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آج تک اس اذان کے مسجد میں دینے کا معمول ہے۔

(۱) بخاری: باب الأذان يوم الجمعة، حدیث: ۸۷۰

(۲) ابوداؤد: باب في لزوم السنة، حدیث: ۴۶۰ اس روایت کو احمد ابوداؤد ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیحین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (تحفة الاحوذی: باب ما جاء في اذان الجمعة: ۴۰/۳)

## جمعہ کے دن خطبہ کے وقت امام کے سامنے اذان

جب امام خطبہ دینے کیلئے منبر پر بیٹھ جائے، تو دوسری اذان اس کے سامنے دی جائے:

﴿424﴾ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرماتے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لاتے تو اقامت کہتے، ”کان بلال رضی اللہ عنہ یؤذن اذا جلس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یوم الجمعة، فاذا نزل أقام“ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا۔ (۱)

﴿425﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے، یہاں تک کہ مؤذن اذان سے فارغ ہو جاتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور پہلا خطبہ ارشاد فرماتے: پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے ”کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب خطبتین، کان یجلس اذا صعد المنبر؛ حتی یفرغ المؤذن، ثم یقوم فیخطب، ثم یجلس فلا یتکلم ثم یقوم فیخطب“ (۲)

﴿426﴾ حضرت ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں منبر پر تشریف فرماتے، پھر جب مؤذن اذان دے کر خاموش ہو جاتا تو کھڑے ہو کر پہلا خطبہ ارشاد فرماتے، پھر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے ”بلغنا أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان یبدأ فیجلس علی المنبر، فاذا سکت المؤذن قام فخطب الخطبة الأولى، ثم جلس شيئاً يسيراً، ثم قام فخطب الخطبة الثانية“ یہاں تک کہ خطبہ پورا فرما لیتے تو ”استغفر الله“ کہتے اور نیچے تشریف لا کر

(۱) نسائی: باب الأذان للجمعة، حدیث: ۱۳۹۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۴۷۳، باب ما يدل علی التأذین عند الخطبة یوم الجمعة عند الامام)

(۲) ابوداؤد: باب الجلوس اذا صعد المنبر، حدیث: ۱۰۹۲، اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد علامہ زیلعی فرماتے ہیں: ”والعمری فی مقال“ عمری کے بارے میں کلام ہے، پھر آگے مرا سیل ابوداؤد کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”کل منهما یقوی الآخر“ اس روایتوں میں سے ہر ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہیں ”نصب الراية: ۱۳۶/۲“ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

نماز پڑھاتے، حضرت ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تھے تو لاٹھی پکڑ کر اس پر ٹیک لگاتے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوتے، پھر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اسی طرح کرتے تھے۔ (۱)

امام منبر پر کھڑے ہو کر دو خطبے دے، پہلا خطبہ پڑھ کر تھوڑی دیر کیلئے بیٹھے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دے:

جیسا کہ مذکورہ بالا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن شہاب زہریؒ کی روایات سے معلوم ہوا۔

﴿427﴾ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے جیسا کہ تم اب کرتے ہو ”یخطب قائمًا ثم یقعہ ثم یقوم کما تفعلون الان“ (۲)

**جمعہ کے دونوں خطبے عربی زبان میں ہوں**  
**عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے**  
 ۱۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ خطبہ دراصل ”ذکر اللہ“ ہے۔

قرآن حکیم میں خطبہ کو ”ذکر اللہ“ ہی سے تعبیر کیا گیا ہے: ”اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ“ جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو، اللہ کی یاد کو۔ (۳)

عام مفسرین نے اس آیت مبارکہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ جمعہ کہا ہے۔

ایسے ہی آپ ﷺ نے بھی خطبہ جمعہ کو ذکر اللہ سے تعبیر فرمایا ہے:

﴿428﴾ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم منبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے، اس کے بعد

(۱) مراسیل ابی داؤد مع سنن ابی داؤد: ۷۔

(۳) الجمعة: ۹

(۲) بخاری: باب الخطبة قائمًا، حدیث: ۸۷۸

انڈاپیش کرنے والے کی، پھر امام خطبہ کیلئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لیٹ لیتے ہیں اور ذکر سننے میں شریک ہو جاتے ہیں ”فاذا خرج الامام، طووا صحفهم، ویستمعون الذکر“ (۱)

اس حدیث میں فرشتوں کے ذکر سننے سے مراد خطبہ جمعہ کا سننا ہے، قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہوا کہ خطبہ کی حقیقت ذکر اللہ ہے۔

جب قرآن و حدیث سے خطبہ کا ذکر اللہ ہونا ثابت ہوا تو جس طرح، تعوذ، تسمیہ، تسبیح، تحمید، ثناء، التحیات وغیرہ ذکر اللہ ہیں اور بالاتفاق ان کیلئے عربی زبان استعمال ہوتی ہے، غیر عربی زبان کا تصور بھی نہیں، اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہوگا، غیر عربی زبان میں خطبہ درست نہ ہوگا۔

۲- دوسری وجہ خطبہ جمعہ، جمعہ کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔

﴿429﴾ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جمعہ کا) خطبہ دو رکعتوں کی جگہ رکھا گیا ہے، جو شخص خطبہ نہ پائے تو وہ چار رکعت پڑھے ”انما جعلت الخطبة مكان الركعتين فان لم يدرك الخطبة فليصل أربعاً“ (۲)

﴿430﴾ ابن حزم کی یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”انما قصرت الصلاة لاجل الخطبة“ خطبہ کی وجہ سے نماز میں کمی ہوگئی۔ علامہ عثمانی فرماتے ہیں: اس کو ابن حزم نے روایت کیا ہے اور اس کو مرسل کہا ہے ”قرون ثلاثہ“ کے مرسل ہمارے یہاں مقبول ہیں۔ (۳)

﴿431﴾ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: جمعہ کی چار رکعتیں تھیں دو خطبے کی وجہ سے کم ہو گئیں ”كانت الجمعة اربعاً، فحُطَّت ركعتان للخطبة“ (۴)

۳- جو افعال و حرکات بحالت نماز ممنوع ہیں، خطبہ میں بھی حرام ہیں، سامعین کیلئے خطبہ کے دوران کھانا پینا، بولنا چالنا، یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا اور ذکر و تسبیح پڑھنا بھی جائز نہیں، ایسے ہی خطبے کے بھی نماز کی طرح کچھ آداب اور شرائط ہیں، مثلاً

(۱) بخاری: باب الاستماع الى الخطبة يوم الجمعة، حدیث: ۸۸۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب الرجل تفوته الخطبة، اس کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف

میں روایت کیا ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں: یہ مرسل صحیح ہے۔ (حواشی اعلاء السنن: ۸/۲۶)

(۳) اعلاء السنن: ۸/۲۶ (۴) المدونة الكبرى: باب في خطبة الجمعة: ۲۳۶/۱

۱- طہارت: بلا وضو پڑھنا مکروہ ہے۔

۲- خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا۔

۳- لوگوں کی طرف رخ کر کے پڑھنا۔

۴- خطبہ شروع کرنے سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ پڑھنا۔

۵- خطبہ کا لوگوں کو سنانا: اگر آہستہ خطبہ پڑھا گیا تو گو فرض ادا ہو گیا؛ لیکن مکروہ ہوا.....

اسی طرح اس کے کچھ شرائط ہیں:

۱- خطبہ جمعہ، جمعہ کے وقت میں ہو، اگر زوال سے پہلے پڑھا گیا تو وہ معتبر نہ ہوگا۔

۲- نماز جمعہ سے پہلے پڑھنا، اگر بعد میں پڑھا گیا تو سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔

۳- خطبہ کے وقت مردوں کا موجود ہونا، صرف عورتیں ہوں تو خطبہ نہ ہوگا۔

۴- اگر حاضرین بہرے ہوں، یا سب سو رہے ہوں تو تب بھی خطبہ پڑھنا ضروری ہے۔

۵- اگر شور و شغب یا اور کسی وجہ سے سامعین خطبہ نہ سن سکیں تب بھی خطبہ پڑھا جائے گا اور وہ معتبر

ہوگا، اس طرح کی قیودات بتلا رہی ہیں کہ بہت سے احکام جو نماز کے ہیں وہ خطبے کے بھی

ہیں، خطبہ کوئی وعظ و تذکیر کی مجلس نہیں، جب خطبہ نماز کی طرح؛ بلکہ اس کے قائم مقام ہے تو

یہ ضروری ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو؛ کیونکہ نماز کی زبان عربی ہے، نماز کسی اور زبان میں نہیں

ہوتی۔ خطبہ بالا جماع نماز کی شرط ہے، جو زبان نماز کی ہوگی وہی شرط یعنی خطبہ کی ہوگی۔

۴- حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ خطبہ مختصر کرو اور نماز کو دراز کرو:

﴿432﴾ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے ہمیں خطبہ دیا تو بہت

مختصر اور انتہائی بلیغ خطبہ دیا، جب وہ منبر سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے ابوالیقظان! آپؓ نے نہایت

بلیغ اور مختصر خطبہ دیا، اگر آپؓ اسے ذرا لمبا کرتے تو اچھا ہوتا، حضرت عمارؓ نے فرمایا: میں نے

رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کا نماز کو لمبا کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کے

سمجھدار ہونے کی نشانی ہے، لہذا تم نماز کو لمبی کیا کرو، اور خطبہ کو مختصر، اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں:

”انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته

مَئِنَّةٌ مِنْ فَقْهِهِ ، فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ ، وَاقْصِرُوا الْخُطْبَةَ وَأَنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا“ (۱)



یہ خطبہ اللہ کی حمد و ثناء، کلمہ شہادتیں، نبی ﷺ پر درود، وعظ و نصیحت، قرآن پاک کی کوئی آیت، دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی سی بیٹھک، دوسرے خطبے میں بھی حمد و ثناء، درود، تمام مسلمان مرد و عورت کیلئے دُعا، ان چیزوں پر مشتمل مختصر خطبہ ہو..... اسی کی تاکید حضور ﷺ فرما رہے ہیں، اس طرح سے اگر آدھے ایک گھنٹے کی تقریر کو خطبہ قرار دیں تو حضور اکرم ﷺ کے حکم کی مخالفت لازم آئے گی۔

۵۔ آنحضرت ﷺ نے عربی زبان میں خطبہ دیا ہے:

حضور ﷺ نے بھی پابندی کے ساتھ عربی زبان میں خطبہ دیا ہے، آپ ﷺ کے خطبے میں عجی بھی شریک ہوتے تھے، کبھی آپ ﷺ نے ان کی رعایت میں ان کی زبان میں خطبہ نہیں دیا، اور نہ کسی کو ان کی زبان میں خطبہ دینے کو کہا، اور نہ کبھی اس خطبہ کا کسی سے ترجمہ کروایا، ایسے ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بہت کثرت سے عجی ان کے خطبے میں شرکت کرتے تھے؛ لیکن انہوں نے بھی پوری پابندی کے ساتھ عربی میں خطبہ دیا، اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، محدثین، ائمہ فقہاء رحمہم اللہ؛ بلکہ عرب و عجم ہر جگہ خطبہ کا عربی زبان میں عمل تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا ہے؛ اس لئے خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

**خطبہ کے درمیان بات چیت اور نماز مکروہ ہے:**

جمعہ کے خطبہ کے دوران نماز (تحیۃ المسجد یا سنتیں) پڑھنا اور باتیں کرنا مکروہ تحریمی ہے:

﴿433﴾ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، اور جس حد تک ہو سکے صفائی کرے، پھر تیل لگائے یا خوشبو ہو تو وہ لگائے، پھر جمعہ کیلئے جائے، پھر جتنی اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے، پھر جب امام خطبہ کیلئے نکل آئے تو خاموش رہے تو ایسے شخص کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے گناہ معاف کرتے ہیں ”فصلی ما کتب لہ، ثم اذا خرج الامام انصت، غفر لہ ما بینہ و بین الجمعة الاخری“ (۱)

﴿434﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس قسم کی روایت منقول ہے، اس کے الفاظ ہیں: ”فصلی ما قدر لہ، ثم انصت؛ حتی یفرغ الامام من خطبته“ پھر جتنی نماز اس کیلئے

مقدر تھی پڑھی، پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا، پھر اس کے ساتھ نماز پڑھا تو اس کے اس جمعہ سے اس جمعہ تک کے؛ بلکہ اور تین دن مزید اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

﴿435﴾ حضرت عطاء خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی شہہ ہڈلیؐ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمان جمعہ کے دن غسل کر کے مسجد آئے، اس طرح سے کہ کسی کو تکلیف نہ دے، پھر اگر دیکھے کہ امام ابھی (خطبہ کیلئے) نہیں نکلا، تو جتنی چاہے نماز پڑھتا رہے، اور اگر دیکھے کہ امام نکل آیا تو بیٹھ جائے اور خاموشی سے خطبہ سننے لگے؛ یہاں تک کہ امام خطبہ و نماز سے فارغ ہو جائے تو اگر اس کے اس جمعہ کے سارے گناہ معاف نہ ہوئے تو دوسرے جمعہ کیلئے یہ کفارہ ہو جائے ”فاذا لم یجد الامام خرج فصلی ما بدا له، وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته وکلامه، ان لم یغفر له فی جمعته تلك ذنوبه کلها ان تكون کفارة للجمعة التي قبلها“ (۲)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے کی حد خطبہ سے پہلے تک ہے، اس کے بعد نماز پڑھنا حضور ﷺ کے طئے کردہ حدود کو تجاوز کرنا ہے، یعنی خطبہ سے پہلے نماز کو بند کرنا ہے، خطبہ کے دوران خاموش رہنا ہے، یعنی اس دوران نماز پڑھنا خاموشی کے منافی ہے۔

﴿436﴾ حضرت ابو ہریرہؓ کی جس روایت میں جمعہ کے دن سب سے پہلے جمعہ کیلئے آنے والے، پھر دوسرے، تیسرے، چوتھے، آنے والے کیلئے بالترتیب، اونٹ، گائے، مینڈھا، مرغی انڈا وغیرہ کی قربانی دینے کا ثواب ذکر کیا گیا ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ فرشتے امام جب خطبہ کیلئے نکل کر آتے تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (۳)

امام کے نکل آنے کے بعد فرشتوں کا نامہ اعمال لپیٹ کر ذکر اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جانا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خطبہ کی حالت ذکر سننے کے علاوہ تمام اعمال کو بند کرنے کی ہے، نہ کہ نماز اور کلام کی۔

﴿437﴾ حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں خطبہ کے دوران کسی کو خاموش کرنے

(۱) مسلم: باب فضل من استمع الخطبة وانصت فی الخطبة، حدیث: ۸۵۷

(۲) مسند احمد: ۲۰۷۲۰، مع تحقیق: شعیب الأرنؤوط، علامہ یثمی فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں

(۳) بخاری: باب فضل الجمعة، حدیث: ۸۸۱

سے بھی منع کیا گیا ہے ”اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت“ (۱)

﴿438﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو شخص کسی کو دورانِ خطبہ خاموش رہنے کو کہتا ہے اس کا جمعہ ہی نہ ہوگا ”والذی يقول له انصت، ليس له الجمعة“ (۲)  
ان روایتوں میں دورانِ خطبہ امر بالمعروف (بھلائی کا حکم کرنا) نہی عن المنکر (برائی سے روکنا) یہ جو واجب چیز ہے اس سے بھی منع کیا گیا ہے؛ اس لئے اس دورانِ سنت و نوافل کی اجازت کیوں کر ہو سکتی ہے؟

﴿439﴾ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کوئی شخص جب مسجد میں اس وقت داخل ہو جبکہ امام منبر پر ہو تو اس صورت میں نہ نماز جائز ہے اور نہ کلام، جب تک امام (خطبہ سے) فارغ نہ ہو جائے ”اذا دخل أحدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى يفرغ“ (۳)

﴿440﴾ حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا (اس دور میں جمعہ کے دن ایسا ہوتا تھا کہ) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کیلئے نکل آتا تو ہم نماز چھوڑ دیتے تھے ”ادركتُ عمر و عثمان رضی اللہ عنہما اذا خرج الامام تركنا الصلوة“ (۴)

(۱) بخاری: باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، حدیث: ۹۳۴  
(۲) مسند احمد: حدیث: مع تحقیق شعيب الأرنؤط، علامہ بیہقی نے فرمایا ہے: اس کو احمد، بزار اور طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اس کے ایک راوی خالد بن سعید ہیں، ان کو بعض لوگوں نے ضعیف کہا ہے اور نسائی نے ایک روایت میں ان کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد: باب الانصات والامام يخطب، حدیث: ۲۱۳۳)

(۳) مجمع الزوائد: باب فيمن يدخل المسجد والامام يخطب، حدیث: ۳۱۲۰، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی ایوب بن نھیک ہیں، یہ متروک ہیں، ایک جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے، ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے یہ کبھی غلطی کرتے ہیں

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ: من كان يقول: اذا خطب الامام فلا يُصلى، ۵۲۱۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اشار السنن: ۲۸۲، باب في المنع من الصلاة عند الخطبة)

﴿441﴾ امام مالکؒ نے اپنی موطا میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالکؓ سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے، ابن شہاب زہریؒ اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں: ”فخروج الامام يقطع الصلوة و كلامه يقطع الكلام“ امام کا نکلنا نماز کو اور اس کا کلام خطبہ یعنی گفتگو کو ختم کر دیتا ہے۔ (۱)

﴿442﴾ حضرت علیؓ ایک تفصیلی روایت میں فرماتے ہیں: تیسرا وہ شخص ہے جس نے امام کے (خطبہ کیلئے) نکلنے کے بعد نماز پڑھی اس کی یہ نماز سنت کے مطابق نہیں ”ورجل صلی بعد خروج الامام فليست بسنة“ (۲)

﴿443﴾ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ امام کے خطبہ کیلئے نکل آنے کے بعد نماز اور بات چیت کو مکروہ سمجھتے تھے ”یکرہان الصلاة والكلام بعد خروج الامام“ (۳)

﴿444﴾ حضرت ابن عباسؓ سے لوگوں نے سوال کیا کہ خطبہ کے دوران آدمی نماز پڑھ سکتا ہے آپؐ نے فرمایا: اگر سب ہی پڑھیں گے تو یہ ٹھیک ہوگا؟ ”أرأيت لو فعل ذلك كلهم كان حسناً؟“ (۴)

﴿445﴾ ایک روایت میں حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ امام کے (خطبہ کے وقت) منبر پر ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا گناہ ہے۔ ”الصلوة والامام على المنبر معصية“ (۵)  
حسن بصریؒ (۶) قاضی شریحؒ (۷) ابوقلابہؒ (۸) دوران خطبہ نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت قتادہؒ (۹) عطاء بن رباحؒ (۱۰) ابن سیرینؒ (۱۱) عروہ بن زبیرؒ (۱۲) ابن شہاب زہریؒ (۱۳)

(۱) مؤطا مالک: باب ما جاء في الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، حدیث: ۳۳۳

(۲) مصنف عبد الرزاق: باب جلوس الناس حين يخرج الامام، حدیث: ۵۳۶۵

(۳) مصنف: ابن شیبہ: من كان يقول: اذا خطب الامام فلا یصلی، ۵۲۱۸

(۴) مصنف عبد الرزاق: باب الرجل یجعی والامام یخطب، ۵۵۱۷

(۵) شرح معانی الآثار: باب الرجل یدخل المسجد يوم الجمعة، ۵۵۱۷، مع تحقیق: زہری النجار، فرماتے ہیں: اس کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہیں اور ان کے بارے میں کلام کیا گیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: احمد نے ان کی توثیق کی ہے اور یہی بات کافی ہے: عمدة القاری: باب اذا رأى الامام رجلاً جاء وهو یخطب (۶) طحاوی

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ

(۸) طحاوی

(۹) مصنف ابن شیبہ (۱۳-۱۲-۱۱)

(۱۰-۹) مصنف عبد الرزاق

(۸) طحاوی

حضرت سعید بن مسیب (۱) حضرت مجاہد (۲) امام جب خطبہ کیلئے نکلے تو یہ لوگ نماز اور کلام سے منع فرماتے تھے۔

## جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

نماز جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہے اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعات سنت مؤکدہ پھر دو رکعات سنت غیر مؤکدہ ہے۔

﴿446﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چار رکعات جمعہ سے پہلے پڑھتے تھے

اور چار رکعات جمعہ کے بعد اور سلام آخری (چوتھی) رکعت میں پھیرتے تھے ”کان رسول اللہ یصلی قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً، جعل التسليم في اخرهن“ (۳)

﴿447﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو جمعہ کے بعد سنتیں

پڑھنا چاہے تو اسے چاہئے کہ چار پڑھے ”من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً“ (۴)

﴿448﴾ حضرت سالم اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ

جمعہ کے دن چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے ”کان یصلی بعد الجمعة أربعاً“ (۵)

﴿449﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بھی جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنے

کا معمول تھا، اور وہ اسی کا حکم کرتے تھے ”کان یصلی قبل الجمعة أربع رکعات

وبعدها أربع رکعات“ (۶)

(۲) طحاوی

(۱) مصنف عبدالرزاق

(۳) معجم اوسط لطبرانی: حدیث: ۱۶۱۷، اس کو طبرانی نے ”اوسط“ میں روایت کیا ہے: اور کہا ہے، اس کے ایک راوی محمد بن عبدالرحمن ہیں، انہیں کے بارے میں ابن عدی نے کہا ہے: ان سے کوئی نقصان نہیں، ان کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے ”اللسان“ یہ مختلف فیہ ہیں اور ان جیسی کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں: اعلاء السنن: ۱۳/۷

(۴) مسلم: باب الصلاة بعد الجمعة، ۸۸۱

(۵) مسلم: باب الصلاة بعد الجمعة، ۸۸۲

(۶) مصنف عبدالرزاق: باب الصلاة قبل الجمعة وبعدها، حدیث: ۵۵۲۴، مع تحقیق: حبیب الرحمن اعظمی، اس کو عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے ”الدراية“ میں ہے: اس کے رجال ثقہ ہیں، ”انثار السنن“ میں ہے اس کی سند صحیح ہے، یہ موقوف ہے اور مرفوع کے حکم میں ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/۷)

ان روایات سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا جمعہ سے پہلے چار رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعات اور پھر دو رکعات کا معمول تھا۔  
مجموعی طور پر جمعہ کے چھ رکعات کے تعلق سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کی پوری وضاحت کے ساتھ تائید و توثیق ہوتی ہے۔

﴿450﴾ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چار رکعتیں جمعہ سے پہلے پڑھتے اور چار جمعہ کے بعد، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے بعد پہلے دو پھر چار رکعات پڑھنے کا حکم دیا ہے ”أَنَّه أَمَرَ أَنْ يُصَلِّيَ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَرْبَعًا“ (۱)

﴿451﴾ حضرت عطاء بن رباحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب جمعہ پڑھتے تو جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھتے، پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں۔ (۲)

﴿452﴾ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، جس مصلے پر آپ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی ہے، اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے، پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعات پڑھتے تھے ”قال: فیركع ركعتين، قال: ثم يمشی انفس من ذلك فیركع اربع ركعات“ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کتنی دفعہ ایسے کرتے دیکھا: انہوں نے فرمایا: بہت دفعہ ”کم رأیت ابن عمر یصنع ذلك؟ قال مرارًا“ (۳)

﴿453﴾ اس روایت کو ترمذیؒ نے حضرت عطاءؒ سے مختصر نقل کیا ہے فرماتے ہیں: ”رأیت ابن عمر صلی بعد الجمعة رکعتین ثم صلی بعد ذلك أربعًا“ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے جمعہ کے بعد دو رکعات پڑھی اور پھر اس کے بعد چار رکعات۔ (۴)

(۱) ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، تحت حدیث: ۵۲۳، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۴۷۷)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: من کان یُصلی بعد الجمعة رکعتین، ۵۴۱۲، ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها، تحت حدیث: ۵۲۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے، عراقی کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے: اثر السنن: ۴۶۶، باب السنة قبل الجمعة وبعدها

(۳) ابو داؤد: باب الصلاة بعد الجمعة، حدیث: ۱۳۳، البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(۴) ترمذی: باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة، تحت حدیث: ۵۲۳

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت مسروق (۱) بھی جمعہ کے بعد چھ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ جمعہ کے چھ رکعت موکدہ ہیں۔

**عید اور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ ساقط نہ ہوگا**

عید اور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ ساقط نہ ہوگا اس کا پڑھنا بھی فرض ہی رہے گا؛ چونکہ جمعہ کا ثبوت نص قطعی سے ثابت ہے

ارشاد خداوندی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ، ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲) اے ایمان والو! جب اذان ہو جمعہ کے دن تو دوڑ پڑو، اللہ کی یاد کو اور چھوڑ و خرید و فروخت، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

﴿454﴾ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی تھا کہ اگر جمعہ اور عید اکٹھے ہوتے تو دونوں ادا فرماتے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں ”سَبَّح اسم ربك الأعلى“ اور ”هل أتاك حديث الغاشية“ پڑھتے تھے، بسا اوقات عید اور جمعہ ایک ہی دن اکٹھے ہو جاتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھتے تھے ”وَرَبَّمَا اجتمع في يوم واحد فيقرأ بهما“ (۳)

﴿455﴾ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ پھر میں عید کی نماز کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا، اتفاق سے یہ جمعہ کا دن تھا آپؐ نے بھی خطبہ سے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، فرمایا: لوگو! یہ ایسا دن ہے جس میں تمہارے لئے دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں، اہل عوالی میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے، وہ انتظار کرے اور جو واپس جانا چاہے میری طرف سے اسے اجازت ہے۔ (۴)

(۲) جمعہ: ۹

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، اوپر کے روایات کے تحت

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی القراءة فی العیدین، حدیث: ۵۳۳، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۴) بخاری: کتاب الاضاحی، باب ما يؤكل من لحوم الاضاحی وما يُتزوّد منها،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر جمعہ اور عید ایک دن جمع ہو جائیں تو دونوں پڑھے جائیں گے، خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہاں البتہ اہل عوالی (اطراف مدینہ رہنے والے دیہاتیوں کو) جن پر جمعہ فرض نہیں تھا، انھیں یہ اجازت دی کہ اگر تم جمعہ کیلئے ٹھہرنا چاہو تو ٹھہر جاؤ اور اگر جانا چاہو تو چلے جاؤ؛ چونکہ دیہاتیوں پر جمعہ فرض ہی نہیں تھا۔ اس کی تصدیق کتاب الأم، میں مذکور اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿456﴾ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عیدیں اکٹھی ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل عوالی میں سے جو (نماز جمعہ کیلئے) بیٹھنا چاہے وہ بیٹھ جائے بغیر کسی تنگی کے ”فقال من أحب من أهل العالية فليجلس في غير حرج“ (۱) خود امام شافعی اسی کے قائل تھے کہ اجتماع کی صورت میں دونوں پڑھے جائیں گے۔





## نمازِ عیدین

رمضان المبارک کے بعد یکم شوال کو عید الفطر اور ۱۰ ارزی الحجہ کو عید النضحیٰ یہ مسلمانوں کی دو عیدیں ہیں، یہ دونوں مسلمانوں کیلئے مسرت و خوشی کے دن ہیں، جنہیں مسلمان بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں، اس دن دو رکعت نماز ہے، جس میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اللہ عز و جل کے انعامات و احسانات کا بندہ شکر یہ ادا کرتا ہے، اور یہ عہد و پیمان کرتا ہے کہ وہ ساری زندگی اسلامی تعلیمات کے عین موافق گزارے گا، اس کے مقابل عام دنیا والوں کا مزاج تو یہ ہے کہ خوشی منانے کیلئے اپنے کام کو چھوڑ کر لہو و لعب، گپ شپ، موسیقی و آتش بازی وغیرہ کا سہارا لیا جاتا ہے؛ لیکن اسلام نے اظہارِ مسرت کا طریقہ یہ بتلایا ہے کہ غریبوں کی غم خواری اور اچھے کھانے کپڑے کے علاوہ دو رکعت مزید بڑھا دیئے جائیں۔

﴿457﴾ مسلمانوں کیلئے ان دونوں عیدوں کی مشروعیت کے تعلق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یہاں کے لوگوں کے سال میں دو دن تھے، جس میں اہو و لعب میں مشغول ہوتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیسے دن ہیں؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ ان دنوں میں ہم جاہلیت کے زمانے میں کھیل کود کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے ان دو دنوں کے بجائے دو بہتر دن مقرر کئے ہیں، اور وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر ہیں ”اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ“ (۱)

## نمازِ عید کا حکم

نمازِ عید واجب ہے:

ارشاد خداوندی ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (۲) اپنے رب کیلئے نماز پڑھئے اور قربانی دیجئے۔ (۱) ابوداؤد: باب صلاۃ العیدین، حدیث: ۱۱۳۳، امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے، دُھمی نے بھی ”اخص“ میں یہی بات کہی ہے۔ (المستدرک: کتاب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر: ۱۵۹۱) (۲) الکوثر: ۲

حضرات مفسرینؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں نماز سے نماز عید اور نحر (قربانی) سے جانور کی قربانی مراد لیا ہے، اس میں صیغہ امر واجب کیلئے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا: وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ (۱) اور اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں طریقہ بتایا۔

اس آیت میں بڑائی بیان کرنے کا مطلب نماز عید ہے۔ (۲)

## نماز عید کی ترکیب

طلوع آفتاب کے کچھ بعد اور زوال سے پہلے بغیر اذان و اقامت کے چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعت نماز باجماعت پڑھی جائے، پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین تکبیریں زائد کہی جائیں اور ہر تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیا جائے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیئے جائیں، امام جہر اقرأت کرے پھر رکوع وسجدہ کے بعد دوسری رکعت کا آغاز قرأت سے کرے، قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے بعد رکوع اور باقی نماز مکمل کی جائے۔

458 ﴿﴾ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے ”صلوة الأضحی رکعتان والفطر رکعتان علی لسان نبیکم (۳)“

گویا پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح اور تکبیر زائد چار تکبیریں ہیں، اس طرح دوسری رکعت میں تین تکبیرات اور تکبیر رکوع، کل چار تکبیریں ہیں۔

459 ﴿﴾ حضرت سعید ابن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہ بن الیمانؓ سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کس طرح کہتے تھے، حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ آپ ﷺ چار تکبیرات کہتے تھے، جس طرح جنازہ میں چار تکبیرات ہوتے ہیں ”فقال ابو موسیٰؓ کان یکبر أربع تکبیرات علی الجنائز“ حضرت حذیفہؓ نے اس بات کی تصدیق کی تو حضرت ابوموسیٰؓ نے کہا: میں بھی اسی طرح چار تکبیرات کہتا تھا، جب

وہاں بصرہ میں حاکم تھا۔ (۱)

﴿460﴾ ایک طویل حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”يُكَبِّرُ أَرْبَعًا، ثُمَّ يَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ، فَيَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُومُ فِي الثَّانِيَةِ فَيَقْرَأُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا بَعْدَ الْقِرَاءَةِ“ امام چار تکبیرات کہے، پھر قرأت کرے، پھر تکبیر کہے، اور رکوع کرے، پھر دوسری رکعت میں کھڑا ہو اور قرأت کرے، پھر قرأت کے بعد چار تکبیرات کہے۔ (۲)

﴿461﴾ ”وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: التَّكْبِيرُ فِي الْعِيدِ أَرْبَعًا كَالصَّلَاةِ عَلَى الْمِيتِ“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ: عید کی نماز میں (ایک رکعت میں) چار تکبیرات ہیں، جیسا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیرات ہیں۔ (۳)

﴿462﴾ عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كَبَّرَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمَ الْعِيدِ فِي الرُّكْعَةِ الْأُولَى أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ، ثُمَّ قَرَأَ، ثُمَّ رَكَعَ، ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ ثُمَّ كَبَّرَ ثَلَاثَ تَكْبِيرَاتٍ سِوَى تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ“ (۴)

﴿463﴾ سند قوی کے ساتھ ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو اختلافی مسائل تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے طے ہوئے، ان میں یہ بھی مسئلہ ہے کہ عیدین کی نمازوں میں چار چار تکبیریں کہی جائیں، (پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ چار تکبیریں اور دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر کے ساتھ چار تکبیریں)۔ (۵)

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ یا گیارہ تکبیرات زوائد بھی مروی ہیں، اور چار چار بھی ثابت ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل چار چار تکبیریں کہنے کا تھا، اور دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

(۱) ابوداؤد: باب التکبیر فی العیدین، حدیث: ۱۱۵۳، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۴۹۸، باب صلا العیدین بست تکبیرات زوائد)

(۲) مصنف عبد الرزاق: کتاب صلاة العیدین، باب التکبیر فی الصلاة، ۵۲۸۷، علامہ نیوی نے کہا اس کو عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر نے درایہ میں اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ابن حزم لکھتے ہیں: ”وهذا اسناد في غاية الصحة“ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۴۹۸)

(۳) مجمع الزوائد: ۳۲۵۱، اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں

(۴) محلی ابن حزم: ۲۰۶/۳، یہ سند بے انتہا صحیح ہے، حافظ نے ”انخیص“ میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (اعلاء السنن: ۵۰۰، باب صلاة العیدین)

(۵) شرح معانی الآثار: باب التکبیر علی الجنائز، ۲۲۱۸، مع تحقیق: زهر النجار

زمانہ میں اس پر صحابہ رضی اللہ عنہ کا اجماع ہوا ہے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا جواب اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق بھی اس کی دلیل ہے (تکبیرات کی زیادتی اور کمی کا یہ اختلاف صرف اس بنیاد پر ہے کہ بہتر طریقہ کونسا ہے، اور اس مذکورہ طریقہ کے بہتر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے طریقے غلط یا ناجائز ہیں؛ اس لئے اس قسم کی لڑائیاں ملت میں پیدا کرنا بہت بڑی نادانی ہے)۔

ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۳) بھی گیارہ تکبیروں کے قائل تھے، پہلی رکعت میں پانچ بشمول تکبیر تحریمہ و تکبیر رکوع کے اور دوسری رکعت میں چار بشمول تکبیر رکوع کے ..... جلیل القدر تابعین، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ (۴) حضرت اسود بن یزید اور حضرت مسروق رضی اللہ عنہ (۵) حضرت خواجہ حسن بصری اور محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ (۶) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ شاگرد بھی یہی فتویٰ دیتے تھے۔ (۷)

## خطبہ عیدین

نماز کے بعد دو خطبے مسنون ہیں، جس میں وعظ و نصیحت کی جائے:

﴿464﴾ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مصلیٰ کی طرف نکلتے، سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں وعظ و نصیحت کرتے، احکامات بیان فرماتے، اور اگر کسی لشکر کو روانہ کرنا ہوتا تو اسی وقت روانہ کرتے، اور حکم صادر کرنا ہوتا تو حکم صادر کرتے اور پھر تشریف لے جاتے۔ (۸)



(۲-۱) شرح معانی الآثار

(۳-۲-۵-۶) مصنف ابن ابی شیبہ

(۷) (مصنف عبد الرزاق) اوپر کی روایات کے تحت کتابوں میں ان روایات کو دیکھا جائے

(۸) بخاری: باب الخروج الى المصلی، حدیث: ۹۵۶

## مساجد اور عید گاہوں میں عورتوں کی نماز

مساجد اور عید گاہوں میں نماز وغیرہ کیلئے عورتوں کی آمد کے تعلق سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا مساجد میں آنا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ یہ نہیں ہے؛ بلکہ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ عورتوں کا مساجد اور عید گاہوں میں آنا بہتر اور افضل ہے یا نہیں؟ کیا انہیں مساجد اور عید گاہوں میں آنے کی ترغیب دی جائے اور ان کی اس بارے میں حوصلہ افزائی کی جائے یا انہیں گھر پر ہی نماز کی ادائیگی کی تلقین کی جائے، شرعاً کونسا امر بہتر ہے؟ خود نبی کریم ﷺ نے باوجود عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت مرحمت فرمانے کے ان کیلئے کئی بات پسند کی ہے؟ مسجد میں آکر نماز ادا کرنے کی یا گھر پر ہی نماز کی ادائیگی کی؟ جب اس تعلق سے احادیث رسول کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی چھان بین کی جاتی ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دور رسالت میں باوجودیکہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت تھی، (اگرچہ کہ وہ چند ضروری وجوہات اور چند شرائط کی پابندی کے ساتھ تھی)؛ لیکن آپ ﷺ نے عورت کیلئے بہتر یہی قرار دیا تھا کہ وہ جس قدر ممکن ہو سکے اندرونی گوشے میں نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرے، چنانچہ بہت سی روایات اس بارے میں دلالت کرتی ہیں۔

﴿465﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”صلاة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها“ عورت کی نماز اپنے گھر میں گھر کے صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز چھوٹی کوٹھری میں گھر کی نماز سے بہتر ہے۔ (۱)

(۱) ابوداؤد: باب التشديد في ذلك ”ای فی خروج النساء“ حدیث: ۵۷۰، حاکم نے ”مستدرک“ میں اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، علامہ ذہبی نے یہی کہا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابوداؤد مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (خلاصة الأحكام: باب استحباب الجماعة للنساء، حدیث: ۲۳۲۸، مؤسسة الرسالة، بیروت)

﴿466﴾ حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”صلاة المرأة

فی بیتھا خیر من صلاتھا فی حجرتها، و صلاتھا فی دارھا خیر من صلاتھا فی مسجد قومھا“ عورت کی نماز اس کی اپنی کوٹھڑی میں گھر کے بڑے کمرے کی نماز سے بہتر ہے اور اس کی نماز گھر کے صحن میں محلے کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے۔ (۱)

﴿467﴾ حضرت ام حمید ساعدیہؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں:

اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو؛ حالانکہ تمہارا گھر کے اندر کمرے میں نماز پڑھنا حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، حجرے میں نماز پڑھنا تمہارے برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، تمہاری برآمدے کی نماز اپنی قوم کی مسجد کی نماز سے بہتر ہے اور اپنے قوم کی مسجد کی نماز سے تمہاری جماعت کی مسجد کی نماز بہتر ہے۔ (۲)

﴿468﴾ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً مروی ہے کہ ”ما صلت امرأة من صلاة

أحبّ الی اللہ من أشدّ مکانٍ فی بیتھا ظلّمة“ عورت کی نماز گھر کی سب سے گہری تاریک جگہ میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۳)

﴿469﴾ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: ”المرأة عورة،

و أنّھا اذا خرجت، استشرّفھا الشیطان، و أنّھا اقرب ما تكون الی اللہ وھی فی قعر بیتھا“ عورت پردے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی جانب تا تک جھانک کرتا ہے، جس وقت وہ اپنے گھر کے بالکل اندرونی حصے میں ہوتی ہے تو وہ اللہ عز و جل

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی: باب من اسمہ محمد: حدیث: ۹۱۰۱، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”اوسط“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے ”خلاب بن مہاجر“ کے، چونکہ ابن ابی حاتم نے ان کے بیٹے کے علاوہ ان سے روایت کرنے والے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔ (مجمع الزوائد:

باب خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۲۱۰۸)

(۲) مسند احمد: حدیث: ۲۷۰۹، مع تحقیق: شعیب الارناؤط، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے عبداللہ بن اسود انصاری کے، ابن حبان نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

(۳) مجمع الزوائد: باب خروج النساء الی المساجد وغیر ذلک، حدیث: ۲۱۱۵، اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

کے سب سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (۱)

﴿470﴾ حضرت اُم سلمہؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خیر

مساجد النساء قعر بیوتھن“ (۲)

﴿471﴾ یحییٰ بن سعیدؒ حضرت عمر بن خطابؓ کی اہلیہ عاتکہ بنت یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ

وہ حضرت عمرؓ سے مسجد میں جانے کی اجازت چاہتی تھیں تو آپؓ خاموش رہتے تھے تو وہ کہا کرتیں

”واللہ لأخر جنّ الا أن تمنعنی“ (بخدا میں ضرور جاؤں گی ورنہ آپ مجھے جانے سے روکئے)

لیکن حضرت عمرؓ انہیں روکا کرتے تھے۔ (۳)

وہ منع اس وجہ سے نہیں کرتے تھے کہ حدیث میں اجازت ہے، لیکن ذاتی طور پر ناپسند

فرماتے تھے۔

حضرت عاتکہؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کے بعد حضرت زبیرؓ سے ہوا، جس میں

حضرت عاتکہؓ نے یہ شرط لگائی کہ وہ مسجد میں نماز کے لئے جائیں گی، تو حضرت زبیرؓ نے یہ

حیلہ کیا کہ عشاء کی نماز میں راستہ کے کنارے چھپ گئے، جب وہ وہاں سے گذریں تو کمر پر مارا

تب وہ گھر آ کر کہنے لگیں: اب لوگ بگڑ چکے ہیں پھر اس کے بعد نہیں نکلا کرتی تھیں۔ (۴)

ان تمام روایات سے پتہ چلا کہ عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا، مسجد میں نماز پڑھنے سے

افضل اور بہتر ہے، جو عمل افضل اور بہتر ہوتا ہے، وہ ثواب کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے، سنت نبوی

پر عمل اور اس کے ساتھ عشق و محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کسی بھی عمل کے جائز پہلو کے بجائے اس

کے بہتر اور برتر پہلو کو اپنایا جائے۔

رہی وہ روایتیں جن سے عورتوں کے پنج وقتہ نمازوں اور جمعہ و عیدین میں شرکت کا جواز

معلوم ہوتا ہے، خود ان روایات کے سیاق و سباق اور ان کے الفاظ اور لب و لہجہ سے یہ پتہ چلتا ہے

(۱) الطبرانی فی الکبیر: حدیث: ۹۳۶۸، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد

: باب خروج النساء إلی المساجد، حدیث: ۲۱۱۶)

(۲) مجمع الزوائد: باب خروج النساء إلی المساجد وغیر ذالک، حدیث: ۲۱۰۵، اس کو طبرانی

نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مؤطا مالک: باب ما جاء فی خروج النساء إلی المساجد، حدیث نمبر: ۲۷۶

(۴) اوجز المسالك: ۲۰۹/۴

کہ یہ ان کی مسجدوں اور عید گاہ میں حاضری بھی مطلق نہیں تھی؛ بلکہ کچھ شرائط اور حدود و قیود کے ساتھ تھی، وہ بھی بغرض تعلیم و تعلم کے ہوا کرتی تھی؛ چونکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، جس طرح مرد حضرات کیلئے ”صفہ“ میں دینی و شرعی احکام کے سکھانے کا نظم تھا، عورتوں کیلئے اس طرح کا کوئی نظم نہیں تھا؛ اس لئے آپ ﷺ کے خطبات و طریقہ عبادات اور احکام شرعیہ کے علم حاصل کرنے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ وہ خود بنفس نفیس مساجد میں آکر براہ راست آپ ﷺ کے عمل کو دیکھیں اور باتوں کو سنیں، چنانچہ وہ روایت جس میں کنواری، سیانی لڑکیوں، پردہ نشین خواتین اور حیض و نفاس والی عورتوں کو عید گاہ لے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ (۱)

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتیں جو عید گاہ کو جاتی تھیں، تو نماز مقصود نہیں تھی؛ بلکہ تعلیم مقصود تھی؛ کیونکہ حاضضہ اور نفاس والی عورتوں کیلئے عید گاہ جانا لا حاصل ہے، کیوں کہ ان کیلئے اس حالت میں نماز پڑھنا جائز ہی نہیں، پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں عید گاہ جانے کا حکم دیا، اس سے پتہ چلا کہ دور رسالت میں خواتین کی بیچ و رفتہ نمازوں، جمعہ وعیدین میں شرکت، تعلیم و تعلم اور احکام شرعیہ کے جاننے کیلئے ہوتی تھی۔

## اجازت کے زمانہ کی شرطیں

پھر آپ ﷺ خواتین کو مسجد میں آنے کی جو اجازت مرحمت کی تھی اس کے بھی کچھ آداب مقرر کئے تھے، ان حدود و شرعیہ اور احتیاطی پہلوؤں کی رعایت کے ساتھ وہ مساجد میں آیا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جس میں عورتوں کو رات میں مساجد میں آنے کی اجازت دینے کا حکم ہے: ”اِذْنُوا النِّسَاءَ اِلَى الْمَسَاجِدِ“ (۲)

اس میں لفظ ”اِذْنُوا“ خود اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ عورتوں کیلئے بغیر اجازت کے گھر سے نکلنا درست نہیں، خواہ عبادت اور اطاعت ہی کیلئے کیوں نہ ہو، اور یہ بھی کہ وہ نامحرم کے ساتھ نہ آئیں، اور اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسجدوں میں آنے کی یہ اجازت ان نمازوں میں تھی جو تاریکی میں پڑھی جاتی تھیں؛ چونکہ اس وقت بے پردگی سے حفاظت کا قدرے

(۱) ترمذی: باب خروج النساء فی العیدین، حدیث: ۵۳۹، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(۲) ترمذی: باب ماجاء فی خروج النساء اِلَى الْمَسَاجِدِ، حدیث: ۵۷۰، امام ترمذی فرماتے ہیں: ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے۔



انتظام ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ خواتین کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ دیدہ زیب کپڑے اور خوشبو کا استعمال کر کے نہ آئیں۔ (۱)

تمہیدی روایت میں ہے: لوگو! اپنی خواتین کو مسجدوں میں خوشبو کے استعمال اور آرائشی لباس سے منع کرو؛ کیونکہ بنی اسرائیل اسی وقت ملعون ٹھہرائے گئے جب ان کی عورتوں نے آرائشی لباس اور خوشبو کا استعمال مسجدوں میں شروع کر دیا ”وانھو نساء کم من لبس الزینۃ والتبختر فی المساجد فان نساء بنی اسرائیل لم یمنعوا الا لبس الزینۃ وتبخترھا فی المساجد“ (۲)

اس بارے میں ایک حکم یہ تھا کہ عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں پھر مرد حضرات نکلیں اور عورتیں مردوں سے پہلے سجدہ سے سر نہ اٹھائیں؛ کیونکہ اس زمانے میں تنگی کی وجہ سے مردوں کا نچلا لباس نامکمل ہوا کرتا تھا؛ اس لئے ستر وغیرہ کے سلسلے میں بے احتیاطی نہ ہو، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: عورتیں مردوں سے پہلے سجدے سے سر نہ اٹھائیں۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ دور رسالت میں خواتین حد درجہ ان امور کے اہتمام کے ساتھ مساجد میں آیا کرتی تھیں، اس کے علاوہ فتنہ و فساد کا خطرہ بھی بہت کم تھا؛ چونکہ نماز کے وقت صورتحال یہ ہوتی تھی کہ تمام لوگ مسجد میں حاضر ہوتے؛ حتیٰ کہ منافقین کی بھی مجال نہیں تھی کہ وہ نماز میں شرکت سے رہ جائیں، اس لئے اس بات کا بالکل خطرہ نہ تھا کہ راستہ میں آوہاں لوگ اور راہ گیر ان سے چھیڑ چھاڑ کریں۔

اس زمانہ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دے کر کیا اس بات کی ضمانت دی جاسکتی ہے کہ عورتیں ان مذکورہ بالا شرائط کے اہتمام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو سکیں گی؟ اور راستوں کو دور رسالت کی طرح پُر امن بنایا جاسکے گا؟ جب کہ دور رسالت سے تھوڑے سے بعد اور دیر کی بعد احوال اس قدر بگڑ گئے تھے کہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم و صحابیات نے عورتوں کی مسجد میں حاضری کی تائید سے گریز کیا تھا تو آج کے پرفتن دور کا کیا پوچھنا؟۔

﴿472﴾ حضرت عائشہؓ بذات خود عورت ہونے کے عورتوں کے احوال سے زیادہ واقف تھیں،

(۱) ابو داؤد: باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد، حدیث: ۵۶۵

(۲) فتح القدیر: باب الامامة: ۲۱۵/۲

چنانچہ وہ عورتوں کے مسجد میں آنے کے حق میں نہ تھیں، چنانچہ وہ فرماتی ہیں: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل، فقلتُ لعمره: أو منعن، قالت: نعم“ (۱)

آج خواتین کے ساتھ جو رویہ ہے، اگر رسول اللہ ﷺ اُسے دیکھے ہوتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیئے ہوتے، جیسے بنی اسرائیل کی خواتین کو روک دیا گیا تھا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عمرؓ سے پوچھا: کیا وہ روک دی گئی تھیں؟ تو انہوں نے فرمایا، ہاں۔

﴿473﴾ ابو عمر و شیبانیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھا کہ وہ عورتوں کو جمعہ کے دن مسجد سے نکال دیا کرتے تھے، اور کہتے تھے: گھر چلی جاؤ، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ”يُخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول أخرجن الى بيوتكن، خير لكن“ (۲)

خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن کا ترمذی کی مذکورہ بالا روایت کے بیان کے دوران جس میں عورتوں کے رات میں آنے کی اجازت کا ذکر ہے، اپنے لڑکے کو دورانِ حدیث یہ کہنے پر ڈانٹا کہ ہم انھیں مسجد میں نہیں بھیجیں گے، ورنہ تو وہ اسے فتنہ کا ذریعہ بنا لیں گی، (جبکہ حضرت ابن عمرؓ کے ڈانٹنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے لڑکے کی یہ بات درست نہیں تھی؛ بلکہ حدیث کے ذکر کے دوران اپنی رائے کے اظہار سے حدیث کے ساتھ مخالفت کا شبہ ہو رہا تھا) ان سے بسند صحیح یہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنی خواتین کو عیدین میں نہیں بھیجتے تھے: ”انه كان لا يخرج نساءه في العیدین“ (۳)

## مسجد حرام اور مسجد نبوی میں خواتین کی نماز

جن روایات میں عورتوں کے مسجد میں آنے کی اجازت کا ذکر ہے، وہ مسجد نبوی اور مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے؛ کیونکہ دور رسالت میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی

(۱) مسلم: باب، خروج النساء الى المساجد اذا لم يترتب عليه فتنه، حدیث: ۲۳۵

(۲) مجمع الزوائد: حدیث: ۲۱۱۹، علامہ دمشقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب من كره خروج النساء الى العیدین، حدیث: ۵۸۴۵

تھیں، مدینہ منورہ کی دیگر مساجد میں عورتیں شاذ و رنادر ہی جاتی تھیں۔

آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں تین وجہ سے آتی تھیں: (۱) سنت نبوی کا علم حاصل کرنے کیلئے۔ (۲) نبی رحمت ﷺ کی زیارت کیلئے۔ (۳) جگہ کی برکت کی وجہ سے۔ اور مسجد حرام میں دو مقصد سے آتی تھیں: (۱) بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے۔ (۲) جگہ کی برکت کی وجہ سے۔

مسجد حرام میں آج بھی وہ دونوں باتیں پائی جاتی ہیں اور مسجد نبوی میں اب پہلی وجہ نہیں رہی؛ کیونکہ دین مکمل ہو چکا، اور وہ کتابوں میں محفوظ ہے؛ البتہ جگہ کی برکت اور حضور ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت یہ دو مقصد آج بھی باقی ہیں؛ اس لئے عورتیں ان دو مسجدوں میں جاسکتی ہیں، بقیہ مساجد میں جانے کی اس طرح کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

﴿474﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”ما صلت امرأة خیر لہا عن قعر بیتہا الا ان یکون المسجد الحرام او المسجد النبوی ﷺ“ عورت کے اپنے گھر کے بالکل اندر نماز پڑھنے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ مسجد حرام اور مسجد نبوی ہو۔ (۱) مذکورہ بالا پوری بحث سے پتہ چلا کہ فتنے کے اس دور میں عورتوں کو مساجد میں آنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔



(۱) طبرانی فی الکبیر: علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد: باب خروج النساء، حدیث: ۲۱۱۳)

## نمازِ استخارہ

استخارہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے خیر اور بہتری کو طلب کرنا، استخارہ اس وجہ سے مشروع کیا گیا کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کرنا چاہتا ہے، مگر اسے کام کا انجام معلوم نہیں ہوتا، ایسی صورت میں سمجھدار لوگوں سے مشورہ کرنا بھی مسنون ہے، اور نمازِ استخارہ اور استخارہ کی تعلیم فرمودہ دعا پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرنا بھی ہے،..... زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی اہم کام کرنا ہوتا تھا مثلاً کسی جگہ کا سفر، یا نکاح یا کوئی بڑا سودا، تو وہ تیروں سے فال نکالا کرتے تھے، یہ تیر کعبے کے مجاور کے پاس ہوتے تھے، ان میں سے کسی میں لکھا ہوتا ”اَمَرَ نَبِيَّ رَبِّي“ اور کسی پر لکھا ہوتا ”نَهَانِي رَبِّي“ اور کوئی تیر بے نشان ہوتا، اس پر کچھ لکھا نہ ہوتا، مجاور تھیلا ہلا کر فال طلب کرنے والے سے کہتا کہ ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لو، اگر ”امر نی ربی“ والا تیر ہاتھ آتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی، سورۃ مائدہ میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ (۱)

چونکہ ایک تو یہ بے بنیاد عمل ہے، اور محض اتفاق ہے اور دوسرے یہ اللہ پر بہتان ہے کہ اللہ پاک نے یہ حکم کہاں دیا ہے؟ اور کب منع کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ نے اس فال کی جگہ استخارہ کی تعلیم دی، اس میں براہِ راست اللہ عز و جل سے بندہ رہنمائی کا طالب ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے فیضان کا دروازہ کھلتا ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی؟ روایات میں اس کا ذکر نہیں، بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ یہ رہنمائی خواب کے ذریعہ ہوتی ہے، پھر کبھی خواب واضح ہوتا ہے اور کبھی تعبیر طلب اور کبھی رہنمائی اس طرح ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے کا شدید داعیہ دل میں پیدا ہوتا ہے، یا اس سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ان دونوں کیفیتوں کو من جانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اگر استخارہ کے بعد بھی تذبذب باقی رہے تو استخارہ کا عمل مسلسل جاری رکھے اور جب

تک ایک طرف رجحان نہ ہو علی اقدام نہ کرے۔

﴿475﴾ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخاره کرنے کا طریقہ اس اہتمام سے سکھاتے تھے، جس اہتمام سے قرآن کی سورتوں کو تعلیم فرماتے تھے، آپ ﷺ ہم کو بتلاتے تھے کہ پہلے دو رکعت نفل پڑھے اور اس کے بعد اللہ سے دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ، وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ،  
وَ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ، وَ تَعْلَمُ  
وَلَا اَعْلَمُ، وَ اَنْتَ عَلَامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا  
الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ  
وَ یَسِّرْهُ لِیْ، ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ، وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هَذَا الْاَمْرَ شَرٌّ  
لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ، فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَ اصْرِفْنِیْ  
عَنْهُ، وَ اَقْدِرْ لِیْ الْخَیْرَ حِیْثُ کَانَ، ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت علم اور قدرت کے وسیلہ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں؛ کیونکہ تو قادرِ مطلق ہے اور میں عاجز ہوں، تو ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور میں نہیں جانتا، اور تو سارے غیبوں سے واقف ہے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ”یہ کام“ میرے لئے اچھا ہے، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے، تو اس کو میرے لئے مقدّر فرما، اور میرے لئے اس کو آسان فرما، اور مجھے اس میں برکت دے، اے اللہ! اگر تیرے علم میں ”یہ کام“ برا ہے، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے، تو مجھ کو اس کام سے الگ رکھ، اور مجھے اس سے روک دے، اور میرے لئے خیر اور بھلائی مقدر کر دے، چاہے وہ جہاں اور جس میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام سے راضی اور مطمئن کر دے۔

راوی کا بیان ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جس کام کے بارے میں استخاره کی ضرورت ہو، استخاره کی دعا کرتے ہوئے، صراحتہً اس کا نام لے ”ہذا الأمر“ کہتے وقت جس مقصد کے پیش نظر استخاره کیا جا رہا ہو، اس کو ذہن میں رکھا جائے، یا اس جگہ اس کا تذکرہ کیا جائے۔ (۱)

یہ ہے استخارہ کا مسنون طریقہ، اس کے علاوہ موجودہ دور میں استخارہ کے جو بے شمار طریقے رواج پا گئے ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں، یہ سب خرافات ہیں اور لوگوں کو لبھانے اور رُجھانے کے طریقے ہیں۔

یہاں استخارہ کے حوالے سے چند امور ملاحظہ ہوں:

۱۔ اولاً تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں، بلکہ جب بھی موقع ملے، رات و دن میں، عشاء کی نماز کے بعد کی قید کے بغیر محض جب استخارہ کا ارادہ ہو، دو رکعت نماز پڑھے پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مذکورہ دعا کرے اور بس۔  
استخارہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ارادہ بھی کر لو، پھر برائے نام استخارہ بھی کر لو، استخارہ تو ارادہ سے پہلے کرنا چاہئے، تاکہ ایک طرف قلب کو سکون ہو جائے۔

استخارہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس کام کا ارادہ ہے اس میں تردد ختم ہو جائے؛ بلکہ استخارہ کا مقصد یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو، اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے، حاصل یہ ہے کہ استخارہ کا مقصد طلب خیر ہے نہ کہ استخارہ (خبر معلوم کرنا) استخارہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ استخارہ کے بعد وہ چیز اللہ کے حوالے ہو جاتی ہے، اگر مضرت اور ظاہری نقصان ہو بھی تو بندہ باطنی خیر کی امید میں اپنے لئے تسلی کا سامان فراہم کر لیتا ہے۔ (۱)

۲۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ استخارہ کے بعد خواب نظر آئے گا جس میں کام کے کرنے یا نہ کرنے کے حوالہ سے رہنمائی ہوگی، بعض مرتبہ یہ رہنمائی خواب کے ذریعہ ہوگی اور کبھی خواب کے ذریعہ نہیں ہوگی، بس استخارہ کے بعد دل کا رُحجان جس جانب ہو جائے اس پر عمل پیرا ہو، اگر استخارہ کے بعد بھی بالفرض دل کا رُحجان کسی جانب نہ بھی ہو، تب بھی استخارہ کا فائدہ بندے کو حاصل ہو گیا کہ اب اللہ کی جانب سے خیر اور بھلائی کو طلب کرنے سے اس کیلئے بھلائی اور اچھائی کے راستے منجانب اللہ کھلتے رہیں گے، گرچہ وقتی طور پر بندے کو اس میں خیر اور بھلائی نظر آئے؛ لیکن جب چند دن کے بعد اس کے نتائج و عواقب بندے کے سامنے آئیں گے تو پھر خیر اور بھلائی کا پہلو خود بخود بندے کیلئے واضح ہو جائے گا، اسی کو

حضرت ابن عمرؓ نے یوں فرمایا: ”ان الرجل يسخير الله تبارك و تعالى فيختار له فيسخط على ربه عز وجل ، فلا يلبث أن ينظر العاقبة فاذا هو خير له (كتاب الزهد لابن المبارك)“ بعض اوقات بندہ اللہ عزوجل سے استخارہ کرتا ہے تو اللہ عزوجل اس کے حق میں بہتری کا فیصلہ کر دیتے ہیں، (سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے) وہ اپنے پروردگار پر ناراض ہو جاتا ہے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد انجام سامنے آ جاتا ہے تو اُسے پتہ چلتا ہے کہ یہی چیز اس کے حق میں بہتر تھی۔

۳- یہ بھی ملحوظ رہے کہ استخارہ کرنے والا کبھی ناکام یا نامراد نہیں رہتا، ویسے تو استخارہ کے بعد آدمی ناکام ہرگز نہیں ہوتا، اگر بالفرض اس کی محدود سوچ کے مطابق اسے استخارہ کے بعد اس عمل میں کچھ کمی یا نقص نظر آئے تو اب بھی اس کیلئے اس میں اپنی تسلی کا بہت سارا سامان موجود ہے کہ اُس نے اپنی رائے اور محض اپنی ذہنی پرواز پر اعتماد کر کے کام نہیں کیا، بلکہ میں نے اس حوالے سے سب سے علیم وخبیر ذات سے مشورہ کر لیا ہے، اسی کو حضور ﷺ نے یوں فرمایا: ما خاب من استخار ولا ندم من استشار (۱) اپنے معاملات میں استخارہ کرنے والا کبھی ناکام نہیں ہوا، اور نہ اپنے کاموں میں مشورہ کرنے والا کبھی نادم ہوا۔ یعنی ایک استخارہ اور دوسرے مشورے سے انشاء اللہ سارے مسائل کا حل بھی نکلتا ہے۔

۴- مذکورہ بالا مسنون طریقہ استخارہ اس وقت کیلئے ہے جب آدمی کے پاس استخارہ کرنے کی مہلت اور گنجائش موجود ہو لیکن بسا اوقات ایسے دوراں ہوتے ہیں، اس کو اتنا جلدی فیصلہ اپنانا ہوتا ہے کہ اس میں دو رکعت پڑھ کر دُعا کرنے کی فرصت نہیں ہوتی، اس موقع سے حضور اکرم ﷺ نے یہ دُعائیں تلقین فرمائیں :

اللَّهُمَّ خِرْلِي وَاخْتِرْ لِي (۲)

اے اللہ! میرے لئے آپ پسند فرما دیجئے، مجھے کوئی راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

اور ایک دُعا ہے : اللَّهُمَّ اهْدِنِي وَسِدِّدْنِي (۳)

(۱) المعجم الصغير للطبرانی، حدیث: ۹۸۰

(۲) سنن ترمذی، باب ۸۶، حدیث: ۳۵۱۶

(۳) مسلم، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر، حدیث: ۲۷۲۵

اے اللہ! میری صحیح ہدایت فرمائیے اور مجھے سیدھے راستے پر رکھئے۔  
اور ایک دُعا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَلْهَمْنِيْ رُشْدِيْ وَاعْزِدْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ (۱)

اے اللہ! جو صحیح راستہ ہے وہ میرے دل پر القاء فرمادیجئے۔

اِنْ دُعاؤں میں جو یاد آجائے پڑھ لے، اگر عربی میں یاد نہ ہوں تو اُردو میں ہی دُعا کرے،  
اے اللہ! مجھے اس معاملہ میں کشمکش پیش آگئی ہے، آپ مجھے صحیح راستہ دکھا دیجئے۔ اگر  
زبان سے نہ کہے تو دل ہی دل میں کہہ لے، اللہ کی طرف رُجوع کرے کہ صحیح بات کا القاء اس کے  
دل میں کر دے۔

## لذتِ شبِ بیداری

حضرت ثابت بنانیؓ فرماتے ہیں: میں نے بیس سال نمازِ تہجد میں مشقت اُٹھائی (جب وہ طبیعت  
میں راسخ ہو گئی تو) بیس سال اُس کا لطف اُٹھایا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳/۲۶۰)

حضرت حسن بصریؒ سے ایک جوان نے نمازِ تہجد سے محرومی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا:

فَیَدُّنْکَ خطایا ک تیرے گناہوں نے تجھے جکڑ دیا ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳/۲۳۵)

حسان بن سنان کی بیوی فرماتی ہیں کہ وہ رات میں میرے پاس آتے، اور مجھے نرمی سے سلا دیتے  
پھر خود نماز میں کھڑے ہو جاتے، میں ان سے کہتی کہ اپنے آپ کو کتنا تھکاؤ گے، رحم کرو! ارشاد فرماتے  
خاموش ہو جاؤ! وہ دن قریب ہے جس دن میں ایسا سو جاؤں گا کہ پھر نہیں جاؤں گا۔

(الزہر الفاح، ص ۱۸، حلیۃ الاولیاء: ۳/۱۱۷)

وہ اسباب جن سے آدمی کورات کے اُٹھنے میں آسانی ہوتی ہے :

- (۱) زیادہ نہ کھائے، نتیجتاً زیادہ پیو گے، پھر نیند غالب آجائے گی۔
- (۲) دن بھر ان دنیوی اعمال میں زیادہ نہ تھکاؤ، جو اعصاب و جوارح کو کمزور اور مضحل کر دیتے ہیں

(۳) دن میں قیلولہ کی سنت نہ چھوڑیں، اُس سے قیام اللیل میں سہولت ہوتی ہے۔

(۴) دل کو بدگمانی، حسد نامحرم کے خیالات سے پاک رکھیں۔

(۵) دن میں گناہوں سے احتیاط، گناہوں پر نقد عذاب یہ ہوتا ہے کہ بندہ لذتِ مناجات سے  
محروم کر دیا جاتا ہے۔

(۶) اُمیدوں کو کم کر کے آخرت، قبر، پل صراط کے سفر کو یاد رکھیں۔



## نمازِ جنازہ

دنیا میں ہر ایک کیلئے موت طئے شدہ ہے، موت کے اس خدائی قانون سے کسی کو مفر نہیں، ایک دن اس جہانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے، مرنے کے بعد چلے جانے والے غم میں طبعی طور پر اس کے اقرباء پریشانی کے عالم میں ہوتے ہیں؛ لیکن اس وقت شریعت کی رہنمائی و رہبری میں مردے کو اس کے ٹھکانہ تک پہنچانا ہے۔

جب کسی پر موت کے آثار نمایاں ہونے لگیں تو گھر والوں کو چاہیے کہ مریض کے قریب آہستہ آہستہ کلمہ دوہراتے رہیں؛ تاکہ مبتلائے موت کو بھی کلمہ یاد آجائے، اور وہ اسے پڑھ لے؛ لیکن ایسے وقت میں اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کیا جائے اور نہ اصرار کیا جائے؛ کیوں کہ یہ وقت سختی کا ہوتا ہے، ہوش و حواس پورے قائم نہیں رہتے، مبادا وہ پڑھنے سے انکار کر دے..... نعوذ باللہ۔

﴿476﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَنَّا مَوْتَاکُمْ بِلا الہ الا اللہ (۱)

﴿477﴾ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ کَانَ الْاٰخِرَ کَلَامِهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ“ جس کی آخری بات ”لا الہ الا اللہ“ ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۲)

جب اس کی روح قبض کر لی جائے تو کپڑے وغیرہ سے اس کے جڑے باندھ دیئے جائیں اور آنکھیں بند کر دی جائیں، کیوں کہ جب روح اوپر جاتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے لگ جاتی ہے: ﴿478﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردوں کی آنکھیں بند کر دیا کرو، اور اپنوں کیلئے اچھی دعا

(۱) مسلم: باب تلقین الموتی لا الہ الا اللہ، حدیث: ۹۱۶

(۲) ابوداؤد: باب ما یقال عند المیت من الکلام، حدیث: ۳۱۱۶، علامہ نیوی فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور دیگر لوگوں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (اثر السنن: ۵۲۱، باب تلقین المختصر)

کیا کرو؛ کیونکہ فرشتے ”آمین“ کہتے ہیں ”أَنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ، لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤْمِنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ“ (۱)

## جنازہ کی نماز کا طریقہ

جب میت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جائیں تو فوراً چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائیں، پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ”ثناء“ (سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ.....) یا بطور حمد و ثناء کے سورہ فاتحہ پڑھیں، دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر درود شریف پڑھیں، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا مانگیں اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں۔

﴿479﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نجاشی کی وفات کی خبر دی، پھر آگے بڑھے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف بندی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں ”فکبر أربعاً“ (۲)

﴿480﴾ حضرت امام شعبی کا قول ہے کہ: ”التكبير الأولى على الميت ثناء على الله والثانية صلاة على النبي صلی اللہ علیہ وسلم، والثالثة دعاء للميت، والرابعة تسليم“ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثناء ہے، دوسری تکبیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا، اور تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا کرنا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرنا۔ (۳)

## تکبیراتِ جنازہ

### جنازہ میں چار تکبیرات ہیں:

﴿481﴾ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ روایت جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے ”فکبر أربعاً“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں، اس کا مضمون بالکل واضح ہے۔ (۴)

﴿482﴾ امام اوزاعی یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ ابوسلمہ سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

(۱) مسلم: باب فی اغماض الميت والدعاء له اذا حضر، حدیث: ۹۲۰

(۲) بخاری: الصفوف علی الجنائز، حدیث: ۱۳۱۸

(۳) مصنف بن ابی شیبہ: باب ما یبدأ به بالتکبیر الأولى فی الصلوة علیہ، حدیث: ۱۱۴۹۶

اس روایت کی سند صحیح ہے۔

(۴) بخاری: الصفوف علی الجنائز، حدیث: ۱۳۱۸

کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، اور چار تکبیریں کہیں ”ان النبی ﷺ صلی علی جنازة فکبر اربعاً“ (۱)

﴿483﴾ امام بخاری نے ابومید سے تعلیقاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تین تکبیریں کہی، پھر ان سے کہا گیا تو انہوں نے قبلہ رخ ہو کر چوتھی تکبیر کہی،  
[kutubistan.blogspot.com](http://kutubistan.blogspot.com) پھر سلام پھیرا۔ (۲)

﴿484﴾ حضرت سعید بن مسیبؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تکبیر چار اور پانچ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو چار پر اکھاڑ دیا ”فجمع عمر الناس علی أربع“ (اس کو ابن منذرؒ نے سعید بن مسیبؓ تک صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (۳)

﴿485﴾ بیہقی کی روایت میں بھی سند صحیح کے ساتھ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے اسی کے مثل مروی ہے ”فجمع عمر علی أربع“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار پر اکھاڑ کیا۔ (۴)

﴿486﴾ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے منقول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کا چار تکبیرات جنازہ پر اتفاق ہے، اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی ہے۔ (۵)

﴿487﴾ ہمیں ابوحنیفہؒ نے خبر دی ہے وہ حماد سے روایت کرتے ہیں کہ لوگ جنازہ میں پانچ چھ اور چار تکبیریں کہتے تھے، حضور ﷺ کی وفات تک یہی صورت حال رہی، پھر وہ لوگ یہی تکبیریں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں کہتے رہے، پھر وہ بھی وفات پا گئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باگ خلافت سنبھالی، ان کے دور خلافت میں بھی یہی معمول رہا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: اے محمد ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تم لوگ کب تک اختلاف کرتے رہو گے کہ اس کی وجہ سے بعد کے لوگ بھی اختلاف کرنے لگیں اور لوگوں کا اسلام کے ساتھ تعلق بالکل نیا ہے، اصحاب محمد ﷺ کی یہ رائے یہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے آخری جنازہ کو دیکھا جائے کہ

(۱) اس کو ابن ابوداؤد نے ”الافراد“ میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن: ۲۶۶/۸، کیفیت صلاة الجنازة)

(۲) بخاری: باب التکبیر علی الجنازة اربعاً، رقم الباب: ۶۳، کتاب الجنائز

(۳) فتح الباری: باب التکبیر علی الجنازة اربعاً: ۲۰۲/۳

(۴) فتح الباری: باب التکبیر علی الجنازة اربعاً: ۲۰۲/۳، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۵) مصنف ابن ابی شیبہ: ما قالو فی التکبیر علی الجنازة من کبر اربعاً، ۱۱۵۶۵

آپ ﷺ نے کتنی تکبیریں کہیں، اسی کو لیں اور اس کے علاوہ کو ترک کر دیں، انہوں نے اس حوالے سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے آخری جنازہ میں چار تکبیریں کہی ہیں ”فوجدوا اخر جنازة كبر عليها رسول الله ﷺ اربعاً“ (۱)

﴿488﴾ امام ترمذیؒ اس حوالہ سے اجماع نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”العمل علی هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ وغيرهم، يرون التكبير على الجنازة أربع تكبيرات وهو قول سفیان الثوری، ومالك بن انس، وابن المبارك، والشافعی واحمد واسحاق“ (۲)

اور اسی پر عمل ہے، اکثر اہل علم کا، حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات (تابعین وغیرہ) کا کہ جنازہ میں چار ہی تکبیرات ہیں اور یہی قول ہے حضرت سفیان ثوریؒ، اور امام مالکؒ اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاق کا۔

## تکبیر جنازہ میں رفع یدین

ہاتھ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ اٹھائے جائیں اور باقی کے ساتھ نہ اٹھائیں:

﴿489﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے، پھر دہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے ”کبر علی جنازة، ورفع يديه في أول تكبيرة ثم وضع اليمنى على اليسرى“ (۳)

﴿490﴾ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز کی

(۱) کتاب الآثار ۴۰: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے حضرت ابوبکر صا ورنہ عمر ص اور نہ بنی اور کسی صحابی سے سنا ہے اس سند کے تمام رجال ثقہ ہیں سوائے اس کے کہ یہ روایت مرسل ہے اور ابراہیم نخعیؒ کے مراسیل باتفاق فقہاء اور محدثین کے صحیح ہیں، اعلاء السنن ۲۶۴/۸

(۲) ترمذی: باب ما جاء في لتكبير على الجنازة، تحت حدیث: ۱۰۲۲

(۳) ترمذی: باب ما جاء في رفع اليدين على الجنازة، حدیث: ۱۰۷۷، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے اور یہ صرف اسی طریق سے منقول ہے، علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں: ترمذی کی سند میں ایک راوی ”یزید بن سنان البوفروہ“ یہ ضعیف ہیں ”التهذيب: ۲۳۹“، لیکن امام بخاریؒ نے ان کی توثیق کی ہے ”الترغيب: ۵۳۰“ مروان ابن معاویہ انہیں ثابت مانتے ہیں، علامہ عثمانیؒ طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث کثرت طرق کی وجہ سے حسن درجہ سے کم نہیں۔ (حاشیہ اعلاء السنن: ۲۶۶/۸)

پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے اور دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے، ”کان یرفع یدیدہ علی الجنازۃ فی أول تکبیرۃ، ثم لا یعود“ (۱)

﴿491﴾ حضرت ولید بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیمؒ خفیؓ کو دیکھا ہے کہ وہ جب نماز پڑھاتے تھے، تو دونوں ہاتھ اٹھا کر (پہلی) تکبیر کہتے تھے، پھر باقی تکبیروں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، اور آپ چار تکبیریں کہتے تھے، ”اذا صلی علی جنازۃ رفع یدیدہ فکبر ثم لا یرفع یدیدہ فیما بقی وکان یُکبر اربعاً“ (۲)

﴿492﴾ حضرت حسن بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے ”کان یرفع یدیدہ فی أول تکبیرۃ علی الجنازۃ“ (۳)

﴿493﴾ قاضی شوکانیؒ کہتے ہیں: خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کے بارے میں نبی ﷺ سے کوئی ایسی حدیث ثابت نہیں، جو دلیل بننے کے قابل ہو اور صحابہ کرام آپ ﷺ نے کتنی کے اقوال و افعال حجت نہیں، لہذا مناسب یہ ہے کہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہی رفع یدین کرنے پر اقتصار کیا جائے، ”فینبغی أن یقتصر علی الرفع عند تکبیرۃ الاحرام“ (۴)

پہلی تکبیر کہہ کر ثناء پڑھے :

”سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ“

اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، اور ہم تیری تعریف کرتے ہیں، تیرا نام بڑا برکت والا ہے، اور تیری ثناء و تعریف بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(۱) دار قطنی: باب التسلیم فی الجنازۃ واحد، اس روایت کے ایک راوی ”فضل بن سکن“، کو عقلی نے مجہول کہا ہے، علامہ ڈھمی نے ”میزان الاعتدال“ میں کہتے ہیں: میں فضل بن سکن کوئی کوئی جانتا ان کو دار قطنی نے ضعیف کہا ہے، ”اللسان“ میں ہے یہ فضل بن اسکن یہ فضل بن اسکن بن خثیم ہیں یہی ہشام بن یوسف سے روایت کرتے ہیں، یہ تینوں اشخاص ایک ہی ہیں، ان کو ابن حبان ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے، پھر علامہ عثمانی نے اس روایت کو متعدد سندوں سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ روایت متعدد طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن درجہ سے کم نہیں۔ (اعلاء السنن: ۲۶۷/۸)

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب الرجل یرفع یدیدہ فی التکبیر علی الجنازۃ: ۱۱۵۰۴

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی الرجل یرفع یدیدہ فی التکبیر علی الجنازۃ، باب من

قال یرفع یدیدہ فی کل تکبیرۃ علی الجنازۃ: ۱۱۵۰۵

(۴) نیل الاوطار: باب القرأۃ والصلاۃ علی رسول اللہ فیہا، ۴/۳۹۹

دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے:

تیسری تکبیر کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھے:

494 ﴿ابو ابراہیم اشہلیؒ کے والد کہتے ہیں کہ بنی کریم ﷺ جنازہ پر یہ دعا پڑھتے تھے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكْرِنَا وَأُنثَانَا اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ“

اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، ہمارے حاضر اور غائب کو بخش دے، ہمارے چھوٹوں اور بڑوں کو بخش دے، ہمارے مردوں، عورتوں کو بخش دے، اے اللہ! تو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ، اور ہم میں سے جس کو موت دے تو ایمان کی حالت میں دے۔ (۱)

نابالغ کی دعا

اگر میت نابالغ بچہ ہو تو یہ دعا پڑھے:

”اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَمُشَفَّعًا“

اے اللہ اس بچہ کو ہمارے واسطے آگے جانے والا اور پیشرو بنادے، اور اجر اور ذخیرہ آخرت بنادے اور اس کو ہمارے واسطے سفارش کرنے والا، اور ایسا بنا، جس کی سفارش مقبول ہو۔ (۲)

اگر میت نابالغ بچی کی ہو تو یہ دعا پڑھے :

”اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاجْرًا وَذُخْرًا وَاجْعَلْهَا لَنَا شَافِعَةً وَمُشَفَّعَةً“

(۱) ابوداؤد: باب الدعاء للمیت، حدیث: ۳۲۰۱، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(۲) بخاری: تعلیقاً عن الحسن، باب قرأۃ الفاتحة علی الجنائز، کتاب الجنائز

اے اللہ! اس بچی کو ہمارے واسطے آگے جانے والی اور پیشرو بنادے اور اجر اور ذخیرہ آخرت بنادے اور اس کو ہماری سفارش کرنے والی اور ایسی بنادے جس کی سفارش مقبول ہو۔

### چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے

495 ﴿﴾ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب کسی میت کی نماز پڑھاتے تو اللہ کی حمد و ثناء سے ابتداء کرتے، پھر نبی ﷺ پر درود پڑھتے، پھر یہ دعا مانگتے:

”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيَاتِنَا وَأَمْوَاتِنَا، وَالْفُ بَيْنَ قُلُوبِنَا، وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا، وَاجْعَلْ قُلُوبَنَا عَلَىٰ قُلُوبِ خِيَارِنَا

اے اللہ! ہمارے زندہ اور مردوں کی مغفرت فرما، ہمارے دلوں کو جوڑ دے، ہمارے

تعلقات کو درست فرما، ہمارے دلوں کو بہتر لوگوں کے دلوں کے مطابق بنا۔ (۱)

حضرت امام شعیبی فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں اللہ کی حمد و ثناء سے ابتدا کرے، دوسری تکبیر کے بعد نبی ﷺ پر درود پڑھے، پھر تیسری تکبیر کے بعد میت کیلئے دعا کرے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیرے: ”التكبير الأولى يبدأ بحمد الله والثناء عليه، والثانية صلاة على النبي ﷺ، والثالثة دعاء للميت والرابعة للتسليم“ (۲)

### نماز جنازہ میں قرأت

نماز جنازہ دراصل میت کیلئے دعا ہے؛ اس لئے نماز جنازہ میں قرآن کا پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ ہاں البتہ ثناء کی جگہ پر اگر سورۃ فاتحہ پڑھے تو مضائقہ نہیں۔

496 ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو اس کیلئے اخلاص کے ساتھ دعا کرو ”اذا اصليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء“ (۳)

آپ ﷺ نے میت کیلئے دعا کا حکم دیا، نماز جنازہ میں قرأت کیلئے نہیں کہا۔

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ما قالوا فی الصلاة علی الجنابة، وما ذکر فی ذالک من الدعاء له حدیث: ۱۱۴۷

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب ما یبدأ به بالتکبیر الاولی فی الصلاة علیہ، ۱۱۴۹۳

(۳) ابو داؤد: باب الدعاء للمیت، حدیث: ۳۱۹۹، ”بلوغ المرام“ میں ہے: اس کو ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے

(اعلاء السنن ۲۶۸/۸)

497 ﴿﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز جنازہ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب جنازہ نماز کیلئے رکھا جاتا ہے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں، پھر یہ دعا پڑھتا ہوں:

”اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ، اللَّهُمَّ وَإِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي إِحْسَانِهِ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ، اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ“ (۱)

498 ﴿﴾ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے ”أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ“ (۲)

499 ﴿﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُؤَقِّتْ قَوْلًا وَلَا قِرَاءَةً“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی خاص دعا اور قرأت مقرر نہیں فرمائی (جب ان سے نماز جنازہ کے تعلق سے پوچھا گیا تھا)۔ (۳)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی نماز جنازہ میں قرأت کے قائل نہیں تھے۔ (۴)

”نماز جنازہ میں قرأت“ عنوان سے متصل حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام شعیبی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ کا طریقہ گذر چکا ہے کہ یہ حضرات مذکورہ طریقے پر بغیر قرأت کے نماز جنازہ کے قائل تھے، اور ان کا یہی طریقہ کار تھا، اسی کے قائل جابر بن عبداللہ، حضرت فضالہ بن عبیدہ، حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی رہے، ان کا معمول بھی بغیر قرأت کے نماز جنازہ کا تھا۔ (۵)

(۱) مؤطا امام مالک: باب ما يقول المصلي على الجنازة، حديث: ۷۷۵، ”التقریب“ میں ہے اس کے رجال جماعت کے رجال میں سوائے سعید کے ان کے انتقال سے چالیس سال پہلے ان کے حافظہ میں کچھ تبدیلی آگئی تھی، علامہ عثمانی فرماتے ہیں: امام مالک جیسا شخص ان سے اس حالت کے طاری ہونے کے بعد روایت نہیں کر سکتا۔ (اعلاء السنن: ۲۵۵/۸)

(۲) مؤطا امام مالک: باب ما يقول المصلي على الجنازة: ۷۷۷

(۳) مغنی لابن قدامة: ۳۶۶/۲، صفة صلاة الجنازة

(۴) المدونة الكبرى: ۱۷۱/۱

(۵) بدائع الفوائد: ۱۳۱/۱



ایسے ہی جلیل القدر تابعین: حضرت محمد بن سیرین<sup>(۱)</sup> حضرت امام شعبی<sup>(۲)</sup> حضرت ابراہیم نخعی<sup>(۳)</sup> حضرت عطاء بن رباح<sup>(۴)</sup> حضرت طاؤس<sup>(۵)</sup> حضرت بکر بن عبد اللہ<sup>(۶)</sup> حضرت میمون<sup>(۷)</sup> حضرت سالم بن عبد اللہ<sup>(۸)</sup> حضرت قاسم بن محمد<sup>(۹)</sup> حضرت ابو العالیہ<sup>(۱۰)</sup> حضرت ابو ہریرہ<sup>(۱۱)</sup> اور دیگر اجلہ تابعین نماز جنازہ کو دعاء قرار دیتے ہیں، اور قرأت کا انکار کرتے ہیں۔

﴿500﴾ امام بخاری<sup>(۱۲)</sup> فرماتے ہیں: قال النبی ﷺ صلوا علی النجاشی سمّاها صلاة، لیس فیہا رکوع ولا سجود ولا یتکلم فیہا تکبیر وتسلیم“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نجاشی پر نماز پڑھو، اسے نماز کہا، جس میں نہ رکوع ہے، نہ سجدہ ہے، اس میں نہ بات چیت کی جاسکتی ہے، نہ تکبیر ہے نہ سلام۔ (۳)

البتہ وہ مرفوع روایتیں جن سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے یہ تمام کی تمام ضعف سے خالی نہیں، چنانچہ علامہ ابن قیم<sup>(۱۳)</sup> اور دوسرے محققین کا فیصلہ ہے کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا کسی بھی مرفوع روایت سے ثابت نہیں ہے۔ (۴)

اس لئے ان روایات کی روشنی میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والوں کی نماز کو باطل تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن اس سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب تو نہیں، البتہ اس کے جواز اور اجازت کی بات ضرور ثابت ہوتی ہے، اس لئے بعض صحابہؓ سے جو نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہے وہ جواز کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا بطور ثناء اور دعا کے ہے، بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کے اس اثر سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جنازہ میں سورہ بطور دعا اور ثناء کے سورہ فاتحہ پڑھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے عبد اللہ بن عباسؓ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی، ابن عباسؓ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: یہ سنت ہے: ”فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا أنها سنة“ (۵)

(۱-۲) (مصنف ابن ابی شیبہ)

(۳) بخاری: باب سنة الصلاة علی الجنّاة، رقم الباب: ۵۶

(۴) زاد المعاد: ۵۰۵/۱

(۵) بخاری: باب یقرأ فاتحة الكتاب، حدیث: ۱۷۷۰

نماز جنازہ میں دُعا آہستہ پڑھی جائے

نماز جنازہ چونکہ دعاؤں پر مشتمل ہے اور دعا میں پسندیدہ امر یہ ہے کہ آہستہ پڑھی جائے:

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً، إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۱)

پکارو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے، اس کو ناپسند نہیں آتے حد سے تجاوز کرنے والے۔

501 ﴿ حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیفؓ فرماتے ہیں: نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے، پھر تین تکبیریں کہی جائیں، جن میں آخری تکبیر کے بعد سلام پھیرا جائے ”السنة في الصلاة على الجنازة أن يقرأ في التكبيرة الاولى بأمر القرآن مخافة“ (۲)

502 ﴿ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ نے ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی ”ما اباح لنا رسول الله ﷺ ولا ابوبكر ولا عمر رضي الله عنهما في شيء ما أباحوا في الصلاة على الميت يعني لم يؤقت“ (۳)

علامہ عسقلانیؒ نے ”اباح“ کے معنی ”جہز“ کیلئے ہیں کہ ان لوگوں نے نماز جنازہ میں دعا ونچی آواز سے نہیں پڑھی۔ (۴)

(۱) الاعراف: ۵۵

(۲) نسائی: باب الدعاء على الجنازة، حدیث: ۱۹۹۱، اس کو عبد الرزاق، نسائی نے روایت کیا ہے اور حافظ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (فتح الباری: ۲۰۳/۳، قولہ باب قراءة الفاتحة)

(۳) ابن ماجہ: باب ما جاء في الدعاء في الصلاة على الجنازة، حدیث: ۵۰۱، علامہ بصیری کہتے ہیں: یہ سند ضعیف ہے، حجاج بن اُرطاة یتدلیس کے بارے میں مشہور ہیں، اس روایت کے دوسرے بھی طرق ہیں: اس کو احمد بن منبج نے عبد اللہ بن بکر بن حنشل عن الحجاج کے طریق سے نقل کیا ہے، ابویعلیٰ نے اس روایت کو ”حدثنا عقبه بن مكرم حدثنا يونس بن بكير عن ابراهيم بن اسماعيل عن ابی الزبير“ مصباح الزجاجة: کتاب الجنائز: ۲۲۹/۱ کے طریق سے نقل کیا ہے، اس طرح اس روایت کی دوسرے سندوں سے تائید ہوتی ہے۔

(۴) التلخیص الحبیبر: ۱۲۳/۲

## نمازِ جنازہ کے بعد کی دعا

نمازِ جنازہ میں سلام پھیرنے کے بعد متصل اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں؛ بلکہ فقہاء نے اس کو بدعت اور مکروہ کہا ہے؛ البتہ سنت طریقہ یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کی جائے۔  
 ملا علی قاری حنفیؒ نے ”مرقات“ میں لکھتے ہیں: ”ولا يدعوا للميت بعد صلاة الجنائز لانه يشبه الزيادة في صلاة الجنائز“ اور میت کیلئے نمازِ جنازہ کے بعد دعاء نہ کرے؛ کیونکہ نمازِ جنازہ کے اندر زیادتی کے مشابہ ہے (حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں)۔ (۱)

## غائبانہ نمازِ جنازہ

اگر کوئی مسلمان ایسے علاقے میں فوت ہو جائے، جہاں اس کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی گئی، تو ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنا مسنون ہے؛ چونکہ شاہِ حبشہ فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا؛ لہذا خود حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔

﴿503﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نجاشی کے فوت ہو جانے کی خبر دی، پھر باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر نماز پڑھی ”نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ، خرج الی المصلی فصف بهم وکبر أربعاً“ (۲)  
 اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی جائے گی؛ حضور ﷺ کی سنتِ مبارکہ سے یہ عمل ثابت نہیں ہے؛ حتیٰ کہ بہت سے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم دور دراز علاقوں میں فوت ہوئے؛ لیکن آپ ﷺ نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا، نہ ہی دور رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم پر پڑھا، نجاشی کی غائبانہ نماز اس لئے ادا کی گئی کہ ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی؛ لہذا اس واقعہ سے ایسے شخص کے غائبانہ جنازہ کا استدلال نہیں کیا جاسکتا جس کا جنازہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو، جہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، تو اس کی

(۱) مرقات شرح مشکوٰۃ: باب المشی بالجنائز، ۶۴/۲

(۲) بخاری: الرجل ینعی الی اهل الميت بنفسه، حدیث: ۱۳۵

غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ چونکہ نجاشی کفار کے ایسے علاقہ میں فوت ہوئے، جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا؛ لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز ادا فرمائی، البتہ جس کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا؛ چونکہ ایک نماز سے فرض ادا ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے بھی ایسے شخص کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی؛ جب کہ ایک اور موقع پر آپ ﷺ کا غائبانہ جنازہ پڑھنا ثابت ہے؛ لہذا یہ دونوں عمل اپنی جگہ سنت ہیں اور موقع محل کے مطابق ہر سنت پر عمل ہو گیا۔“ (۱)

﴿504﴾ دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کیلئے مسافت کے سارے پردے اٹھائے گئے تھے، چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں: ”کشف له مدينة الى ارض الحبشة فأبصر سرير النجاشي وصلى عليه وكبر أربع تكبيرات“ آپ ﷺ کیلئے مدینہ سے سرزمین حبشہ تک کی مسافت ظاہر کر دی گئی، حضور ﷺ نے نجاشی کا تخت دیکھا، اس پر نماز پڑھی اور چار تکبیرات کہیں۔ (۲)

﴿505﴾ ابن حبان نے اوزاعی عن ابن کثیر، عن ابی قلابہ، عن ابی المہلب کے طریق سے عمران بن حصین کی روایت نقل کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں: فقام وصفوا خلفه، وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے پیچھے صف باندھی انھیں ایسے لگ رہا تھا کہ جنازہ سامنے رکھا ہے۔ (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں تھی؛ بلکہ معجزہ پر دے اٹھائے جانے کے بعد حاضرانہ نماز تھی۔



(۱) زاد المعاد: ۵۰۰/۱، فی ہدیہ فی الصلاة علی الغائب

(۲) اس روایت کو واحدی نے اپنی کتاب ”اسباب النزول: ۹۳/۱“ میں ابن عباس سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔

(۳) صحیح ابن حبان: باب المریض وما يتعلق به، حدیث: ۳۱۰۲، محقق شعیب الارناؤط کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے، علامہ انور شاہ کشمیری ”العرف الشذی فی شرح سنن الترمذی: ۴/۲۲۷“ میں فرماتے ہیں: اس کی ابن حبان نے اپنے صحیح میں ”سندجید“ کے ساتھ تخریج کی ہے۔

## پگڑی پر مسح ناجائز

پگڑی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مسح کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، چونکہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ”وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ“ (۱) اپنے سروں کا مسح کرو، میں صاف اور واضح طور پر سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔

﴿506﴾ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے ابو عبیدہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے چمڑے کے موزے پر مسح کے بارے میں پوچھا: تو انہوں نے فرمایا: ”سنت“ ہے پھر انہوں نے پوچھا: پگڑی پر مسح کا کیا حکم ہے؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بال کو پانی لگاتا ہوں (یعنی پگڑی پر مسح جائز نہیں) ”وَسَأَلْتَهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ، فَقَالَ: أُمِسُّ الشَّعْرَ الْمَاءَ“ (۲)

رہی وہ روایات جن سے پگڑی پر مسح کا جواز ثابت کیا جاتا ہے، اولاً تو وہ اخبار آحاد سے تعلق رکھتی ہیں، اور اخبار آحاد سے قرآن سے ثابت سر کے مسح کے حکم کو نہیں بدلا جاسکتا۔

دوسرے یہ پگڑی پر مسح کے بارے میں جو روایات ہیں، جس میں بعض راوی ”مسح علی العمامۃ“ کہتے ہیں: اور بعض روایات ہیں جس میں وہ ”مسح علی ناصیئہ و عمامتہ“ (اپنی پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا) کہتے ہیں، مسلم شریف کی روایت میں صاف اور وضاحت کے ساتھ ”مسح ناصیئہ و عمامتہ“ کے الفاظ ہیں، اس سلسلے کی جتنی روایات ہیں، سب کا یہی حال ہے۔ (۳)

﴿507﴾ ترمذی کی روایت میں ہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ ”توضاً النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسح علی الخفین والعمامة“ و ذکر محمد بن بشار فی موضع اخر: أنه مسح علی ناصیئہ و عمامتہ“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) مائتدہ: ۶

(۲) ترمذی: باب فی المسح علی الجوربین والعمامة، حدیث ۱۰۲، البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۳) کشف النقاب: ۳۹۹/۲

نے وضو کیا اور موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا: امام ترمذیؒ کہتے ہیں: محمد بن بشرؒ نے اس حدیث میں ایک دوسری جگہ یوں ذکر فرمایا ہے: انہوں نے اپنی پیشانی اور پگڑی پر مسح کیا۔ (۱)  
تو معلوم یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ دراصل پیشانی کے اوپری حصہ پر مسح کیا، پھر جب پگڑی صحیح کی تو اس پر بھی مسح ہو گیا، مگر یہ ضمناً اور صورتاً تھا، راوی نے جو دیکھا روایت کر دیا؛ حالانکہ وہاں مقصود صرف پیشانی پر مسح تھا، پگڑی پر مسح مقصود نہیں تھا۔

## کپڑے کے موزوں پر مسح کا حکم

جس قسم کے سوتی، اونی یا نیلون کے موزے اس زمانہ میں رائج ہیں، ان پر مسح کرنا جائز نہیں، اس بحث کو سمجھنے کیلئے اولاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن کریم نے سورہ مائدہ میں وضو کا جو طریقہ بیان کیا ہے، اس میں پوری وضاحت کے ساتھ پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے، نہ کہ اس پر مسح کا قرآن کریم میں کی اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو میں ہمیشہ پاؤں دھوئے جائیں؛ یہاں تک کہ جب کسی شخص نے چمڑے کے موزے پہنے ہوئے ہوں، اس وقت بھی مسح کی اجازت نہ ہو؛ لیکن چمڑے کے موزے پر مسح کی اجازت جو باجماع امت دی گئی ہے، جس کا انکار ممکن نہیں، اگر چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہونے کے بارے میں دو تین حدیثیں ہوتیں، تب بھی ان کی بناء پر قرآن کے مذکورہ صریح حکم پر موزوں پر مسح کی اجازت نہیں ہوتی، جبکہ مسح علی الخفین کی احادیث معنأً متواتر ہیں؛ اس لئے ان متواتر احادیث کی روشنی تمام امت کا اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ قرآن کی آیت میں پاؤں دھونے کا حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جب انسان نے خفین (چمڑے کے موزے) نہ پہن رکھے ہوں، چنانچہ مسح علی الخفین کا حکم اسی (۸۰) صحابہ سے مروی ہے، حافظ ابن حجرؒ ”فتح الباری“ میں لکھتے ہیں: ”وقد صرح جمع من الحفاظ بأن المسح على الخفين متواتر وجمع بعض رواه فجاءوا الثمانين، منهم العشرة“ حفاظ کی ایک بڑی جماعت نے تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کا حکم متواتر ہے، اور بعض حضرات نے اس کے روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کیا تو اسی (۸۰) سے متجاوز تھے، جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ (۲)  
**خفین** (چمڑے کے موزوں) کے علاوہ کسی چیز پر مسح کے بارے میں ایسا تو اتر موجود نہیں ہے؛ اس لئے یہ اجازت صرف چمڑے کے موزوں کے ساتھ خاص رہے گی، دوسرے موزوں کے

(۱) ترمذی: باب ما جاء في المسح على العمامة، حدیث: ۱۰۰، ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲) فتح الباری: باب المسح على الخفين: ۳۰۶/۱

متعلق قرآن کا اصلی حکم پاؤں دھونے پر عمل ہوگا؛ یا وہ موزے اس قدر موٹے ہوں کہ وہ اپنی خصوصیات و اوصاف کی وجہ سے چمڑے کے موزوں کے ہم پلہ ہوں (کہ ان میں پانی نہ چھنتا ہو، نہ انھیں پاؤں پر جے رہنے کیلئے کسی بیرونی سہارے کی ضرورت ہو اور ان کو پہن کر دو میل چل سکتے ہوں) لہذا وہ باریک موزے جو نہ چمڑے کے ہوں، اور نہ ان میں چمڑے کے اوصاف پائے جاتے ہوں جیسے آج کل کے سوتی، اونی یا نیلون کے موزے، ان کے بارے میں اجماع ہے کہ ان پر مسح جائز نہیں؛ کیونکہ ایسے موزوں پر مسح کرنا ایسے دلائل سے ثابت نہیں، جن کی بناء پر قرآن کریم کے پاؤں کے دھونے کے حکم کو چھوڑ دیا جائے۔

### جراہوں پر مسح کی روایات کی حقیقت

جن روایات میں جورین (جراہوں) پر مسح کرنے کا ذکر آیا ہے، سارے ذخیرہ احادیث میں یہ کل تین روایتیں ہیں، ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اور ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اور یہ روایتیں محدثین کے جرح و تعدیل سے خالی نہیں ہیں۔

علامہ مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ ”تحفۃ الأحوذی“ میں فرماتے ہیں: ”والحاصل عندی أنَّه ليس في باب المسح على الجوربين حديث صحيح، مرفوع، خال عن الكلام“ پوری تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جراہوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں، جو محدثین کی جرح و تنقید سے خالی ہو۔ (۱)

پہلے تو جراہوں (پائتاہوں) پر مسح کے بارے میں روایات عموماً محدثین کے نقد و تنقید سے خالی نہیں ہیں، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بقول امام ترمذی کے صحیح بھی مان لیں، (جبکہ ان کے مقابل اکثر محدثین اس روایت پر تنقید کی ہے) تو پورے ذخیرہ حدیث میں محض یہ ایک روایت ہوگی، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جورین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، محض اس ایک روایت کی بناء پر قرآن کریم نے پاؤں دھونے کا جو حکم دیا ہے اسے کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ ہاں البتہ جہاں صحابہ رضی اللہ عنہم سے جورین پر مسح کرنے کا ذکر ہے، اس سے وہ جورب مراد ہیں جو خفین (چمڑے کے موزوں) کی خصوصیات کے حامل ہوں ”یُمسح على الجوربين اذا كانا صفيقتين“ اس روایت کو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

(۱) تحفۃ الأحوذی: ۳۳۳/۱

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: باب فی المسح علی الجوربین، ۱۹۷۶

## نماز میں خشوع خضوع پیدا کرنے کے طریقے

نماز کے اندر دو باتیں ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ غیر اختیاری طور پر نماز میں جو خیالات آتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یہ خیالات آنا کبھی بند نہیں ہوں گے، اور نہ ہی ان کے بند کرنے کا کوئی راستہ ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز کی نیت باندھ کر سلام تک ہم اپنا ذہن اور اپنا دل نماز کی طرف متوجہ کرتے رہیں، یہ کام اختیاری ہے، اور اسی کی رعایت کرنا خشوع ہے۔ ایسی نماز کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ بغیر خشوع کی نماز اس نمازی کیلئے بددعا کرتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ ایسی نماز پر انے کپڑے کی طرح سے لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ اس طرح کی نماز بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب کے بعد (دوری) پیدا کرتی ہے۔ اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں، جن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ کتنی فکر کی بات ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال نماز پڑھے اور وہ نماز اس کے منہ پر واپس ماردی جائے اور وہ اس کے سر سے ایک بالشت بھی اوپر نہ جائے۔

آج نماز ہماری عادت بن چکی ہے ہم نماز میں ”اللہ اکبر“ کہنے سے ”سلام“ پھیرنے تک اپنے خیالوں میں اور اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں، اگر جسم نماز میں مشغول ہے اور روح دنیا میں منہمک، تو ظاہر ہے کہ ایسی نماز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”سب سے پہلے اس امت سے نماز کا خشوع اٹھایا جائے گا تو دیکھے گا کہ (بھری مسجد میں) ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔“ (۱)

(۱) مجمع الزوائد: باب فیمن لا یتّمسک بصلواتہ ونسی رکوعہا وسجودہا، حدیث: ۲۷۳۳، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں اور اسی طرح بزار نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی ”احوص بن حلیم“ ہیں ان کو ابن مدینی اور علی نے ثقہ بتلایا ہے اور جمہور نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے بقیہ رجال ثقہ ہیں۔



اس لئے نماز میں خشوع و خضوع کی بہت تاکید ہے۔

خشوع دو طرح کا ہوتا ہے ایک خشوع ظاہری: مراد یہ ہے کہ پورا جسم اور اعضاء ہر رکن میں بلا کسی حرکت کے ہیئت مسنونہ پر برقرار ہیں۔ دوسرے خشوع باطنی: مراد یہ ہے کہ دل میں خوف الہی، اپنی ذلت و حقارت اور انتہائی عاجزی و شکستگی کا احساس ہونے کے ساتھ دل و دماغ ہر چیز سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے۔ بالقصد کسی اور طرف متوجہ نہ ہوں۔

**نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:**  
**پہلا طریقہ: گناہوں سے بچنا**

نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کیلئے گناہوں سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ جو شخص گناہوں سے نہیں بچتا اس کی نماز میں خشوع پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص بدنظری کرتا ہے اس کی نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص خارج نماز میں اپنے اعضاء کی جس قدر حفاظت کرتا ہے اور گناہوں کی گندگی سے پاک رہتا ہے اسی قدر داخل نماز میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص حضوری اور خشوع میسر ہوتا ہے؛ اس لئے جتنا ہم گناہوں سے بچیں گے اتنا ہی نماز میں خشوع و خضوع حاصل ہوگا۔

**دوسرا طریقہ: حرام سے اجتناب**

نماز میں خشوع حاصل کرنے کی دوسری شرط حرام غذا اور لباس وغیرہ سے اجتناب کرنا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”جس نے ایک لقمہ بھی حرام کھالیا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔“ (۱)

ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا عبداللہ! میں نماز میں اکثر چوک جاتا ہوں یعنی مجھے یاد نہیں رہتا کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اور کتنی باقی ہیں آپؐ نے فرمایا اپنے منہ کو حرام سے اور کپڑوں کو نجاست سے پاک رکھ۔

(۱) مجمع الزوائد: باب الخشوع، حدیث: ۲۸۱۳، اس کو طبرانی نے ”کبیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد: باب فیمن أكل حلالاً، حدیث: ۱۸۱۰)، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے ”صغیر“ میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک غیر معروف شخص ہے۔

## تیسرا طریقہ: وضو میں قلب کا حاضر ہونا

نماز میں خشوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ وضو میں نماز کی طرح قلب کا حاضر ہونا لازمی ہے، جیسے نماز میں نمازی غیر اللہ کی طرف التفات نہیں کرتا اسی طرح وضو میں بھی غیر اللہ کا دھیان نہ ہو۔

اسی لئے ایک اللہ والے نے لکھا ہے کہ بعض صالحین کو میں نے یہ کہتے سنا کہ جب وضو میں قلب حاضر ہو تو نماز میں بھی حاضر ہوگا جب وضو میں شیطان کا دخل ہوگا تو لازماً نماز میں بھی وسوسہ پیدا ہوگا۔

## چوتھا طریقہ: اذان کے بعد دل کو متوجہ کرنا

نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نمازی جیسے ہی اذان کی آواز سنے وہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جائے؛ کیونکہ اذان اللہ کی طرف بلاوا ہے اللہ تو مؤذن کے ذریعے کہلوا رہے ہیں ”حی علی الفلاح“ آؤ کامیابی کی طرف، اللہ کے اس بلاوے کے باوجود اس وقت دکان میں مشغول رہنا ایسا ہے کہ ہم بہ زبان حال کہہ رہے ہوں کہ کامیابی تو دکان میں ہے، اور اذان کے بعد دل کا نماز کی طرف متوجہ کر لینا یہ تو آپ کی سنت ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ ہم سے گفتگو کیا کرتے تھے اور ہم آپ ﷺ سے گفتگو کیا کرتے تھے، مگر جب نماز کا وقت آجاتا تو ایسا لگتا کہ گویا آپ ﷺ ہمیں نہ جانتے ہوں، اور ہم سب آپ ﷺ کو نہ جانتے ہوں۔ (۱)

## پانچواں طریقہ: نماز سے پہلے فضائل نماز کا مراقبہ

نماز میں خشوع و خضوع حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ نماز سے پہلے نماز کے فضائل کا اور اکابرین کی نمازوں کا مراقبہ کرے کیونکہ شاید آپ حضرات کا بھی تجربہ ہوگا کہ نماز سے پہلے جس چیز میں مشغول ہوتے ہیں اسی کا خیال نماز کی حالت میں ذہن میں آتا چلا جاتا ہے۔

## چھٹا طریقہ: اللہ کے علاوہ سے بے التفاتی

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے (۱) فیض القدیر: ۸۸/۳، عبدالرؤف مناوی کہتے ہیں: زین العرائی نے شرح ترمذی میں کہا ہے: اس روایت میں عمران بن قتان ضعیف ہیں، ان کو ابن معین نے ضعیف اور احمد نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ہم غیر اللہ کو اپنے دل سے نکال دیں، جب ہم نماز میں تکبیر کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اس وقت تکبیر میں ہم کہتے ہیں اللہ اکبر یعنی ساری کائنات چھوٹی ہے اللہ بڑے ہیں اس وقت دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے مراد یہ ہے کہ اے اللہ ہم نے آپ کے غیر کو پس پشت ڈال دیا؛ کیونکہ جب نماز میں کوئی اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

احمد ابوداؤد اور نسائی نے بواسطہ ابوالاحوص ابوذر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا: ”لا يزال مقبلا على العبد في صلوة مالم يلتفت فاذا صرف وجهه انصرف عنه“ یعنی نمازی جب تک نماز میں ادھر ادھر نہ جھانکے تو اللہ عز و جل اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں مگر جب خدا سے دھیان ہٹا لیتا ہے تو اللہ عز و جل بھی توجہ پھیر لیتے ہیں۔ (۱)

### ساتواں طریقہ : مراقبہ (میں اللہ کو دیکھ رہا)

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد ہم یہ تصور باندھ رہے ہیں کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں ذہن اگر دوسری طرف چلا جائے تو فوراً یہ تصور دل میں لائیں کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور اس کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اس کو دیکھتا ہے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو کم از کم اس طرح وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ (۲)

حضرت عطاءؒ سے منقول ہے کہ جب انسان حالت نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ”اے ابن آدم! تو کس کی طرف توجہ کر رہا ہے؟ حالانکہ میری ذات توجہ کے زیادہ لائق ہے۔

### آٹھواں طریقہ : مراقبہ (میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے)

نماز کی نیت باندھنے کے بعد یہ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے کہ میں کس طرح نماز پڑھ رہا ہوں اور کس طرح تلاوت کر رہا ہوں، اس طرح ہر رکن میں دل میں یہ خیالات لاتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کے بارے میں اپنی پوری کوشش کی جائے کہ نماز ایسی ہو جیسی

(۱) المستدرک: باب التأمین، حدیث: ۸۶۲، حاکم کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے، ”ابوالاحوص“ یہ تابعی ہیں، مدینہ کے باشندہ ہیں، زہری نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(۲) مسلم: باب بیان الایمان، حدیث: ۹

کہ اس وقت ہوتی جب اللہ تعالیٰ پورے جلال و جمال کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتا اور ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم دیتا اور ہم اس کے سامنے کھڑے ہو کر ایسا کرتے، اگرچہ یہ بات اتنی آسان نہیں ہے، لیکن اپنی حد تک کوشش پوری کرنی چاہئے، اس کی صورت یہ ہے کہ جب نماز کیلئے کھڑے ہونے لگیں تو یہ سوچ لیا کریں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، میں اگرچہ نہیں دیکھ سکتا، لیکن وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے حضور نماز ادا کر رہا ہوں۔

### نواں طریقہ: دنیا سے رخصت ہونے والے کی طرح نماز پڑھنا

حصولِ خشوع و خضوع کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نمازی کو چاہئے کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس وقت یہ تصور کرے کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو، اس کے بعد کوئی نماز ادا کرنے کا موقع نہ ملے اور پھر قبر میں حساب و کتاب ہو تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ ایک روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو الوداع ہونے والوں کی طرح نماز پڑھو، کہ شاید پھر شاید نماز کی طرف آنا نصیب نہ ہو۔ (۱)

### دسواں طریقہ: نماز کو اللہ سے بات چیت کا ذریعہ سمجھنا

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کے دوسرے ذرائع کی طرح ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ نماز کو رب سے بات چیت کا ذریعہ سمجھے، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اس وقت اپنے رب سے راز و نیاز کر رہا ہوتا ہے۔

### گیارہواں طریقہ: حالتِ نماز میں تلاوت معنی کے دھیان کے ساتھ

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نماز میں جن چیزوں کا پڑھنا مقرر ہے مثلاً: ثنا، سورہ فاتحہ، رکوع و سجدہ کی تسبیحات، درود شریف وغیرہ کم از کم ان کا مطلب اور معنی یاد کر لئے جائیں اور اس کو پڑھتے وقت یہ یاد رکھیں کہ ان لفظوں میں آپ اپنے مالک و معبود سے کیا عرض کر رہے ہیں، جب آپ کی توجہ قرآن پاک پر مرکوز ہو جائے گی تو آپ گرد و پیش سے بے خبر ہو جائیں گے اور نماز میں یکسوئی نصیب ہوگی، اس طرح نماز میں خشوع پیدا ہوگا۔

### بارہواں طریقہ: نماز کے الفاظ کی طرف دھیان دینا

خشوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تلاوت و اذکار اور تسبیحات کے الفاظ کی طرف

توجہ اور دھیان دیں، عام لوگوں کیلئے یہ چوتھی صورت بالکل آسان ہے اکیلے نماز میں تلاوت و اذکار ہلکی ہلکی آواز سے اس طرح پڑھیں کہ اپنے کان میں تو آواز پہنچ جائے، لیکن برابر والے کی نماز میں خلل نہ آئے، پھر اپنے ذہن کو اپنی آواز و الفاظ کی طرف لگائیں مثلاً اس طرح ذہن لگائیں کہ اب میں سبحان اللہ پڑھ رہا ہوں، اب سورت پڑھ رہا ہوں، اس طرح جتنے ارکان ہیں ان کو سوچ کر ادا کریں، اور پوری نماز ارادہ اور توجہ کے ساتھ ہوگی کہ اب میں یہ پڑھ رہا ہوں اور یہ رکن ادا کر رہا ہوں تو ذہن میں دوسرے خیالات اور سوچیں نہیں آئیں گے۔

### تیرھواں طریقہ: نماز کے ارکان کو سکون سے ادا کرنا

نماز میں خشوع و خضوع کیلئے نماز کے ہر رکن کو سکون و اطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے، اگر نماز میں رکوع اور سجدہ، قومہ و جلسہ پورے اطمینان سے اور سنت کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو وہ نماز اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے، ایسے نمازی کو حضور اکرم ﷺ نے نماز کا چور فرمایا ہے (۱) تجربہ سے پتہ چلتا ہے کہ سکون اور اطمینان سے نماز ادا کی جائے تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو منٹ کا فرق پڑتا ہے، لہذا صرف دو منٹ کیلئے ہم نماز کے چور کہلائے جائیں گے؟ اس لئے خشوع و خضوع کیلئے ہر رکن کو نہایت سکون اور اطمینان سے ادا کریں۔

### چودھواں طریقہ: تنہائی میں نماز پر محنت کرنا

نماز میں خشوع و خضوع پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تنہائی میں نماز پڑھی جائے اور اگر اس میں خشوع و خضوع نہ ہو تو دوبارہ پڑھے، اس طرح یہ نماز اس کو گراں گزرے گی، فرض کریں کہ چار رکعت میں دو رکعت کے برابر دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کے برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کریں، اس طرح جتنی غفلت زیادہ ہو اس قدر نفلوں میں زیادتی کریں، اس طرح انشاء اللہ آہستہ آہستہ حضور قلب حاصل ہوگا۔

یہ چند امور ہیں ان پر دوران نماز توجہ اور دھیان کرنے سے نماز میں خشوع حاصل ہوتا ہے۔

(۱) مجمع الزوائد: باب ما جاء في الركوع والسجود، حدیث: ۲۷۰، علامہ بیہقی فرماتے ہیں: اس کو احمد، بزار اور ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے، اس کے ایک راوی علی بن زید ہیں، ان سے استدلال کے بارے میں اختلاف ہوا ہے اور اس کے بقیہ رجال صحیح ہیں۔

## مصادر و مراجع

- ۱- القرآن الکریم ترجمہ: شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ (م ۱۳۳۹ھ)
- ۲- القرآن الکریم ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ)
- ۳- صحیح البخاری الامام ابو محمد بن اسماعیل بردزبہ البخاریؒ (م ۲۵۶ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۴- صحیح مسلم الامام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیریؒ (م ۲۶۱ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۵- جامع الترمذی الامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ (م ۲۷۹ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۶- سنن ابوداؤد الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ (م ۲۷۵ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۷- سنن النسائی الامام عبد البوعبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائیؒ (م ۳۰۳ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۸- سنن ابن ماجہ الامام ابوعبد اللہ محمد بن یزید القزوینیؒ (م ۲۷۵ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۹- مؤطا مالک الامام مالک بن انس ابوعبد اللہ الاصبیحیؒ (م ۱۷۹ھ)  
مطبوعہ دار السلام، ریاض
- ۱۰- مسند احمد الامام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) مع تحقیق شعیب الارنؤط
- ۱۱- شرح معانی الآثار احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک ابوجعفر الطحاویؒ  
مع تحقیق محمد زہری النجار

- ١٢- صحيح ابن خزيمة  
محمد بن اسحاق بن خزيمة ابو بكر السلمي<sup>ؒ</sup> (م ٣١١ هـ)  
مع تحقيق دكتور محمد مصطفى اعظمي
- ١٣- صحيح ابن حبان  
ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد التيمي المصري<sup>ؒ</sup> (م ٤٣٩ هـ)
- ١٤- اسنن الكبرى للبيهقي  
ابو بكر احمد بن الحسين بن علي البيهقي<sup>ؒ</sup> (م ٢٥٨ هـ)  
مع تحقيق محمد عبدالقادر عطا
- ١٥- اسنن الصغرى  
ابو بكر احمد بن الحسين بن علي البيهقي<sup>ؒ</sup> (م ٢٥٨ هـ)  
مع تحقيق محمد عبدالقادر عطا
- ١٦- شعب الايمان  
ابو بكر احمد بن الحسين بن علي البيهقي<sup>ؒ</sup> (م ٢٥٨ هـ)  
مع تحقيق محمد سعيد زغلول
- ١٧- مصنف ابن ابي شيبة  
ابو بكر عبد الله بن محمد بن ابي شيبة الكوفي<sup>ؒ</sup> (م ٢٣٥ هـ)  
مع تحقيق محمد عوامه
- ١٨- مصنف عبدالرزاق  
ابو بكر عبدالرزاق بن همام الصنعاني<sup>ؒ</sup> (م ٢١١ هـ)  
مع تحقيق حبيب الرحمن اعظمي
- ١٩- المعجم الطبراني الاوسط  
علامه ابوالقاسم سليمان بن احمد الطبراني<sup>ؒ</sup> (م ٣٢٠ هـ)  
مع تحقيق طارق بن عوض الله
- ٢٠- المعجم الطبراني الكبير  
علامه ابوالقاسم سليمان بن احمد الطبراني<sup>ؒ</sup> (م ٣٢٠ هـ)  
مع تحقيق طارق بن عوض الله
- ٢١- سنن الدارقطني  
الامام حافظ علي بن عمر الدارقطني<sup>ؒ</sup> (م ٣٨٥ هـ)  
مع تحقيق سيد عبد الله هاشم مدني
- ٢٢- مجمع الزوائد  
علامه ابو بكر الهيثمي<sup>ؒ</sup> (م ٨٠٤ هـ) مطبوعه بيروت ١٩٩٢ء
- ٢٣- مؤطا امام محمد  
محمد بن حسن الشيباني<sup>ؒ</sup>
- ٢٤- مستدرک علی الصحیحین  
ابو عبد الله محمد بن عبد العظيم حاكم<sup>ؒ</sup> (م ٢٠٥ هـ)
- ٢٥- الترغيب والترهيب  
الحافظ ذكي الدين عبد العظيم بن عبد القوي المنذري<sup>ؒ</sup> (م ٦٥٦ هـ)
- ٢٦- كنز العمال  
علي بن حسام الدين المنقي<sup>ؒ</sup> (م ٩٤٥ هـ)

- ۲۷- کتاب الاثار یعقوب بن ابراہیم الأنصاری البویوسف<sup>ؒ</sup> (م ۱۸۲ھ)
- ۲۸- مسند الشامیین علامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی<sup>ؒ</sup> (م ۳۶۰ھ)
- ۲۹- اثار السنن علامہ شوق نیوی<sup>ؒ</sup>
- ۳۰- اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی<sup>ؒ</sup> (م ۱۳۹۴ھ)
- ۳۱- جزع رفع الیدین الامام ابو محمد بن اسماعیل بردزبہ البخاری<sup>ؒ</sup> (م ۲۵۶ھ)
- ۳۲- التاریخ الکبیر الامام ابو محمد بن اسماعیل بردزبہ البخاری<sup>ؒ</sup> (م ۲۵۶ھ)
- ۳۳- مختصر قیام اللیل محمد بن نصر المزوری<sup>ؒ</sup>
- ۳۴- ریاض الصالحین الامام یحییٰ بن شرف النووی<sup>ؒ</sup>
- ۳۵- کتاب الامام الامام محمد بن ادریس الشافعی<sup>ؒ</sup> (م ۳۶۰ھ)
- ۳۶- فتح الباری امام حافظ ابن حجر قسطلانی<sup>ؒ</sup> (م ۸۵۲ھ)
- ۳۷- عمد القاری بدر الدین العینی الحنفی<sup>ؒ</sup> (م ۸۵۵ھ)
- ۳۸- ارشاد الساری علی بن احمد بن علی القسطلانی<sup>ؒ</sup> (م ۹۲۳ھ)
- ۳۹- فیض الباری علامہ محمد انور شاہ ابن معظم شاہ کشمیری<sup>ؒ</sup>
- ۴۰- مرقات شرح مشکوٰۃ علامہ علی بن سلطان القاری<sup>ؒ</sup> (م ۱۰۱۴ھ)
- ۴۱- معارف السنن علامہ یوسف بٹوری<sup>ؒ</sup> (م ۱۳۹۷ھ)
- ۴۲- تحفۃ الاحوذی ابو العلی محمد عبدالرحمن مبارک پوری<sup>ؒ</sup> (م ۱۳۵۳ھ)
- ۴۳- شرح مسلم امام یحییٰ بن شرف النووی<sup>ؒ</sup>
- ۴۴- نصب الراية علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف الزلیعی<sup>ؒ</sup> (م ۷۶۲ھ)
- ۴۵- التلخیص الحبیر احمد بن علی بن حجر عسقلانی<sup>ؒ</sup> (م ۹۲۳ھ)
- ۴۶- فیض التقدير عبدالرؤف المناوی<sup>ؒ</sup> (م ۱۰۳۱ھ)
- ۴۷- الجوهر النقی علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان المارادی<sup>ؒ</sup> ابن الترمکانی<sup>ؒ</sup>
- ۴۸- مصباح الزجاجة شہاب الدین البوصیری<sup>ؒ</sup>
- ۴۹- العرف الشذی علامہ محمد انور شاہ ابن معظم شاہ کشمیری<sup>ؒ</sup>
- ۵۰- عون المعبود محمد شمس الدین عظیم آبادی البوطیب<sup>ؒ</sup>
- ۵۱- السعایہ علامہ محمد عبد الحیی اللکنوی<sup>ؒ</sup> (م ۱۳۰۴ھ)



- ۵۲- بدائع الصنائع علامه علاء الدین ابو بکر بن سعود کاسانی حنفی (م ۵۸۷ھ)
- ۵۳- زاد المعاد ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر دمشقی "ابن القیم الجوزیہ" (م ۷۵۱ھ)
- ۵۴- المدونۃ الکبریٰ ابو سعید خلف بن ابی القاسم القیروانی
- ۵۵- فض الوعاء امام عبد الرحمن بن کمال محمد بن سابق الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)
- ۵۶- المغنی لابن قدامہ ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ
- ۵۷- محلی ابن حزم علی بن احمد بن حزم اندلسی
- ۵۸- فتح القدر محمد بن عبد الواحد "ابن ہمام"
- ۵۹- نیل الاوطار محمد بن علی بن محمد الشوکانی
- ۶۰- فتاویٰ ہندیہ محمد نظام الدین و جماعۃ من العلماء
- ۶۱- الحاوی للفتاویٰ عبد الرحمن کمال السیوطی (م ۹۱۱ھ)
- ۶۲- فتاویٰ ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ الحرانی ابو العباس
- ۶۳- الدرایہ ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)
- ۶۴- تذکرۃ الموضوعات علامہ طاہر صدیقی پٹوئی
- ۶۵- المجموع شرح مہذب الامام یحییٰ بن شرف النووی
- ۶۶- تیسیر المقال علامہ عبد الرحمن بن کمال ابو بکر محمد بن سابق الدین السیوطی
- ۶۷- درمختار محمد امین "ابن عابدین الشامی"
- ۶۸- التہذیب ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)
- ۶۹- مراقی الفلاح حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی
- ۷۰- ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ دہلوی

### اردو کتابیں

- ۷۱- جواہر الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی (م ۱۳۹۵ھ)
- ۷۲- منتخب احادیث حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی
- ۷۳- معارف الحدیث حضرت مولانا منظور نعمانی
- ۷۴- حقیقت نماز حضرت مولانا منظور نعمانی

- ۷۵۔ فتاویٰ محمودیہ (محقق) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
- ۷۶۔ درس ترمذی حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ
- ۷۷۔ فقہی مقالات حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ
- ۷۸۔ تحفۃ اللمعی افادات حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ
- ۷۹۔ علمی خطبات حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ
- ۸۰۔ مسائل نماز حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ
- ۸۱۔ قاموس الفقہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
- ۸۲۔ کتاب الفتاویٰ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
- ۸۳۔ راہ اعتدال حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ
- ۸۴۔ حدیث اور اہل حدیث مولانا انوار خورشید
- ۸۵۔ نماز مسنون مولانا عبد الحمید سواتی
- ۸۶۔ نماز پیمبر ﷺ مولانا الیاس فیصل
- ۸۷۔ نفاس الفقہ مفتی شعیب اللہ خان مدظلہ
- ۸۸۔ دلیل نماز بجواب مفتی شعیب اللہ خان مدظلہ
- ۸۹۔ کتاب المسائل مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ
- ۹۰۔ انوار المناسک مفتی محمد شبیر قاسمی مدظلہ
- ۹۱۔ بارہ مسائل بیس لاکھ مولانا منیر احمد ملتانی
- ۹۲۔ احکام النساء مولانا شوکت ثناء قاسمی
- ۹۳۔ رسول اللہ ﷺ کی نماز مفتی عارف باللہ القاسمی
- ۹۴۔ نماز میں خشوع و خضوع مولانا محمد ارسلان مبین
- ۹۵۔ اسلامی شادی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
- ۹۶۔ نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ مفتی محمد راشد اعظمی
- ۹۷۔ مستند نماز حنفی مولانا امداد اللہ نور، دار المعارف، ملتان
- ۹۸۔ نماز جنازہ میں مسنون دعا مولانا ابوالاحمد نور محمد تونسوی قادری
- ۹۹۔ حنفی عورتوں کی مدلل نماز مفتی عبدالرؤف سکھروی
- ۱۰۰۔ غیر مقلدین کی غیر مستند نماز مناظر اسلام حضرت مولانا امین صفدر
- ۱۰۱۔ نماز اہل سنت والجماعت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب